ارشاد الملوک ترجمہ امداد السلوک ماخوذ از رسالہ مکیہ

یعنی

امداد السلوک

اردو

تصوف واخلاق کی معروف بلند پایہ کتاب

مصنف

حضرۃ شیخ قطب الدین دمشقی نور اللہ مرقدہ

مؤلف

امام ربانی حضرۃ مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ

دار الکتاب دیوبند

ارشاد الملوک ترجمہ امداد السلوک ماخوذ از رسالہ مکیہ

یعنی

امداد السلوک

تصوف و اخلاق کی معروف بلند پایہ کتاب

مصنف : حضرۃ شیخ قطب الدین دمشقی نور اللہ مرقدہ

مؤلف : امام ربانی حضرۃ مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ

حسب الحکم : حضرۃ مولانا حافظ محمد ضامن شہید قدس اللہ سرہ

مترجم : حضرۃ مولانا محمد عاشق الٰہی میرٹھی نور اللہ مرقدہ

مقدمہ : شیخ الحدیث حضرۃ مولانا محمد زکریا سہارنپوری قدس سرہ

دار الکتاب دیوبند (یو۔پی)

تفصیلات

نام کتاب	اِمدادالسلوک اُردو
مصنف	حضرت شیخ قطب الدین دمشقی نوراللہ مرقدہ
مؤلف	امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ
مترجم	حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی میرٹھی نوراللہ مرقدہ
تعدادِ صفحات	۲۰۸
طباعت	یاسر ندیم آفسیٹ پریس دیوبند
سن اشاعت	۲۰۰۵ء
زیر اہتمام	واصف حسین مالکِ دارالکتاب

شائع کردہ

دارُالکِتاب دیوبند

عرضِ ناشر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ۔ امابعد

قطب الارشاد امام ربانی حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی قدس اللہ سرہٗ کی ذاتِ گرامی محتاجِ تعارف نہیں۔ فقیہ النفس، درویش خدامست، اور علمائے اہلِ حق کے قائد اور طائفہ اولیاء کے سرخیل ہیں۔ فقر و تصوف کے جامع اور بادۂ توحید سے سرشار اس ذاتِ گرامی سے علم و عمل کا جو فیضِ عام پھیلا ہے، وہ اہلِ نظر سے پوشیدہ نہیں ہے۔

اسی فیضِ عام کی ایک کڑی یہ زیرِ نظر مبارک کتاب ہے جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس رسالہ کو حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہٗ نے قدوۃ العارفین، زبدۃ السالکین حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہید تھانوی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کے حکم پر فارسی زبان میں لکھا اور اپنے شیخ سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کے نامِ نامی کی طرف منسوب کرتے ہوئے اس کا نام "امداد السلوک" رکھا۔ یہ کتاب حقائقِ تصوف پر مشتمل اور سالکانِ طریقت کے لئے مشعل و رہبر کی حیثیت رکھتی ہے۔

اس اہم کتاب کی افادیت کے پیشِ نظر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کے خلیفۂ خاص اور مشہور مصنف و مترجم حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ نے آسان اردو میں اس کا ترجمہ فرمایا جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

موجودہ کتاب کی ابتداء میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مبسوط مقدمہ بھی شامل ہے جس میں اصل مصنف، مؤلف اور مترجم کے تفصیل

حالات درج کئے گئے ہیں جو ایک عام قاری اور خصوصاً ایک سالک کے لئے بہت ہی نافع مضامین پر مشتمل ہیں۔

ہم نے اس نئے ایڈیشن کی طباعت میں اصل مقدمہ اور کتاب کو بجنسہٖ محفوظ رکھتے ہوئے مضامین کے مناسب جگہ جگہ عنوانات کا اضافہ کر دیا ہے۔ جس کی وجہ سے اُمید ہے کہ انشاء اللہ تعالےٰ اب اس کتاب سے استفادہ کرنا اور آسان ہو جائے گا۔

اللہ تعالےٰ ہماری اس حقیر کوشش کو قبول فرماتے ہوئے ہمیں اور سالکین و عامۃ المسلمین کو اس کتاب سے مکمل استفادہ کرتے ہوئے علم و عمل کی توفیق بخشے اور اس کے نفع کو مزید عام و تام فرمائے۔ آمین

آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

ناشر

اشرف برادران سلمہم الرحمٰن

ادارہ اسلامیات لاہور

۲۷ رجادی اولیٰ ۱۴۰۴ھ

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

مقدمہ ارشاد الملوک ترجمہ امداد السلوک

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم۔

اس سیہ کار کا معمول رمضان المبارک پینتیس ہجری ۱۳۳۵ھ سے گذشتہ سال پچاسی ہجری ۱۳۸۵ھ تک اکیاون سال ماہ مبارک میں عصر سے مغرب تک قرآن پاک سُنانے کا رہا ہے۔ رمضان چوالیس ہجری ۱۳۴۴ھ تک جب تک میرے حضرت اور میرے شیخ حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحبؒ کا قیام سہارنپور رہا اس وقت تک دس برس مخدومی جناب الحاج حافظ محمد حسین صاحب ناظم مدرسہ اجراڑہ جو حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کے خدام میں تھے اور حضرت گنگوہیؒ کے انتقال کے بعد حضرت سہارنپوریؒ کی طرف رجوع کر لیا تھا۔ وہ ہر سال رمضان المبارک حضرت کی خدمت میں گزارنے سہارنپور تشریف لاتے تھے۔ وہ ظہر کے بعد میرے حضرت قدس سرہٗ کا پارہ سُنا کرتے تھے اور عصر کے بعد اس ناکارہ کا۔ سولہ شوال چوالیس ہجری ۱۳۴۴ھ کو حضرت اقدس کی مکہ معظمہ کو روانگی ہوئی اور یہ ناکارہ بھی ہمراہ تھا۔ ایک سال وہاں قیام کے بعد محرم چھیالیس ہجری ۱۳۴۶ھ میں اس سیہ کار کی واپسی ہوئی۔ واپسی کے بعد سے مختلف احباب اس ناکارہ پر شفقت کرتے رہے اور ہمیشہ عصر کے شدائد میں بھی وہ اس ناکارہ کا قرآن سُنتے رہے۔ تقریباً پچیس برس تک عزیزان الحاج مفتی محمد یحییٰ اور اُن کے بھائی الحاج مولوی محمد الیاس صاحب اس ناکارہ پر شفقت کرتے رہے اور ہمیشہ عصر کے بعد قرآن سُننا ان کے ذمہ رہا۔ اس کے ساتھ ہی تقریباً

تیس سال سے کچھ احباب یہاں رمضان گزارنے آتے رہتے تھے اور وہ عصر کے بعد قرآن پاک کے سننے میں شریک رہتے۔ یہ ناکارہ بار بار تقاضا بھی کرتا کہ یہ لوگ اپنے اوراد میں مشغول ہوں، مگر وہ از راہِ محبت کلام پاک سننے میں مشغول رہتے۔ یہ ناکارہ بلسان العجم پڑھنے والا ان کے لئے اس کو زیادہ مفید نہیں سمجھتا تھا۔ دو تین سال سے ماہ مبارک میں آنے والوں کا سلسلہ اندازہ سے زیادہ بڑھنے لگا۔ گذشتہ سال دو سو سے متجاوز ہو گیا اور امسال ماہ مبارک کے ختم پر ساڑھے تین سو سے متجاوز ہو گیا۔ مجھے پار سال بھی اس کا بار بار خیال آتا رہا کہ عصر کے بعد کوئی ایسی چیز تجویز ہو جو اُن کے لئے مفید ہو۔ مگر سمجھ میں نہیں آئی۔ امسال یہ خیال میں آیا کہ امداد السلوک اور اتمام النعم ان مہمانوں کے لئے زیادہ مفید ہے بالخصوص ذاکرین کے لئے۔

امداد السلوک شیخ المشائخ قطب الاقطاب حضرت اقدس گنگوہی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کی تالیف ہے۔ لیکن فارسی زبان میں ہے جو تالیف کے زمانے میں ہندوستان کے متوسط طبقہ کی گویا مادری زبان تھی۔ جب فارسی زبان عام فہم نہ رہی تو حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی نور اللہ مرقدہٗ نے اس کا ترجمہ "ارشاد الملوک" کے نام سے اُردو میں کیا اور جیسا کہ حضرت اقدس گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ نے اپنے مُرشد حضرت الحاج امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نور اللہ مرقدہٗ کے نام نامی سے استبراک کرتے ہوئے "امداد السلوک" نام رکھا۔ اسی طرح حضرت میرٹھی نے حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کے نام نامی سے استبراک کرتے ہوئے "ارشاد الملوک" نام رکھا۔

اور اتمام النعم تبویب الحکم کا اُردو ترجمہ ہے جس کا حضرت اقدس مُرشدی مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے حضرت شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی تعمیل حکم میں ترجمہ فرمایا تھا جیسا کہ حضرت اقدس حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی اس تقریظ کے اندر آرہا ہے جو اتمام النعم کے شروع میں ہے اور عنقریب ہدیہ ناظرین ہو گی۔ چونکہ اتمام النعم مختصر تھی اس لئے حضرت مولانا الحاج خلیل احمد صاحب کی تعمیل حکم میں حضرت کے مُرید اور خلیفہ مجاز حضرت مولانا عبداللہ صاحب گنگوہیؒ نے

اس کی شرح فرمائی جو "اکمال الشیم" کے نام سے طبع ہوئی۔ جیسا کہ خود مولانا عبداللہ صاحبؒ نے اپنے رسالہ کے شروع میں تحریر فرمایا ہے۔ یہ ناکارہ اپنے دوستوں میں سے جو ذاکر ہوں ان کو وصیت اور تاکید کرتا ہے کہ امداد السلوک اور اتمام النعم کو خاص طور سے اپنے مطالعہ میں رکھیں اور کثرت سے دیکھتے رہا کریں اور "ارشاد الملوک" اور "اکمال الشیم" انہی دونوں کا ترجمہ اور شرح ہیں اور انہی کے حکم میں ہیں۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا الحاج سید حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ بھی اپنے خاص لوگوں کو "امداد السلوک" کے مطالعہ کی تاکید فرمایا کرتے تھے۔ اس ناکارہ کے نزدیک بھی ان دونوں رسالوں کا مطالعہ ذاکرین کے لئے بہت مفید ہے اس لئے اپنے سے بیعت کا تعلق رکھنے والے احباب کو تاکید کرتا ہوں کہ اس ناکارہ کے فضائل کے رسائل کو اہتمام سے مطالعہ میں رکھیں اور ذاکرین کو "ارشاد الملوک" اور "اکمال الشیم" کو خاص طور سے مطالعہ میں رکھنا چاہیئے اور جن احباب کو اس ناکارہ نے بیعت کی اجازت دی ہے ان کے لئے حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کی "تربیت السالک" اور حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہٗ کے مکاتیب جو مکاتیب رشیدیہ کے نام سے مطبوع ہیں مطالعہ میں رکھنا مفید ہے۔ اکمال الشیم کے متعلق اس کے شروع میں تمہید آ رہی ہے۔

ارشاد الملوک

ارشاد الملوک حضرت قطب العالم گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب امداد السلوک کا ترجمہ ہے۔ اصل کتاب فارسی میں تھی جو اس وقت کی عام فہم زبان تھی جب اس کے سمجھنے والے نہ رہے تو حضرت مولانا الحاج عاشق الٰہی صاحب میرٹھی نور اللہ مرقدہٗ نے شوال ۱۳۳۲ھ میں اس کا اردو میں سلیس ترجمہ فرمایا۔

مختصر حالات مولانا عاشق الٰہی صاحب

حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحبؒ نے اپنے ابتدائی حالات "الجواہر الزواہر ترجمۃ البصائر"

میں خود ہی تحریر فرماتے ہیں اور بہت تفصیل سے ذکر فرماتے ہیں۔ جن کو میں مختصراً نقل کرتا ہوں۔ وہ لکھتے ہیں ۔

نسب :۔ عاشق الہیٰ بن یاد الہیٰ بن رحم الہیٰ بن فضل الہیٰ کی ولادت پانچ رجب سن بارہ سو اٹھانوے ہجری (۱۲۹۸ھ) مطابق تین جون سن اٹھارہ سو اکیاسی عیسوی (۱۸۸۱ء) یوم جمعہ کو ہوئی ۔

چار سال کی عمر میں الف باء شروع ہوئی اور سن ۱۳۰۴ھ میں جب کہ میری عمر چھ سال کی تھی قرآن پاک ناظرہ اور کچھ اُردو کی کتابیں پڑھ لی تھیں اور بے پڑھے اخبارات کو فرفر پڑھنے لگا۔ ۱۳۰۵ھ میں عربی شروع کر دی۔ اس کے بعد انگریزی سکول میں دو سال تعلیم پائی اور اسی طرح متفرق تعلیم ہوتے ہوئے جمادی الثانیہ ۱۳۱۱ھ میں جب کہ میری عمر تیرہ سال کی تھی مدرسہ قومی میرٹھ میں داخلہ ہوا اور ابتداء سے میزان وغیرہ شروع ہوئی۔ ۱۳۱۲ھ میں مشکوٰۃ شریف شروع ہو گئی جب کہ عربی شروع کئے ہوئے صرف دس مہینے ہوئے تھے۔ دو سال میں جملہ کتب صحاح و دینیات ختم ہو گئیں اور حضرت مولانا میر حسن صاحب امروہی نے دستار بندی فرمائی۔ اس وقت میری عمر سولہ سال کی تھی۔

ربیع الثانی ۱۳۱۵ھ میں میرا نکاح اوّل ہوا۔ اور اسی سال رجب ۱۳۱۵ھ میں لاہور مولوی فاضل کی تعلیم کے لئے چلا گیا اور اعلیٰ نمبر کی کامیابی حاصل کی۔ ۴ محرم ۱۳۱۶ھ کو کامیابی کا انعام لینے کے لئے لاہور روانہ ہوا تو راستہ میں گنگوہ حضرت قطب العالم گنگوہی قدس سرہٗ سے بیعت کی۔ ایک شب قیام کے بعد لاہور روانہ ہو گیا۔ واپسی پر ۱۳۱۷ھ میں ندوۃ العلماء کی طلب پر ملازمت پر گیا اور ۲۶ محرم ۱۳۱۷ھ کو ندوہ میں پچیس روپے ماہوار پر میرا تقرر دارالعلوم ندوہ کی دوم مدرسی پر ہو گیا لیکن آب وہوا کی عدم موافقت اور اکابر کے عدم پسندیدگی کی وجہ سے آخر رجب میں واپسی ہو گئی اور کچھ روپیہ قرض لے کر صفر ۱۳۱۸ھ میں خیر المطابع کے نام سے مطبع کھولا، جس میں اُجرت پر کتابیں طبع کرانے لگا اور ساتھ ہی مفید کتابوں کے تراجم میں مشغول ہو گیا اور سب سے اوّل قرآن مجید کا سلیس اُردو میں ترجمہ کیا اور ۱۳۱۹ھ میں بصورت حمائل

اس کو طبع کرایا۔ وہ بہت صدفروخت ہو گئی اور ۱۳۲۰ھ میں اس کو دوبارہ طبع کرایا اور اس کے ساتھ ہی اپنی تالیف "الاسلام" طبع کرائی جس میں اتنا نفع ہُوا کہ جس سے میرا قرضہ بھی ادا ہو گیا اور مجھ پر حج بھی فرض ہو گیا۔

۱۰ر رجب ۱۳۲۱ھ کو مع اپنی والدہ کے حج کے سفر کے لئے روانہ ہُوا۔ حج کے بعد مدینہ منورہ بدامنی کی وجہ سے جانا نہ ہو سکا۔ محرم ۱۳۲۲ھ میں سفر حج سے واپسی ہوئی اور اپنے سابقہ تجارتی مشغلہ میں مشغول ہو گیا۔ شوال ۱۳۲۳ھ میں دوسرا حج جو اپنے والد رحمت اللہ تعالےٰ علیہ کی طرف سے حج بدل تھا کیا اور ربیع الاول ۱۳۲۴ھ میں سفر حج سے واپسی ہوئی۔ ۱۳۲۶ھ میں "تذکرۃ الرشید" شائع کی اور ۱۳۲۸ھ میں جب حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ اور حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہ حج کے لئے تشریف لے جارہے تھے تو مَیں نے بھی دفعتہً حج کا ارادہ کر لیا۔ اسی سفر میں شام، فلسطین اور مصر کا بھی سفر کیا اور ۱۳۳۳ھ میں یہ رسالہ "ارشاد السلوک ترجمہ امداد السلوک" تصنیف اور طبع کیا۔

۲۲ر محرم ۱۳۳۷ھ کو میری پہلی اہلیہ نے انتقال کیا اور تین لڑکے (ڈاکٹر محمود الٰہی مولوی حافظ مسعود الٰہی، حافظ مقبول الٰہی) اور دو لڑکیاں پسماندگان چھوڑیں۔ اسی سال ربیع الاول ۱۳۳۷ھ میں میرا دوسرا نکاح ہُوا اور ۱۲ر شوال ۱۳۴۱ھ میں مع دوسری اہلیہ کے چوتھے حج کے لئے روانہ ہو گیا۔ ربیع الاول ۱۳۴۲ھ کو واپسی ہوئی۔ ذی قعدہ ۱۳۴۲ھ میں پانچویں حج کے لئے روانہ ہُوا۔ حج سے فراغت پر مصر جا کر ٹائپ خریدا جس پر ہندوستان آکر "جمع الفوائد" طبع کرائی۔

(یہ حالات "الجواہر" سے ماخوذ ہیں)

اضافہ از ذکریا

۱۳۴۴ھ میں جب کہ حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ مستقل

قیام کے لئے مدینہ منورہ تشریف لے جانے کا ارادہ کر رہے تھے تو تین جمادی الثانیہ ۱۳۴۴ھ
کو تین حضرات کا مدرسہ مظاہر العلوم کی سرپرستی کے لئے انتخاب فرمایا۔ حضرت اقدس مولانا
شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری، حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی، الحاج شیخ
رشید احمد صاحب میرٹھی ثم پاکستانی نور اللہ مرقدہم۔

یہ حضرات آخر حیات تک مظاہر العلوم کے سرپرست رہے۔ حضرت میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ
نے اپنے انتہائی مشاغل کے باوجود بہت ہی زیادہ انہماک اور توجہ سے اپنے شیخ رحمۃ اللہ علیہ
کی یادگار سمجھ کر مظاہر کی ایسی سرپرستی فرمائی کہ باید و شاید۔ بار بار تشریف لاتے۔ مدرسین
کے اسباق میں بھی تشریف رکھتے۔ مدرسہ کے حسابات کو بھی بہت اہتمام سے ملاحظہ
فرماتے۔ مولانا کو دفتری اور حسابی کاموں سے بھی بہت زیادہ مناسبت تھی۔ مالیات
کے رجسٹروں کا گہری نظر سے مطالعہ فرماتے۔ خزانہ کی پڑتال کرتے۔ سال میں کئی کئی
مرتبہ طلب پر اور بلا طلب دفعۃً بھی بار بار تشریف لاتے۔ ۱۳۴۸ھ کے آخر میں چھٹے
حج کے لئے تشریف لے گئے اور بیس محرم ۱۳۴۹ھ کو حجاز سے واپسی ہوئی۔ حضرت میرٹھی
نے الجواہر میں اپنے پانچ حج تحریر فرمائے ہیں۔ اس کے بعد اس ناکارہ کو بھی ایک حج
یاد ہے جس کو بندہ نے لکھا ہے۔ ممکن ہے کہ مولانا نے کوئی اور بھی حج کیا ہو جو مجھے یاد
نہیں۔ مولانا انتہائی ذکی، انتہائی مدبر، ظریف اور خوش مزاج تھے۔ لیکن منکرات پر
بہت زیادہ غصہ آجاتا جو بسا اوقات سخت کلامی تک پہنچ جاتا۔ اول حضرت اقدس
مولانا گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ سے بیعت کی تھی، وہ اوپر ذکر ہوا۔ حضرت اقدس سرہٗ کے
وصال کے بعد حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ
مہاجر مدنی سے رجوع کیا اور حضرت ہی سے خلافت اور اجازت بیعت سلوک ملی۔
حضرت اقدس سہارنپوریؒ کے وصال کے بعد مرشد اوّل کی سوانحعمری کی طرح مرشد ثانی
کی سوانح بھی "تذکرۃ الخلیل" تصنیف فرمائی۔ جس میں حضرت مولانا مظفر حسین صاحب
کاندھلوی، شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحبؒ، حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم صاحبؒ
رائے پوری، حضرت مولانا صدیق احمد صاحبؒ انبہوٹی، حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کاندھلویؒ

کے مختصر حالات بھی ذکر فرمائے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی متعدد تصانیف و تراجم مولانا کی تصانیف میں مشہور و معروف ہیں۔

یکم رمضان ۱۳۶۰ھ مطابق ۲۵ راگست سن انیس سو اکتالیس (۱۹۴۱ء) دوشنبہ کی صبح کو چھ بجے وصال ہُوا۔ چار بجے شام کو مکان کے قریب ہی اپنے خاندانی قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ حادثہ کے وقت بھی ایک عجیب واقعہ پیش آیا کہ حضرت اقدس مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ ایک سفر سے سہارنپور واپس تشریف لائے اور اس ناکارہ زکریا سے ارشاد فرمایا کہ حضرت میرٹھی کی شدتِ علالت کی خبریں سُنی جارہی ہیں۔ خیال یہ ہے کہ رائے پور جانے سے پہلے حضرت میرٹھی کی عیادت بھی کرتا جاؤں۔ بشرطیکہ آپ بھی ساتھ ہوں۔ مَیں نے قبول کر لیا اور قرار پایا کہ اتوار کے دن جاکر دیوبند حضرت اقدس مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت میں قیام کیا جائے اور پیر کی صبح کو میرٹھ روانگی ہو۔ چنانچہ اتوار کو دیوبند حاضری ہوئی اور پیر کی صبح کو حضرت مدنی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ سے جب میرٹھ جانے کی اجازت چاہی تو حضرت مدنی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ آج عقیقہ[1] ہے، بکرے ابھی ذبح کراتا ہوں اس کا گوشت کھاکر جائیں۔ لیکن مولانا میرٹھی کی کرامت ہو یا حضرات رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ کی کہ حضرت سے اجازت لے کر میرٹھ روانگی ہوگئی۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہُوا کہ چھ بجے مولانا کا انتقال ہو چکا ہے اور دو تار سہارنپور پہلا حادثہ کی اطلاع کا اور دُوسرا جنازہ کی نماز میں انتظار کا سہارنپور جا چکے ہیں اور حادثہ کی اطلاع کا تار دیوبند حضرت مدنی رح کی خدمت میں بھی جا چکا ہے اور حضرت میرٹھی کی وصیت کے موافق جنازہ کی نماز میں اس ناکارہ کا انتظار تھا۔ جنازہ تیار تھا اور مکان سے متصل مسجد میں رکھا ہُوا تھا اور زائرین کا ہجوم ہورہا تھا۔ اس وقت حضرت اقدس مولانا مدنی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کی تعمیلِ ارشاد نہ ہونے کی ندامت بھی جاتی رہی۔ بعد میں حضرت اقدس مدنی نور اللہ مرقدہٗ نے بھی جانے کی تصویب فرمائی۔

---

[1] یہ عقیقہ عزیزم الحاج مولوی حافظ ارشد سلمہٗ کا تھا۔ ۱۲ ز

حضرت میرٹھی نور اللہ مرقدہٗ کی تصانیف بھی متعدد ہیں جو عام فہم ہونے کے علاوہ بہت زیادہ دینی حیثیت سے مفید ہیں۔ مگر افسوس کہ وہ سب نایاب ہوگئیں۔ یہ رسالہ ارشاد الملوک بھی حضرت میرٹھی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کی تصنیف ہے۔ اللہ جل شانہٗ پڑھنے والوں کو اس سے ممتع فرمائے اور حضرت میرٹھی نور اللہ مرقدہٗ اور ان کے مُرشدِ اعظم قطب العالم حضرت مولانا گنگوہی، جن کی کتاب امداد السلوک کا یہ ترجمہ ہے اور اصل رسالہ مکیہ کے مصنّف نور اللہ مرقدہٗ تینوں حضرات کی ارواح مقدسہ کو پڑھنے والوں کے پڑھنے کا ثواب عطا فرمائے اور ان ارواح پر اللہ تعالےٰ کی بہت بہت رحمتیں نازل ہوں کہ سالکین کے لئے اصل کتاب اور اس کا ترجمہ بہت ہی نافع ہے۔ اللہ یوفقنا لما یحب ویرضیٰ۔

تعارف اِمداد السّلوک

یہ کتاب جو رسالہ مکیہ کی چند فصول کا فارسی ترجمہ ہے۔ قطب عالم قطب ارشاد حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کی تالیف ہے۔ حضرت قدس سرہٗ کے مفصل حالات حضرت کی سوانح "تذکرۃ الرشید" میں حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحبؒ نے بہت بسط و تفصیل کے ساتھ دو جلدوں میں شائع فرمائی ہیں اور اس کی تیسری جلد مکاتیب رشیدیہ کے نام سے ان خطوط کا مجموعہ ہے جو حضرت گنگوہیؒ نے اپنے پیر و مُرشد کو یا حضرت نے اپنے مریدین کو تحریر فرمائے۔ یہ خطوط بہت ہی اہم ذخیرہ ہے اور "تذکرۃ الرشید" میں حضرت قدس سرہٗ کے حالات بہت ہی تفصیل سے لکھے گئے ہیں جس کو تفصیل دیکھنی ہو تذکرۃ الرشید کو دیکھیں اور یہ ناکارہ بھی حضرت اقدس گنگوہیؒ کے مختصر حالات اپنی کتاب اوجز المسالک شرح مؤطا امام مالکؒ کے مقدمہ میں اور لامع الدراری علی جامع البخاری میں بزبان عربی لکھ چکا ہے۔

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت اقدس مولانا الحاج رشید احمد ابن مولانا ہدایت احمد

ابن القاضی پیر بخش الایوبی الانصاری کی ولادت چھ ذیقعدہ ۱۲۸۴ھ دوشنبہ کے دن گنگوہ میں ہوئی۔ حضرت قدس سرہٗ کے والد ماجد کا انتقال ۱۲۵۲ھ میں ہوا جب کہ حضرت قدس سرہٗ کی عمر شریف سات برس کی تھی۔ حضرت کے والد ماجد مولانا ہدایت احمد صاحب اکابر علماء میں تھے اور جامع شریعت و طریقت تھے اور حضرت شاہ غلام علی صاحب مجددی نقشبندی کے خلفاء میں تھے۔ حضرت قدس سرہٗ نے ابتدائی کتب فارسیہ اپنے بڑے بھائی مولانا عنایت احمد صاحب سے پڑھیں اور کچھ اپنے ماموں حضرت مولانا محمد تقی صاحب سے پڑھیں اور عربی کی ابتدائی کتابیں قصبہ رامپور ضلع سہارن پور میں پڑھیں۔ اس کے بعد تکمیل علوم عربیہ کے لئے ۱۲۶۱ھ میں جب کہ آپ کی عمر شریف سترہ برس کی تھی دہلی تشریف لے گئے۔ اس وقت حضرت ہدایۃ النحو وغیرہ پڑھتے تھے۔ وہاں کے قیام میں بعض متفرق اساتذہ سے کتابیں پڑھیں اور علوم عربیہ کا زیادہ حصہ استاد الکل حضرت مولانا مملوک علی صاحب نانا توی نور اللہ مرقدہ سے جو اس وقت دہلی کے مشہور مدرسہ عربک کالج میں ملازم تھے پڑھا۔ حضرت اقدس گنگوہی قدس سرہٗ قاضی، صدرا، شمس بازغہ وغیرہ اپنے استاد الکل حضرت مولانا مملوک علی صاحب نانوتویؒ کے سامنے ایسا پڑھتے تھے جیسا کہ حافظ قرآن پڑھتا ہے۔ معقول کی بعض کتابیں العلامۃ الشہیر مفتی صدر الدین صاحب سے بھی پڑھیں اور حدیث شریف کی جملہ کتب بقیۃ السلف حجۃ السلف شیخ المشائخ حضرت شاہ عبد الغنی صاحب مجددی نقشبندی سے ایسے انہماک اور مشغولی کے ساتھ پڑھے ہیں کہ کھانا پینا اور سونے کی جملہ ضروریات میں صرف سات گھنٹہ خرچ ہوتے تھے اور جملہ علوم و فنون سے فراغت کے بعد جب کہ حضرت قدس سرہٗ کی عمر شریف اکیس سال کی تھی اپنے وطن گنگوہ تشریف لاکر درس و تدریس میں مشغول ہو گئے اور مختلف علوم نحو، معانی، فقہ، تفسیر اور حدیث کی تدریس میں ہمہ وقت اشتغال رہتا تھا۔ ۱۳۰۰ھ کے ختم تک یہ سلسلہ رہا اور ۱۳۰۱ھ سے صرف حدیث پاک کی تدریس کا مشغلہ رہ گیا اور بہ نفس نفیس تنہا صحاح ستہ کی جملہ کتب خود پڑھاتے۔ شوال میں دورہ حدیث شریف کا سبق شروع ہوتا اور شعبان میں جملہ کتب حدیث کی تعلیم پوری فرما دیتے اور اپنی

تعلیم سے فراغت کے بعد دہلی سے واپسی پر جب کہ حضرت گنگوہ میں درس و تدریس میں مشغول تھے۔ غالباً ۱۲۶۲ھ میں ایک ضرورت سے تھانہ بھون جانا ہُوا اور وہاں قطب العالم، سلطان العارفین، شیخ المشائخ حضرت الحاج امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نور اللہ مرقدہٗ واعلی اللہ مراتبہ سے حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کی سفارش پر بیعت کی نوبت آئی جس کی تفصیل تذکرۃ الرشید میں وضاحت سے موجود ہے۔ یہ تھانہ بھون کی حاضری ایک دو روز کے قیام کے ارادے سے تھی لیکن اللہ جل شانہ کو اپنے لطف و کرم سے سلوک کا مرتبہ عالیہ بھی موقعہ پر عطا فرمانا تھا اس لئے امروز و فردا میں چالیس روز قیام ہو گیا اور اعلیٰ حضرت مہاجر مکی نور اللہ مرقدہ سے خلافت و اجازت بیعت لے کر جو بیعت سے ساتویں ہی دن مل گئی تھی جس کی تفصیل قابل دید تذکرۃ الرشید جلد اوّل میں ہے گنگوہ واپس تشریف لے آئے۔ اس ناکارہ سے تعلق رکھنے والوں کو تذکرۃ الخلیل اور تذکرۃ الرشید کا مطالعہ بہت اہتمام سے کرنا چاہیئے۔ دونوں کتابیں بہت اہم ہیں۔

تذکرۃ الرشید حصہ دوم میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ کے امتحان لینے کا ایک عجیب واقعہ نقل کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ تھانہ بھون کے چالیس روز قیام اور اس چلّہ میں آپ کا امتحان بھی لیا گیا جس کے متعلق حضرت قدس سرہٗ نے فرمایا کہ تھانہ بھون میں مجھ کو رہتے ہُوئے چند روز گذرے تو میری غیرت نے اعلیٰ حضرت پر کھانے کا بار ڈالنا گوارہ نہ کیا۔ آخر میں نے یہ سوچ کر کہ دوسری جگہ انتظام کرنا دشوار بھی ہے اور ناگوار بھی، رخصت چاہی۔ حضرت نے اجازت نہ دی اور فرمایا کہ ابھی چند روز ٹھہرو۔ میں خاموش ہو گیا۔ قیام کا قصد تو کر لیا مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی فکر ہُوا کہ کھانے کا انتظام کسی دوسری جگہ کرنا چاہیئے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب اعلیٰ حضرت مکان پر تشریف لے جانے لگے تو میرے وسوسہ پر مطلع فرما کر فرمانے لگے کہ ”میاں رشید احمد کھانے کی فکر مت کرنا ہمارے ساتھ کھائیو۔“ دوپہر کو کھانا مکان سے آیا تو ایک پیالہ میں کوفتے تھے نہایت لذیذ اور دوسرے پیالے میں معمولی سالن تھا۔ اعلیٰحضرت

نے مجھے دسترخوان پر بٹھالیا۔ مگر کوفتوں کا پیالہ مجھ سے علیحدہ اپنی طرف رکھا اور معمولی سالن کا پیالہ میرے قریب سرکا دیا۔ میں اپنے حضرت کے ساتھ کھانا کھانے لگا۔ اتنے میں حضرت حافظ ضامن صاحب رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ تشریف لائے کوفتوں کا پیالہ مجھ سے دُور رکھا ہُوا دیکھ کر اعلیٰحضرت سے فرمایا۔ بھائی صاحب رشید احمد کو اتنی دُور ہاتھ بڑھانے میں تکلیف ہوتی ہے، اس پیالہ کو ادھر کیوں نہیں رکھ لیتے۔ اعلیٰحضرت نے بے ساختہ جواب دیا۔ اتنا بھی غنیمت ہے کہ اپنے ساتھ کھلا رہا ہوں جی تو یوں چاہتا تھا کہ چُوڑھوں چماروں کی طرح الگ ہاتھ پر روٹی رکھ دیتا۔ اس فقرہ پر اعلیٰحضرت نے میرے چہرے پر نظر ڈالی کہ کچھ تغیر تو نہیں آیا۔ مگر الحمد للہ میرے قلب پر بھی اس کا کچھ اثر نہ تھا۔ میں سمجھتا تھا کہ حقیقت میں جو کچھ حضرت فرمارہے ہیں بالکل سچ ہے۔ اس دربار سے روٹی ہی کا ملنا کیا تھوڑی نعمت ہے۔ جس طرح بھی ملے بندہ نوازی ہے۔ اس کے بعد حضرت نے پھر کبھی میرا امتحان نہیں لیا۔ اس کے بعد فرمایا" اسی لئے مجھے کچھ آیا نہیں" اھ بلفظہٖ الغرض حضرت قدس سرہٗ تھانہ بھون سے خلعت خلافت کے ساتھ گنگوہ واپس تشریف لے آئے اور مستقل قیام گنگوہ ہی فرمایا جس میں درس و تدریس و افتاء اور طالبین کے سلوک کی تکمیل دن رات کا مشغلہ تھا اور سینکڑوں نے علوم ظاہریہ و باطنیہ میں حضرت سے استفادہ کیا۔

مکتوب حضرت گنگوہی قدس سرہٗ

حضرت اقدس گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ نے اپنے ایک عریضہ میں جو اپنے شیخ و مُرشد حاجی صاحبؒ کے اس والہ نامہ کے جواب میں جس میں حضرت حاجی صاحبؒ نے حضرت گنگوہیؒ کے حالات دریافت کئے تھے لکھا ہے اور مکاتیب رشیدیہ میں طبع بھی ہوگیا ہے بعینہٖ نقل کرتا ہوں۔ حضرت گنگوہیؒ تحریر فرماتے ہیں:۔

"حضور نے جو بندۂ نالائق کے حالات سے استفسار فرمایا ہے۔ میرے ماوائے دارین اس ناکس کے کیا حالات اور کس درجہ کی کوئی خُوبی ہے جو آفتابِ کمالات کے روبرو عرض کروں۔ بخدا سخت شرمندہ ہوں کچھ نہیں ہوں مگر جو ارشادِ حضرت ہے تو

کیا کروں؟ بناچاری کچھ لکھنا پڑتا ہے۔ حضرت مرشدِ من علم ظاہری کا تو یہ حال ہے کہ آپ کی خدمت سے دُور ہوئے غالباً عرصہ سات سال سے کچھ زیادہ ہُوا ہے اس سال تک دو سو سے چند عدد زیادہ آدمی سندِ حدیث حاصل کر کے گئے اور اکثر ان میں سے وہ ہیں کہ انھوں نے درس جاری کیا اور سُنت کے احیاء میں سرگرم ہُوئے اور اشاعتِ دین ان سے ہوئی اور اس شرف سے زیادہ کوئی شرف نہیں اگر قبول ہو جائے اور حضرت کے اقدامِ نعلین کی حاضری کے ثمرہ کا یہ خلاصہ ہے کہ جذر قلب میں غیر حق تعالےٰ سے نفع و ضرر کا التفات نہیں۔ واللہ بعض اوقات اپنے مشائخ کی طرف سے علیحدگی ہو جاتی ہے۔ لہٰذا کسی کے مدح و ذم کی پرواہ نہیں رہی اور ذام و مادح کو دُور جانتا ہوں اور معصیت کی طبعاً نفرت اور اطاعت کی طبعاً رغبت پیدا ہو گئی ہے اور یہ اثر اسی نسبتِ یادداشتِ بے رنگ کا ہے جو مشکوٰۃِ انوارِ حضرت سے پہنچا ہے۔ پس زیادہ عرض کرنا گستاخی اور شوخ چشمی ہے۔ یا اللہ! معاف فرمانا کہ حضرت کے ارشاد سے تحریر ہُوا ہے جھُوٹا ہوں کچھ نہیں ہوں تیرا ہی ظل ہے تیرا ہی وجود ہے میں کیا ہوں کچھ نہیں ہوں اور وہ جو میں ہے وہ تو ہے اور میں اور تو خود شرک در شرک ہے۔ استغفر اللہ! استغفر اللہ! استغفر اللہ! لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ اب عرض سے معذور فرما کر قبول فرمائیں۔

والسلام ۱۳۰۶ھ

یہ عریضہ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کا اپنے شیخ و مرشد کے نام ۱۳۰۶ھ کا ہے اور ۱۳۲۳ھ میں حضرت کا وصال ہے۔ ان سترہ سالوں میں کہاں تک پہنچے ہوں گے اس کا معمولی سا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ حضرت اقدس سہارنپوری مہاجر مدنی رح، حضرت اقدس شیخ الہند رح دیوبندی اور قطب الاتقیاء حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری رح اور شیخ الاسلام حضرت مدنی نور اللہ مراقدہم کے علاوہ جن کی تعداد تیس تک پہنچتی ہے۔ اور تذکرۃ الرشید میں ان کے اجمالی حالات موجود ہیں اور بہت سے حضرات حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کے مجازین اور مریدین میں ہیں اور حضرت اقدس مولانا الحاج

محمد الیاس صاحبؒ بانی تبلیغ نظام الدین، حضرت اقدس گنگوہی قدس سرہٗ کے مریدین میں اور حضرت کے خلیفہ اوّل یعنی حضرت سہارنپوریؒ کے خلفاء میں ہیں۔

حضرت اقدس گنگوہی قدس سرہٗ کے یہاں تعلیم ظاہری و باطنی کا سلسلہ آخر ۱۳۱۴ھ تک رہا اور ۱۳۱۴ھ کے شروع میں چونکہ نزول آب ہوگیا تھا اس لئے علوم ظاہریہ کے اشتغال کے اوقات بھی تصفیہ قلوب اور تزکیہ نفوس میں صرف ہونے لگے اور آٹھ جمادی الثانی ۱۳۲۳ھ جمعہ کے دن جمعہ کی اذان کے وقت اس عالم سفلی کو الوداع فرمایا۔ اللہ تعالے جل شانہٗ کے انعامات میں درجہ شہادت بھی عطا فرمانا تھا اس لئے ایک نہایت زہریلے اور بہت بڑے سانپ کے ڈسنے سے جس نے تہجد کی نماز میں قدم بوسی کی تمنا میں پائے مبارک کو ڈسا اور حضرت قدس سرہٗ کو نماز کے استغراق میں پتہ بھی نہیں چلا جب صُبح کی نماز کے لئے غایت اِسفار میں مسجد میں تشریف لائے تو خدام نے دیکھا کہ پائے مبارک اور پاپچہ سب خون آلود ہے۔ تب حضرت کو خبر ہوئی اور مات لدیغاً کا مرتبۂ شہادت بھی حاصل ہُوا۔ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ کی بارہویں یا تیرہویں شب میں ڈسنے کا قصہ پیش آیا اور باختلاف روایت ۸ر یا ۹ر جمادی الثانیہ کو وصال ہُوا۔ بعض حضرات کا سحر کا بھی خیال تھا۔ جیسا کہ اس سے پہلے ہو چکا تھا، اس لئے ہر نوع کے علاج معالجات کئے گئے مگر اِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ اِذَا جَآءَ لَا یُؤَخَّرُ اَعْلَی اللّٰہُ مَرَاتِبَہٗ وَ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ وَ رَزَقَنَا مِنْ اِتِّبَاعِہٖ حَظًّا وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ۔

حضرت اقدس مولانا گنگوہی قدس سرہ العزیز نے "امداد السلوک" کے شروع میں ایک خطبہ اور تمہید بھی تحریر فرمائی تھی جس کو حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحبؒ میرٹھی نے اختصاراً شروع میں تحریر نہیں فرمایا۔ ترجمہ کے خاتمہ پر مختصر ذکر اس کا التماس از مترجم کے ذیل میں فرمایا ہے۔ اس نابکار نے استبراکاً اس دیباچہ کو مع اردو ترجمہ کے شروع میں ذکر کیا ہے جو عنقریب آرہا ہے۔

وما توفیقی الا باللہ۔

تعارف رسالہ مکیہ

جس کی چند فصلوں کا ترجمہ حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ نے امداد السلوک کے نام سے کیا ہے۔ یہ شیخ المشائخ قدوۃ العارفین مرجع الخلائق شیخ قطب الدین قدس سرہٗ کی تالیف ہے۔ لیکن افسوس کہ اس ناکارہ کو حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کے تفصیلی حالات اب تک نہ مل سکے۔ کشف الظنون میں اس طرح لکھا ہے: الرسالۃ المکیۃ للشیخ الامام قطب الدین عبد اللہ بن محمد بن ایمن الاصفہیدی۔ اور شرح فارسی میں جس کا ذکر عنقریب آرہا ہے، لکھا ہے کہ رسالہ مکیہ تصنیف ملک المشائخ والاولیاء بدر الزہاد و الاتقیاء شیخ قطب الدین دمشقی نور اللہ مرقدہٗ و بر دمعنجعہ شرح مذکور میں رسالہ مکیہ کی یہ عبارت نقل کی ہے۔ اما بعد فقد الفت ھذا التالیف فی مکۃ شرفہا اللہ تعالیٰ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسالہ "رسالہ مکیہ" کے نام سے اس لئے مشہور ہوا کہ مکہ مکرمہ میں اس کی ابتداءً تالیف ہوئی ہے۔ اس کے بعد شرح مذکور میں یہ عبارت ہے۔ ثم استدرکتہ بمدینۃ دمشق وزدت فیہ فوائد۔ اس سے معلوم ہوا کہ اصل تالیف مکہ مکرمہ میں ہوئی تھی اور اس پر نظر ثانی اور اضافے دمشق میں واپس آکر ہوئے۔

اس رسالہ کے نسخے بھی معروف کتب خانوں میں نہیں ملے۔ البتہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے کتب خانہ میں اس کے دو نسخے موجود ہیں، ان میں سے ایک نسخہ کے ختم پر کاتب نے مصنف کا نام شیخ قطب الدین الدمشقی السہروردی الکبراوی لکھا ہے۔ شیخ قطب الدین کے زمانہ میں ایک مشہور بزرگ حضرت جلال الدین بخاری معروف بہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت متوفی ۷۸۵ھ گزرے ہیں، اُن کے یہاں رسالہ مکیہ کی تعلیم کا بہت زور تھا۔ ان کے ملفوظات بھی ملفوظ المخدوم کے نام سے ایک صاحب نے جمع کئے ہیں جس کا ترجمہ الدر المنظوم کے نام سے مطبع انصاری دہلی میں ۱۳۰۹ھ میں چھپا تھا۔ اس میں بھی رسالہ مکیہ کا کئی جگہ ذکر ہے اور مخدوم صاحب کے ملفوظات میں یہ بھی ہے کہ یہ رسالہ خود مصنف نے مجھے دیا ہے۔ نیز ان کے ملفوظات

میں یہ بھی ہے کہ جس وقت شیخ مکہ عبد اللہ یافعی اور شیخ مدینہ عبد اللہ مطہری نے وفات پائی تو اپنے فرزندوں کو وصیت کی کہ تم شیخ قطب الدین دمشقی صاحب رسالہ مکیہ کے پاس جاؤ اور اُن سے سلوک سیکھو۔ مخدوم صاحب کے ملفوظات میں رسالہ مکیہ کی مضامین بھی کثرت سے نقل کئے گئے ہیں۔ ایک دوسرے ملفوظ میں لکھا ہے کہ "جب مخدوم صاحب رسالہ مکیہ کا سبق پڑھا رہے تھے فرمایا کہ یہ ایک عمدہ رسالہ ہے۔ مکہ مکرمہ میں اس رسالہ کو شیخ مکہ عبد اللہ یافعی کے روبرو درویشانِ طالب پڑھتے تھے دُعاگو سامع تھا۔ کاغذ کے دام نہ تھے کہ اس کو لکھتا۔ اس وقت وہ سُننا کام آیا۔ شیخ قطب الدین دمشقی نے جس وقت اس رسالہ کو تمام کیا تو آنے والوں کے ساتھ دُعاگو کے پاس بھیج دیا۔" کشف الظنون میں شیخ قطب الدین کا سنِ وفات نہیں لکھا ہے۔ البتہ سوانح مخدوم جہانیاں جہاں گشت میں لکھا ہے کہ مخدوم صاحب کا بیان ہے کہ قطب الدین دمشقی کا وصال ۷۸۰ھ میں ہوا۔

شرح فارسی

جس کا ذکر رسالہ مکیہ کے ذیل میں آچکا ہے۔ یہ رسالہ مکیہ کی فارسی قلمی شرح ہے جو مظاہر علوم کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ یہ بڑی تقطیع کے آٹھ سو چوبیس صفحات پر آئی ہے جو شیخ سعد بن بڈھن ابن شیخ محمد ساکن خیر آباد کی تالیف ہے۔ جیسا کہ اس شرح کے اول و آخر میں لکھا ہے۔ یہ اپنے زمانے کے اولیاء کاملین میں ہیں اور نزہتہ الخواطر ص۵۷ میں ان کا مختصر ترجمہ بایں الفاظ لکھا ہے: الشیخ العالم الکبیر العلامۃ سعد الدین ابن القاضی بڈھن ابن الشیخ محمد المقدوائی الا ناوی ثم الخیر آبادی احد العلماء المبرزین فی النحو والعربیہ والفقہ والاصول والتصوف۔ ان کے والد خیر آباد کے قاضی تھے۔ ان کی ابتداء عمر میں اُن کا انتقال ہوگیا اس لیے اپنی والدہ کی آغوش اور تربیت میں پرورش پائی اور حفظ قرآن اور علوم ظاہریہ کے فراغ کے بعد علم سلوک و طریقت شیخ شاہ مینا لکھنوی سے حاصل کیا اور بیس سال تک ان کی خدمت میں رہے اور اپنے شیخ کے وصال کے بعد مدت تک

لکھنؤ میں ان کی جگہ تلقین و افادہ میں مشغول رہے۔ اس کے بعد خیر آباد منتقل ہو گئے اور وہاں ایک بہت بڑی خانقاہ قائم فرمائی۔ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں جن میں سے پانچ کے نام نزہتہ میں ذکر کئے ہیں۔ شرح بزدوی، شرح حسامی، شرح کافیہ، شرح مصباح شرح رسالہ مکیہ۔ اس شرح میں اپنے پیر شیخ مینا کے اقوال بھی بہت کثرت سے نقل کئے ہیں۔ ان کی وفات ۸۸۲ھ میں ہوئی۔

ان کے شیخ طریقت شیخ مینا کا ترجمہ بھی نزہتہ الخواطر میں تفصیل سے لکھا ہے اور اُن کے بڑے بڑے مجاہدات کا ذکر کیا ہے جن کو سُن کر بڑی حیرت ہوتی ہے۔ صائم الدہر، قائم اللیل اپنے ستانے والوں کو دُعائیں دیتے۔ ان کا انتقال ۲۳ ذیقعدہ ۸۷۳ھ یا اس کے کچھ بعد ہُوا، مختلف اقوال لکھے ہیں۔ شرح فارسی میں اپنی شرح کا نام "مجمع السلوک والفوائد" لکھا ہے۔ اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت جنید قدس سرہٗ سے کسی نے پوچھا کہ مرید کو شیخ کے ملفوظات اور حکایات سے کیا فائدہ ہوتا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ تقویتِ دل اور مجاہدات پر ثبات قدمی اور مشائخ سے جو طلب کا عہد کیا تھا اس کی تجدید۔ عرض کیا گیا کہ کیا قرآن پاک سے اس کی کوئی دلیل ہے؟ فرمایا کہ ہاں! وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ۔ اور اکابر کا ارشاد ہے کہ مشائخ کے کلمات اللہ تعالے کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہیں۔ یعنی اگر شیطان طلب اور مجاہدہ کے زمانے میں کوئی شک و شبہ ڈالے تو مشائخ کے کلمات کو اہتمام سے دیکھے تاکہ اس کو گمراہ کرنے کا موقع نہ ملے اور وساوس شیطانی سے خلاصی نصیب ہو۔

حالات حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہید نوّر اللہ مرقدہٗ وبرّد مضجعہٗ

جن کے حکم سے رسالہ امداد السلوک کی تالیف ہوئی ہے جیسا کہ "امداد السلوک" کے دیباچہ میں آرہا ہے اور انہی کی سفارش پر حضرت قطب عالم گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کی

بیعت اعلیحضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ سے ہوئی تھی جس کی تفصیل "تذکرۃ الرشید" جلد اول میں حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کے سلوک و تحصیل طریقت کے عنوان میں مذکور ہے۔ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کے پیر بھائی اور شیخ المشائخ حضرت میاں جی نور محمد صاحب جھنجھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے اجل خلفاء میں تھے۔ بڑے خدا رسیدہ صاحبِ کشف و کرامات اور نہایت ظریفُ الطبع تھے۔ آپ کا وطن تھانہ بھون ضلع مظفر نگر ہے۔ غدر ۱۸۵۷ء کے معرکہ میں حضرت حاجی صاحبؒ اور حضرت گنگوہیؒ اور حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وغیرہ اکابر کے ساتھ جہاد میں شریک تھے بلکہ پیش روؤں میں تھے۔ اسی معرکہ میں حضرت حافظ صاحبؒ کی شہادت ہوئی جس کے متعلق تذکرۃ الرشید جلد اول میں لکھا ہے کہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کو خادمانہ و مریدانہ تعلق پر اعلیٰ حضرت کے ساتھ تو جو کچھ وابستگی تھی وہ تھی ہی مگر چچا پیر حضرت حافظ ضامن صاحب کے ساتھ بھی نہایت ہی درجہ مخلصانہ انس تھا اور حضرت حافظ صاحب بھی مولانا کے گویا جاندادہ عاشق تھے۔ اسی گھمسان میدان میں مولانا کو پاس بلایا اور فرمایا۔ میاں رشید میرا دم نکلے تو تم میرے پاس ضرور ہونا" تھوڑی دیر گزری تھی کہ حافظ صاحب دھم سے زمین پر گرے۔ معلوم ہُوا کہ گولی کاری لگی ہے اور خون کا فوارہ بہنا شروع ہُوا۔ حافظ صاحب کا زخم سے چُور ہو کر گرنا تھا اور حضرت امام ربانی کا لپک کر تڑپتی نعش کا کاندھے پر اُٹھانا، قریب کی مسجد میں لائے اور حضرت کا سرا پنے زانو پر رکھ کر تلاوت قرآن میں مشغول ہو گئے۔

دیکھنے والوں سے سُنا ہے کہ حضرت مولانا کی اس مردانگی پر تعجب تھا کہ کس اطمینان کے ساتھ سنسان مسجد میں تنہا بیٹھے ہوئے اپنے نور دیدہ چچا کے سفر آخرت کا سماں دیکھ رہے ہیں اور اپنے عاشق محبوب کی نزع کا آخری وقت نظارہ کر رہے تھے۔ آنکھوں میں آنسو تھے اور زبان پر کلام اللہ۔ یہاں تک کہ حافظ صاحبؒ کا آپ کے زانو پر سر رکھے رکھے وصال ہو گیا اور حضرت مولانا چچا کی وصیت کو پُورا کرنے کے باعث مسرور ہو کر باطمینان اُٹھ کھڑے ہوئے۔ بزرگوں سے سُنا ہے کہ حضرت حافظ صاحب شہیدؒ

کی تمامی نسبت حضرت قدس سرہٗ کی طرف منتقل ہوئی ۔ ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔ اللہ اللہ جس بزرگ نے دس برس ہوئے اعلیٰحضرت سے سفارش کر کے حضرت مولانا کو بیعت کرایا اور اعانت کے ایک کلمۃ الخیر سے ہمدردی ظاہر فرمائی تھی وہ قدسی نفس مرید آخری وقت میں اس آخری خدمت کو انجام دینے کے لئے قدرت کی طرف سے تجویز ہوا تھا۔ جس میں کوئی پاس تھا نہ قریب، یگانہ تھا نہ بیگانہ۔ آخر جب مفسدوں کی معرکہ آرائی سے پیچھا چھوٹا تو حضرت اپنے شہید دفادار وحانی مربی کی نعش کو کاندھے پر لے کر اٹھے اور چار پائی پر لٹا کر پیچھے بعد دیگرے تھانہ بھون میں بسمت مغرب زمین کی گود کے حوالے کیا۔ حضرت حافظ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے سر مبارک پر شہادت کے وقت جو دستار مبارک تھی اس کے متعلق عزیزی مولوی مجتبیٰ رامپوری حال مقیم کراچی لکھتے ہیں ۔ میرے پاس جو تبرکات ہیں اُن میں دستار مبارک پر تاریخ شہادت ۲۴ محرم الحرام ۱۲۷۴ھ یوم دوشنبہ قلمی لکھی ہوئی ہے فقط ۔ عزیزم مولوی مجتبیٰ، حضرت مولانا احمد صاحب رامپوری بن حضرت مولانا حکیم ضیاء الدین صاحب کے صاحبزادے ہیں۔ حکیم صاحب نور اللہ مرقدہٗ حضرت حافظ صاحب کے خادم خاص اور خلیفہ مجاز تھے۔ اسی تعلق سے غالباً یہ دستار مبارک ان تک پہنچی ۔ حضرت حافظ صاحب بہت ہی صاحب کشف و کرامات تھے۔ ان کی متعدد حکایات ارواح ثلثہ میں مذکور ہیں جن کو یہ ناکارہ یہاں نقل کرتا ہے۔

حکایت ۱ فرمایا[1] کہ جب کوئی حافظ محمد ضامن صاحب رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کے پاس آتا تو فرماتے کہ دیکھ بھائی اگر تجھے کوئی مسئلہ پوچھنا ہے تو وہ (مولانا شیخ محمد کی طرف اشارہ کر کے) بیٹھے ہیں مولوی صاحب اُن سے پوچھ لے اور اگر تجھے مرید ہونا ہے تو وہ (حضرت حاجی صاحب کی طرف اشارہ کر کے) بیٹھے ہیں حاجی صاحب ان سے مرید ہو جا اور اگر حُقّہ پینا ہے تو یاروں کے پاس بیٹھ جا۔ از زکریا عفی عنہ۔ اس سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ حضرت حافظ صاحب قدس سرہٗ کے یہاں ہر وقت حُقّہ بازی ہی کا مشغلہ رہتا تھا۔ بلکہ بہت سے اکابر کے یہاں مہمان نوازی کے سلسلے میں حُقّہ کا

---

[1] یعنی حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے ۔ ۱۲

خاص اہتمام رہتا ہے اس وجہ سے حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کے یہاں اس کا خاص اہتمام رہتا ہوگا اور بضرورت کسی وقت خود بھی نوش فرما لیتے ہوں گے۔

حکایت نمبر ۲ فرمایا کہ حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ سے اگر کوئی آکر کہتا کہ حضرت میں نے اپنے لڑکے کو حفظ شروع کرا دیا ہے۔ دُعا فرما دیجئے تو فرماتے کہ ارے بھائی کیوں جنم روگ لگایا؟ یہ تنبیہ ہے اس پر کہ عمر بھر اس کی حفاظت واجب ہوگی۔ اگر اس کی امید نہ ہو تو ناظرہ ہی پڑھا دو اور حفظ سے روکن نہیں ہے، مگر پیرایہ ظرافت کا ہے باعتبار مذاق مخاطب کے کہیں آخیر میں وہ اس کو مصیبت نہ سمجھنے لگے۔

حکایت نمبر ۳ فرمایا کہ ایک صاحب کشف حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار پر فاتحہ پڑھنے گئے۔ بعد فاتحہ کہنے لگے کہ بھائی یہ کون بزرگ ہیں بڑے دل لگی باز ہیں۔ جب میں فاتحہ پڑھنے لگا تو مجھ سے فرمانے لگے کہ جاؤ فاتحہ کسی مُردہ پر پڑھو، یہاں زندوں پر فاتحہ پڑھنے آئے ہو یہ کیا بات ہے؟ تب لوگوں نے بتلایا کہ یہ شہید ہیں۔

حکایت نمبر ۴ فرمایا کہ حضرت حافظ ضامن صاحب رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ اپنے مُرشد حضرت میاں جیو کے ہمراہ اُن کا جُوتا بغل میں لے کر اور توبرہ گردن میں ڈال کر جھنجھانہ جاتے تھے اور ان کے صاحبزادے کی سسرال بھی وہیں تھی لوگوں نے عرض کیا کہ اس حالت میں جانا مناسب نہیں۔ وہ لوگ حقیر سمجھ کر کہیں رشتہ نہ توڑ ڈالیں۔ حافظ صاحبؒ نے فرمایا کہ رشتہ کی ایسی تیسی میں جائے، میں اپنی سعادت ہرگز نہ چھوڑوں گا۔

حکایت نمبر ۵ فرمایا کہ ایک نوجوان حضرت حافظ ضامن صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں آنے لگا تھا۔ حضرت کی برکت سے اس کی کچھ حالت بدلنے لگی۔ اس کے باپ نے حافظ صاحبؒ سے شکایت کی کہ جب سے لڑکا آپ کے پاس آنے لگا ہے بگڑ گیا۔ حافظ صاحب رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ نے جوش میں فرمایا کہ

ہم کو تو بگاڑنا ہی آتا ہے۔ ہمیں بھی تو کسی نے بگاڑا ہی ہے۔ ہم کسی کو بلاتے تھوڑا ہی ہیں جس کو سنورنا ہو تو وہ ہمارے پاس نہ آئے ہمیں تو بگاڑنا ہی آتا ہے۔

حکایت نمبر ۶ فرمایا کہ حافظ ضامن صاحب رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کی درخواست پر حضرت میانجیو قدس سرہٗ نے بیعت سے اوّل انکار کر دیا تھا مگر یہ برابر خدمت میں حاضر ہوتے رہتے اصرار مطلق نہیں کیا۔ جب تقریباً دو تین مہینے آتے جاتے گزر گئے تو ایک دن حضرت میاں جیوؒ نے حافظ صاحبؒ سے پوچھا کہ کیا اب بھی وہی خیال ہے؟ حافظ صاحبؒ نے عرض کیا کہ میں تو اسی خیال سے حاضر ہوتا ہوں۔ مگر خلاف ادب ہونے کے سبب اصرار بھی نہیں کرتا۔ اس پر حضرت نے خوش ہو کر فرمایا کہ اچھا وضو کر کے دو رکعت نفل پڑھ آؤ۔ پھر حضرت نے سلسلہ میں داخل فرمالیا۔

(حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کی بیعت کے متعلق تفصیلی مضمون مولانا الحاج علی میاں کے مکتوب میں آرہا ہے)۔

حضرت قطب عالم گنگوہی قدس سرہٗ کی مجلس میں بھی حضرت حافظ صاحب شہید نور اللہ مرقدہٗ کے تذکرے اکثر رہتے تھے جن میں سے بعض کو تذکرۃ الرشید میں ذکر کیا ہے۔ تذکرہ حصہ دوم میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ حضرت حافظ ضامن صاحب شہیدؒ سپاہی منش اور نہایت خوش مزاج آدمی تھے۔ مجھ سے کمال الفت کرتے تھے ایک دفعہ جب وہ گنگوہ میں تشریف فرما تھے تو ایک شخص نے ان کی دعوت کی وہ لکڑہارا تھا آپ نے قبول فرمالی۔ کچھ دیر بعد حافظ محمد ابراہیم صاحب[1] ڈپٹی کلکٹر مال کے والد نے بھی التجاء ضیافت کی چنانچہ وہ بھی قبول کر لی۔ ایک شخص نے کہا کہ حضرت وہ پہلا ناراض ہو گا۔ تو حضرت حافظ صاحبؒ نے مکّہ بنا کر فرمایا کہ ہم اس کا منہ توڑ دیں گے اور کہا کہ وہ لاوے گا کیا، پانچ چھ روٹیاں اور پیالہ بھر دال، سو یہ اتنے آدمیوں کو کافی نہ ہو گا۔ ہم اس کا لایا ہوا بھی رکھ لیں گے اور دوسرے کا لایا ہوا بھی اور پھر کھاویں گے۔ چنانچہ وہ لکڑہارا آیا تو پانچ چھ روٹیاں جو کی لایا اور ایک لوٹے میں سیر بھر کے قریب دودھ۔ حضرت

---

[1] داماد حضرت قطب عالم گنگوہی قدس سرہٗ، اور حضرت ہی سے حدیث پڑھی۔ ۱۲ ز

حافظ صاحب نے اُس کو رکھ لیا اور لکڑہارے کو رُخصت کر دیا۔ جب دوسرے شخص بھی کھانا لے آئے تو آپ نے پہلا کھانا بھی نکلوایا اور سب کو ملا کر کھایا۔

حضرت حافظ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی کوئی مفصل سوانح عمری اس ناکارہ کی نظر سے نہیں گزری۔ لیکن متفرق حالات حضرت اقدس گنگوہیؒ، حضرت نانوتویؒ وغیرہ اکابر کی سوانحوں میں ملتے ہیں۔ البتہ حضرت حافظ صاحب قدس سرہٗ کے خادم خاص اور مجاز حکیم ضیاءالدین صاحب رامپوری نے ایک رسالہ "مونس یاراں" کے نام سے تحریر فرمایا تھا جو سُنا ہے کہ مکہ مکرمہ کے مدرسہ صولتیہ میں محفوظ ہے۔ اس کے کچھ اقتباسات کچھ حجاج کرام مکہ مکرمہ سے نقل کر کے لاتے رہے اور مختلف رسائل میں طبع ہوتے رہے۔ میری درخواست پر مولانا الحاج ابوالحسن علی میاں نے اپنے ایک خط میں رسالہ تذکرہ دیوبند نومبر ۱۹۶۱ء سے نقل کرا کے بھیجے ہیں جو بعینہٖ نقل کرتا ہوں۔ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ حکیم ضیاءالدین صاحب رامپوری آپ کے اخلاق و عادات کے متعلق مونس یاراں میں لکھتے ہیں۔

"اللہ تعالےٰ نے اس ذاتِ عالی کو کیا بے نظیر پیدا کیا تھا کہ کچھ کہا نہیں جا سکتا اور بایں صورت و شان باکمال ایسے بے ساختہ اور بے تکلف تھے کہ تصنع کا گمان بھی نہ آتا تھا اور ظاہر و باطن وہ صاف معاملہ تھا کہ ریاء کی بُو پاس نہ تھی اور ہر ایک یہ جانتا تھا کہ مجُھ سے نہایت محبت رکھتے ہیں۔ ہیبتِ حق چہرۂ پُرنور سے ایسی عیاں تھی کہ ہر ایک دفعتہً آنکھ نہ ملا سکتا تھا اور مردم شناسی کا یہ ملکہ تھا کہ کبھی خطا نہ ہوتی تھی اور جیسا جس کو دیکھتے ویسے ہی اس سے کلام فرمایا کرتے تھے۔ غرض کسی حال میں افراط و تفریط نہ تھی اور باوصف خانہ داری اور اہل و عیال کے نہایت آزاد اور مستغنی رہتے تھے۔ گویا فکرِ دُنیا پاس بھی نہ آیا تھا۔ دانائے عصر اور علمائے زمانہ ہر ایک مخلص اور منقاد تھا، نادان اور منافق سے کچھ باک نہ تھا۔ ہر وقت عشقِ الٰہی میں مست و سرشار رہتے تھے۔ دل کی کیفیت چہرہ مبارک پر معلوم ہُوا کرتی تھی۔ آنکھیں ہر وقت نم رہتی تھیں۔ محبتِ الٰہی کا صورتِ شریف پر ہر آن ظہور تھا۔

حالاتِ بیعت | حکیم ضیاءالدین صاحب لکھتے ہیں کہ وقت عصر حضرت میانجیو قبلہؒ

نے ارشاد فرمایا کہ تم آیت کریمہ ایک لاکھ ۲۵ ہزار مرتبہ ختم کر لو۔ حضرت حافظ صاحبؒ نے بعد عصر آیت کریمہ شروع کی اور اگلی عصر تک ختم فرما کر اس جگہ سے اُٹھے اور اس ایک رات دن میں بجز حاجت ضروری یا نماز وغیرہ ضروریات کے کوئی بات نہ کی۔ جب میاں جی صاحبؒ نے ذکر و اشغال تلقین فرمائے۔ اسی ہمت اور استقامت کے ساتھ انجام کو پہنچائے۔ سوائے اور اشغال کے چند روز میں حبس دم کی یہ مشق حاصل فرمائی تھی کہ ایک دم میں ذکر نفی و اثبات بعد شرائط پانچ سو مرتبہ پہنچا کر چھوڑ دیا۔ حاجت نہ ہوئی ورنہ خدا جانے کہاں تک کثرت فرماتے اور کئی سال تک فقط آدھ پاؤ کے بقدر کھانا نوش جان فرمایا کرتے تھے اور ربطِ قلب شیخ کے ساتھ اس قدر پیدا کیا تھا کہ بالکل محو اور فنا فی الشیخ ہو گئے تھے۔ ۱۵ شعبان شبِ برأت سے آخر رمضان شریف تک ڈیڑھ مہینے تمام شب مشغول رہتے تھے۔ شب کو لیٹنا سونا بالکل موقوف کر دیتے تھے۔ چند روز میں کمال جذب کے ساتھ سلوک طے فرمایا اور اس قدر کمال توحید اور وسعتِ حال حاصل ہوئی کہ خارج از بیان ہے۔ اس وقت تمام درویش اہل حال فنِ تصوف میں پیشوا سمجھتے اور خاص و عام دریافتِ حال و مقام میں حیران تھے۔

اخفاءِ حال

ابتداءِ حال میں حضرت حافظ صاحبؒ کو قمریوں سے شوق تھا۔ ایک روز بعد کھانا کھانے کے ایک روٹی قمریوں کے لئے لائے جس وقت قریب پنجرے کے پہنچے تو ایک قمری نے صدائے حق سرہٗ سنائی۔ اس صدا کو سنتے ہی آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ ناگاہ ایک شخص آگیا، اس وقت ہوش آچکا تھا گھبرا کر کھڑے ہو گئے اور یوں فرمایا دیکھو اکثر آدمی راہ میں پانی گرا دیتے ہیں، لوگ رپٹ کر گر جاتے ہیں۔ سبحان اللہ! کتنا اخفاءِ حال تھا کہ حتی المقدور اپنے حال کو باتوں سے چھپا دیا۔ اسی وجہ سے آپ کے اکثر حال اور خرق عادات ظاہر نہ ہوئے۔

اتباعِ سُنّت

حافظ صاحبؒ اتباعِ سُنّت اور استیصالِ بدعت میں بہت آگے تھے۔ حکیم صاحب لکھتے ہیں کہ اتباعِ شریعت یہ کچھ تھا کہ ادنیٰ بدعت بھی جڑ سے اکھاڑ دیا کرتے تھے اور خود مسائل مختلف فیہا میں احتیاط پر عمل فرمایا کرتے

تھے اور اوامر و نواہی میں شانِ فاروقیت کا عروج ہوتا تھا۔ زہد و تقویٰ پر ایسی کمر ہمت باندھی تھی کہ جان تک سے دریغ نہ فرمایا۔ اللہ اللہ کیا اوصاف بیان کروں۔ مختصر یہ کہ ایک دریائے نور تھا، نورِ محمدی کا ظہور تھا۔

شوقِ شہادت شہادت کے سال حافظ صاحب اس طرح فرمایا کرتے تھے۔ دیکھو حوریں پیالے لئے ہوئے مکانوں کی منڈیروں پر کھڑی ہیں جس کا جی چاہے لے لیوے۔ حکیم صاحب لکھتے ہیں۔ ان ایام میں حضرت پیر و مرشد (حافظ صاحب) ولولہ محبتِ الٰہی میں ایسے مست اور مخمور ہوتے تھے کہ اکثر ذکرِ شہادت برزبان تھا اور بہت باتیں اسرار کی کہہ اٹھتے تھے۔ اخفاءِ حال کا چنداں خیال نہ رہا تھا اور جو کوئی مستدعی بیعت ہوتا تھا برخلاف عادت فوراً بیعت کر لیتے تھے۔ حالانکہ اس سے پہلے حافظ صاحب اخفاءِ حال اور مرید نہ کرنے پر مستقل مزاج نظر آتے تھے۔ سترِ حال کا بہت خیال تھا، آزادانہ وضع رکھتے تھے۔ بوسیلہ سفارش حضرت حاجی صاحب سلمہٗ اللہ تعالےٰ میں مشرف بہ بیعت ہوا تھا۔" میدانِ شہادت میں جانے سے پہلے جو زیب و زینت کی اس کا نقشہ حکیم صاحب نے اس طرح کھینچا ہے۔

"جس وقت ارادہ معرکہ کا کیا غسل فرما کر سب لباس نیا زیب بدن شریف فرمایا اور یہ لباس بہت روز پیشتر سے رکھ چھوڑا تھا۔ حالانکہ اُن کے بعد کے بنائے ہوئے کپڑے استعمال فرمائے اور وہ لباس اس دن کام آیا۔ نعلین شریفین کچھ بوسیدہ نہ تھیں مگر وہ بھی نئی منگا کر زیب پا کیں اور یہاں تک سامان لباس وغیرہ کا اہتمام کیا تھا کہ خوشبوئی اور سُرمہ لگایا۔ دستار پیچدار، سپاہیانہ وضع، شمشیر لے کر شربتِ دیدار کی تمنا میں علمِ جوانمردی اُٹھا کر مردانہ اور مشتاقانہ بر سرِ معرکہ جاں بحق تسلیم فرمائی۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے ؎

در کوئے تو عاشقاں چناں جاں بدہند
کانجا ملک الموت نہ گنجد ہرگز

تاریخِ شہادت حکیم صاحب لکھتے ہیں۔ آپ نے ۲۴ محرم الحرام ۱۲۷۴ھ کو پیر کے دن ظہر کے وقت شربتِ شہادت نوش جاں فرمایا۔ حکیم صاحب

کے بھائی محمد علاؤالدین صاحب رامپوری نے "شہادت مُرشد ہادی" تاریخ شہادت نکالی۔
دوسری تاریخ بیدل صاحب نے نکالی ؎

بیدل آں وقت کہ حافظ ضامن | رفت و آراست بجنت مسند
شاد رضواں شد و گفت ایں تاریخ | حافظ مصحف ایزد آمد

میاں جی عبدالغفور کوئی بزرگ اس وقت ہوں گے۔ انہوں نے یہ تاریخ نکالی ؎

حوریں سب مل کر کہہ بولیں واہ واہ | پیر کے دن خلد میں پیر آ گئے

فقط (مکتوب الحاج علی میاں)

تقویم العالم میں ۲۴ محرم ۱۲۷۴ھ دوشنبہ کے دن ۱۴ ستمبر ۱۸۵۷ء ہے۔ رزقنا اللہ شیئاً من اتباعہ۔

علی میاں کا خط ماہنامہ تذکرہ دیوبند جمادی الاولےٰ ۱۳۸۱ھ مطابق نومبر ۱۹۶۱ء سے الفاظ ہے۔ یہ مولانا نسیم احمد صاحب فریدی امروہی کا مضمون ہے جو اس سال حج کو گئے تھے اور مدرسہ صولتیہ سے اس رسالہ کے کچھ اقتباسات نقل کر کے لائے تھے۔ سنا ہے کہ اصل رسالہ طویل ہے۔ مولوی نسیم احمد صاحب نے اس کے کچھ اقتباسات کئے ہیں اور علی میاں نے اس میں سے اقتباسات کئے ہیں۔ اصل تذکرہ سے چند امور کا اضافہ کرتا ہوں۔ اصل رسالہ میں مؤلف کا نام محمد ضیاء الدین بن غلام محی الدین بن غلام مصطفےٰ انصاری رامپوری درج ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ۱۸۵۷ء کے معرکہ جہاد میں جب مُرشد کامل حضرت حافظ صاحب تھانوی شہید ہو گئے تو راہِ سلوک طے کرنے والے مرید مہجور کی نظروں میں دنیا تاریک ہو گئی۔ قلق و اضطراب کا عالم تھا اُن کے قلب و جگر کی کائنات پر فرقت حبیب کا صدمہ جانکاہ چھایا ہوا تھا اسی عالم یاس و حرمان اور کیفیت رنج و غم میں اپنے پیر و مُرشد کے مختصر حالات لکھے ہیں۔ اصل رسالہ میں کرامات پیر و مرشد کا بھی ایک باب ہے۔ حضرت نانوتوی کا لکھا ہوا مرثیہ بھی ہے اور مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی کا لکھا ہوا سراپائے حافظ بھی ہے۔ یہ سب کچھ ہے لیکن حافظ صاحب کا سن پیدائش، آپ کے ابتدائی حالات، تعلیمی کیفیات، اولاد، حتیٰ کہ عمر کی مقدار تک بھی موجود نہیں ہے۔ حکیم صاحب خانقاہ تھانہ بھون کا ایک منظر اس

طرح بیان فرماتے ہیں۔

خانقاہِ تھانہ بھون کی منظر کشی

جب وہ چمنستانِ اسرارِ الٰہی آباد تھا اور نخل مراد پُر بار عجب رنگ و رُوپ رہتا تھا کہیں درس علم اور کہیں تعلیم عمل، کبھی وعظ و پند، کبھی زبان بند، مشغول با خداوند، کہیں حلقہ توجہ کا، کہیں جلوہ ذکر جہر کا کسی کو حالت گریہ، کسی کو قہقہہ، کوئی مست و بے ہوش، کوئی محو و مستغرق، دل دنیا سے فارغ اللہ کا طالب، ہر ایک اپنے حال میں مست، ایک چمن رحمتِ حق تھا کہ ناگاہ بر باد ہُوا جب کبھی اس مجمع خیر کا ذکر ہوتا ہے، سینہ میں تار سا نکل جاتا ہے اور دل مظرب بے اختیار تڑپ اُٹھتا ہے۔ ہر چند چاہتا ہوں کہ روکوں مگر دلِ مضطر پر کوئی بھی بس نہیں چلتا ؎

ضبط کروں فریاد کروں گریہ کو روکوں لیکن   دلِ بیتاب کو روکوں یہ ہو نہیں سکتا

حضرت ضامن شہیدؒ کا سراپا

دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے صدر مدرس حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ نے آپ کا سراپا لکھا ہے جس میں سو سے زائد اشعار اصل رسالہ میں ہیں۔ ان میں سے نصف کے قریب مولوی نسیم صاحب نقل کر کے لائے ہیں، وہ رسالہ میں درج ہیں ان سے انتخاب کر کے خلاصہ کے طور پر چند امور لکھے ہیں :۔ حضرتؒ حافظ صاحب بوقتِ شہادت جوان تھے اور داڑھی کے بال سیاہ تھے، خوش روؒ، بارعب گورے چٹے تھے، چیچکؒ کے کچھ داغ آپ کے چہرہ پر تھے جو بہت خوشنما معلوم ہوتے تھے۔ آپؒ کی آنکھیں بادہ معرفت کے نشہ سے مخمور اور سرخ رہتی تھیں۔ آپؒ سر کو منڈواتے تھے۔ گردنؒ بلند تھی۔ سینہؒ پر سیاہ بال تھے۔ بھنوؤںؒ آپس میں پیوستہ نہ تھیں بلکہ کشادہ تھیں۔ قد و قامتؒ متوسط نہایت موزوں، چہرہؒ پر تبسم کی کیفیت نمایاں رہتی تھی۔ فیضِ صحبت ایسا بے نہایت تھا کہ جب لوگ سامنے بیٹھتے تھے خیالِ دُنیا نہ آتا تھا۔ عبادت کی طرف رغبت ہوتی تھی۔ خیر و برکت کا یہ مجمع (حضرت حاجی صاحب، حضرت حافظ صاحب، مولانا شیخ محمد صاحب وغیرہ) قصبہ تھانہ بھون مسجد پیر محمد میں جمع ہو گیا تھا اور تھوڑے ہی عرصہ میں اس قدر تعلیم و تلقین جاری ہوئی کہ عالم میں شہرہ ہو گیا۔ ہر طرف سے طالب خدا اور درویشِ وقت رجوع ہونے لگے اور اپنے

اپنے حوصلہ کے مطابق فیض یاب ہوتے تھے عجائب کیفیت وہاں رہتی تھیں کہ نہ آنکھوں نے دیکھیں اور نہ کانوں نے سُنیں۔ ہر چند غور کیا مگر اس مجمع کو رنج و راحتِ دنیا سے بے فکر پایا۔ بجز یادِ خدا کسی شے کا فکر و اہتمام کرتے نہ دیکھا۔ جو اخلاص سے چند روز بھی صحبت میں رہ گیا ایک حال پیدا کر کے لے گیا۔ سالہا سال کے عابد و زاہد دیکھے جو کچھ اُن کے قلب میں اثر ہو جاتا تھا۔ شہادت موصوفین کی خدمت میں چند روز کے طالبوں کو اس سے بہتر پایا۔ غرضیکہ وہاں اوّل ہی ایک نسبت کا اثر ہو جاتا تھا۔

شہادت کا ذکر اُوپر گزر چکا ہے۔ حکیم صاحب کا بیان ہے کہ جس وقت نعش مبارک لینے آئے تھے جسم شریف سے عطر خس اور گلاب کی خوشبو آتی تھی۔ اس نالائق (حکیم صاحب) کا دماغ اس خوشبو سے مشرف اور معطر ہوا اور جناب حاجی صاحب (حاجی امداد اللہ صاحب) نے بھی اس وقت اس کی تصدیق فرمائی۔ حضرت پیر و مرشد نے ہفتہ عشرہ پہلے شہید ہونے سے اس نالائق کو ایک عنایت نامہ ارقام فرمایا تھا۔ وہ گرامی نامہ فارسی زبان میں تھا بعینہٖ ترجمہ اس کا درج کرتا ہوں۔

مکتوب حافظ ضامن شہیدؒ	برادر دینی حکیم محمد ضیاء الدین سلمہ اللہ تعالےٰ بعد سلام واضح رائے ہو کہ تمہاری تحریر کے موافق دل میرا متمنیٔ ملاقات

ہے۔ لازم ہے کہ بفور (جلد بعد) مطالعہ اس خط کے اپنے تئیں یہاں پہنچ آؤ۔ ایسا نہ ہو کہ توقف میں حسرت ملاقات کی دل ہی میں رہ جائے۔ عاقل کو اشارہ کافی ہے۔ باقی حال بر وقتِ ملاقات بیان کیا جائے گا۔"

مرزا غالب کے شاگرد مولوی عبدالسمیع بیدؔل رامپوری نے ایک قطعہ لکھا تھا جس سے معرکۂ جہاد پر بھی روشنی پڑتی ہے وہ تذکرہ میں موجود ہے اور ان کی لکھی ہوئی تاریخ بھی اُوپر گزر چکی ہے۔ حضرت حافظ صاحبؒ کی شہادت کے بعد حکیم ضیاء الدین صاحب مرحوم نے ایک خواب دیکھا کہ ایک صحرائے وسیع ہموار اور سبزہ زار ہے، اس کی وسعت اور فرحت و فضاء کا کچھ بیان نہیں ہو سکتا۔ اس میدان میں ایک درخت اس قدر بلند ہے کہ سر اس کا آسمان کے قریب مِلا ہُوا ہے اور بہت خوبصورت ہے۔ چند شاخیں اس کی سر جُھکائے

جھوم رہی ہیں اور ان میں کھجور کے سے خوشے نہایت خوش وضع کے ساتھ لٹکتے ہیں اور بیچ ان شاخوں کے ایک تخت نفیس و خوب صورت قائم ہے۔ اس پر حضرت پیر و مرشد جلوہ فرما ہیں اور وہ شاخیں ہر چہار سُو پر سایہ فگن ہیں۔ عجیب آن بان، شوکت و شان اس حال با کمال میں ٹپکتی تھیں۔ یہ معاملہ دیکھ کر اس قدر فرحت و اطمینان اور جمعیت خاطر حاصل ہوئی کہ بالکل محو اور مستغرق اس حال میں ہو گیا۔ جب بایں ہیبت دیکھا تو اس نالائق کے دل میں خیال آیا کہ اگر حضرت کچھ حال اپنی شہادت کا بیان فرمائیں تو بہتر ہے۔ اس بات کے دل میں وارد ہوتے ہی ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا بڑا شکر ہے اس نے مجھ کو شہداء میں بڑا مرتبہ عنایت فرمایا اور بڑی نعمتیں عطا فرمائیں" مگر حُقّہ کا ذکر آیا تھا" اس نالائق کے دل میں خطرہ گذرا کہ آپ سے گرفت ہوئی ہو گی۔ اسی وقت فرمایا کہ "نہیں" فقط ذکر آیا تھا۔ یہ فرما کر اور اس ہیئت کو چھوڑ کر دکھلایا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ دُرجِ دہانِ مبارک میں شکر بھری ہوئی ہے۔

حکیم صاحب نے اس خواب کو نقل کرنے کے بعد حضرت قاسم العلوم نانوتوی رح کا یہ ارشاد بھی نقل کیا ہے کہ میں نے بغور خیال کر کے دیکھا تھا کہ حضرت حافظ صاحبؒ کے دہن شریف سے حُقّہ کی بو نہ آتی تھی۔ حکیم صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت حافظ صاحب تشریف لے جاتے تھے۔ راہ میں ایک جانور مردار (مُردہ) پڑا تھا اور دو سگ بچے (کُتے) گرد اس کے تھے، ایک دوسرے کو کھانے نہیں دیتے تھے باہم غرّا رہے تھے۔ یہ دیکھتے ہی ایک آہ سرد بھر کر فرمایا کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے بعینہٖ مثال دُنیا داروں کی ظاہر کر رکھی ہے کہ دُنیا مردار پڑی ہے اور دُنیا دار کُتے لڑتے ہیں۔ حکیم صاحب لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ میرے حالات قلبی میں کچھ فتور واقع ہُوا تو خواب میں آ کر یوں فرمایا۔ تھوڑا کھایا کرو اور لباس جیسا ملا ویسا پہر (پہن) لیا۔

اس کے بعد صاحب تذکرہ نے حضرت مولانا نانوتوی نور اللہ مرقدہٗ کے مرثیہ کے چند اشعار نقل کئے ہیں، جو حکیم صاحب نے پورے لکھے تھے۔ ان میں سے چند کا انتخاب کیا ہے۔ یہ قصیدہ قصائد قاسمیہ میں پُورا چھپا ہُوا ہے اور چونکہ حضرت حکیم ضیاء الدین صاحب کی فرمائش اور درخواست پر گویا انہی کی طرف سے لکھا تھا۔ اس لئے آخری شعر

ہیں انہی کے نام پر اختتام کیا ہے۔ مگر چونکہ خود حکیم صاحب نے یہ بتایا ہے کہ حضرت نانوتویؒ کا ہے اس لئے تردد نہیں ہے اور قصائد قاسمیہ میں چھپا ہوا بھی ہے۔

سید الطائفہ شیخ العرب والعجم حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہٗ

جن کے نام نامی سے استبراک حاصل کرتے ہوئے حضرت گنگوہی قدس سرہٗ نے "امداد السلوک" نام رکھا ہے۔ جیسا کہ حضرت نے کتاب کے خطبہ میں خود تحریر فرمایا ہے۔

نسب | اصل اسم گرامی جو آپ کے والد ماجد نے رکھا تھا وہ امداد حسین تھا اور تاریخی نام ظفر احمد رکھا گیا تھا۔ لیکن مسند عصر شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد اسحاق صاحبؒ مہاجر مکی نے اپنی کرامت سے ہونہار بچے ہی کو خلقت کے لئے اللہ تعالیٰ کی امداد تجویز کر لیا تھا اس لئے امداد اللہ کے ساتھ ملقب فرمایا تھا اور حضرت شاہ صاحب کی کرامت تھی کہ اسی لقب نے شہرت پائی۔ حضرت حاجی صاحب کے والد کا نام حافظ محمد امین بن شیخ حافظ بڈھا بن شیخ حافظ بلاقی۔ آگے کا نسب امداد المشتاق میں کئی پشت تک لکھا ہے۔ آپ کا نسب پچپن واسطوں سے حضرت ابراہیم بن ادھم نور اللہ مرقدہٗ پر جا کر ملتا ہے جو روحانی سلسلہ میں بھی آپ کے اجداد میں ہیں۔ لیکن حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے حضرت حاجی صاحب کے نسب نامہ میں بڑی ہی تحقیق فرمائی ہے جو رسالہ "النور" شوال ۱۳۴۳ھ میں مذکور ہے۔ اس میں نسب کے سلسلے میں کچھ اشکالات بھی کئے ہیں اور حضرت ابراہیم بن ادھم کے واسطہ ہونے میں بھی اشکال کیا ہے۔ حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہٗ فاروقی النسب اور حنفی المذہب، طریقت و معرفت کے امام الائمہ تھے۔ حضرت کی متعدد سوانح کرامات امدادیہ، کمالات امدادیہ اور امداد المشتاق کے نام سے حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تالیف فرمائی ہیں۔

ولادت | حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کی ولادت ۲۲ صفر ۱۲۳۳ھ بروز دوشنبہ بمقام

قصبہ نانونوتہ ضلع سہارنپور میں ہوئی جو حضرت حاجی صاحب کی نانہال کا وطن ہے۔ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کے دو بڑے بھائی ایک چھوٹے بھائی اور ایک چھوٹی ہمشیرہ تھی۔ حضرت حاجی صاحب کی عمر تین سال کی تھی کہ حضرت کو اعلیٰ حضرت سید صاحب شہید قدس سرہٗ کی آغوش میں دے دیا گیا اور حضرت شہید قدس سرہٗ نے بیعتِ تبرک سے نوازا (امداد المشتاق) حضرت حاجی صاحبؒ کی عمر ابھی سات ہی سال کی تھی کہ والدہ ماجدہ نے انتقال فرمایا۔ چونکہ حضرت کی والدہ مرحومہ کو آپ سے عشق کے درجہ کی محبت تھی اس لئے مرتے وقت وصیت کی کہ میرے اس بچہ کو کوئی شخص ہاتھ نہ لگائے۔ اس وصیت کا اثر حضرت حاجیؒ صاحب کی ابتدائی تعلیم پر بھی پڑا کہ اعزہ نے اس کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی۔

تعلیم | لیکن چونکہ حضرت حاجی صاحبؒ کو مرجع الخلائق بننا تھا بلا کسی کے تحریص و تنبیہ کے خود ہی کلام مجید حفظ کرنا شروع کر دیا اور ۱۲۴۹ھ میں جب کہ حضرت کی عمر شریف سولہ سال کی تھی استاذ الکل حضرت مولانا مملوک علی صاحب نانوتویؒ کے ساتھ دہلی تشریف لے گئے اور وہاں مختلف علماء سے علوم ظاہریہ کی تحصیل شروع فرمائی اور کُتب فارسی اور ابتدائی کُتب عربیہ پڑھیں۔ لیکن چونکہ حضرت قدس سرہٗ کو علوم باطنیہ میں سیدالطائفہ بننا تھا اس لئے شروع ہی سے حضرت نوراللہ مرقدہٗ کو علوم باطنیہ کی طرف کشش شروع ہو گئی تھی اور ۱۸ برس کی عمر میں شیخ وقت حضرت مولانا نصیرالدین صاحب نقشبندی کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور اذکارِ نقشبندیہ شروع کر دیئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں شیخ کی طرف سے خرقۂ اجازت بھی مل گیا۔ اس کے بعد حضرت حاجی صاحب نوراللہ مرقدہٗ کو کلام نبوی کی طرف کشش اور جذب ہوا اور مشکوٰۃ شریف حضرت مولانا محمد قلندر صاحب جلال آبادی سے اور حصن حصین اور فقہ اکبر حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ سے حاصل کیں۔ یہ دونوں حضرات حضرت مولانا مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلوی اور مسند ہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نوراللہ مراقدہم کے شاگردِ رشید تھے۔

سلوک و بیعت | ان ایام میں حضرت حاجی صاحب کے اوپر علم تصوف کا بہت زیادہ

غلبہ تھا اور مثنوی مولانا روم کا بہت کثرت سے مطالعہ فرماتے اور انہیں بہت لطف آتا تھا اور قلب مبارک میں ذوق و شوق اور اضطراب روز افزوں تھا کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی زیارت خواب میں ہوئی۔ اس حالت میں کہ رعب کی وجہ سے حضرت حاجی صاحب کا قدم نہیں اٹھتا تھا کہ حضرت کے جدامجد ملا بلاقی صاحب تشریف لائے اور حضرت حاجی صاحب کا ہاتھ پکڑ کر حضور اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا اور حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے حضرت حاجی صاحب کا ہاتھ پکڑ کر شیخ المشائخ حضرت میاںجی نور محمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ حضرت کو حضرت میاںجی صاحب سے نہ واقفیت تھی اور نہ نام وغیرہ کچھ معلوم اس لئے بیدار ہونے پر بہت ہی اضطراب اور بے چینی میں وقت گزرتا رہا کہ یہ کون بزرگ ہیں، کہاں رہتے ہیں؟ حضرت حاجی صاحبؒ کے اس اضطراب و بے چینی کو دیکھ کر حضرت کے استاذ مولانا قلندر صاحب نے مشورہ دیا کہ تم لوہاری جاؤ وہاں ایک بزرگ رہتے ہیں۔ شاید اُن کی صحبت سے تمہاری بے چینی کم ہو۔ حضرت حاجی صاحب پر اضطراب اس قدر غالب تھا کہ اس فقرہ کو سُن کر فوراً پا پیادہ لوہاری چل دیئے اور افتاں وخیزاں وہاں حاضر ہوئے اور جیسے ہی نظر پڑی تو چہرہ مبارک کو دیکھ کر وہ خوابی چہرہ جس کی ایک زمانے سے جستجو اور تلاش تھی مل گیا اور چہرۂ انور کو دیکھ کر فوراً قدموں پر گر گئے۔ حضرت میاں جی صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے دونوں ہاتھوں سے اٹھایا اور سینہ سے لگا کر فرمایا کہ تمہیں اپنے خواب پر بہت وثوق ہے۔ یہ پہلی کرامت تھی جو حضرت میاںجی صاحبؒ کی دیکھی اور بیعت ہو کر کچھ دنوں قیام کیا اور حضرت میاں جی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کے یہاں سے خرقۂ خلافت سے مشرف ہوئے اور روانگی کے وقت حضرت میاں جی صاحب نے ایک امتحانی فقرہ فرمایا کہ "کیا چاہتے ہو تسخیر یا کیمیا؟"

حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ یہ فقرہ سُن کر رو پڑے اور عرض کیا کہ صرف محبوبِ حقیقی کی خواہش ہے، دُنیا کی کوئی چیز نہیں چاہیئے۔ حضرت میاںجی صاحب نے یہ فقرہ سُن کر حضرت حاجی صاحب کو بغلگیر فرمایا اور بہت دعائیں دیں۔

شیخ کا انتقال اور سفرِ حج

۱۲۵۹ھ میں حضرت میانجی صاحبؒ کا وصال ہوا اور حضرت کے وصال کے بعد حضرت حاجی صاحب پر پھر ایک بے چینی اور اضطراب کا غلبہ ہوا اور صحرانوردی شروع فرمادی۔ چھ مہینہ تک یہ سلسلہ رہا کہ نہ دن کی خبر نہ رات کی۔ ہفتوں کا فاقہ۔ ۱۲۶۰ھ میں فخر الرسل سید الکونین صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی پھر زیارت ہوئی اور حضرت کو حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے خواب میں ارشاد فرمایا کہ ہمارے پاس آؤ۔ اس خواب سے مدینہ پاک کی حاضری کا اضطراب بڑھا اور ۱۲۶۱ھ کو جدہ کے قریب ایک بندر گاہ پر اترے اور سیدھے عرفات تشریف لے گئے۔ حج سے فراغت پر چند روز مکہ مکرمہ میں قیام رہا اور فخر المحدثین حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب مہاجر مکیؒ وغیرہ حضرات کے فیوض سے تمتع حاصل کیا۔

حضرت شاہ صاحب نے چند وصایا بھی فرمائیں کہ اپنے کو کمترین مخلوقات میں سے سمجھنا اور حرام مشتبہ لقمہ سے احتراز کرنا کہ یہ لقمہ ضرور نقصان پہنچاتا ہے اور الم تعلم بان اللہ یری کے مراقبہ کی بھی تلقین فرمائی اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ زیارت اقدس سے فراغ کے بعد ہندوستان جانا ضروری ہے۔ انشاء اللہ پھر انقطاع تعلقات کے بعد دوبارہ آکر ٹھہرنا۔ حضرت حاجی صاحب پر وہاں کے قیام کا اشتیاق غالب تھا۔ حضرت سید قدرت اللہ صاحب بنارسی ثم المکیؒ نے جو کرامات وخوارق میں بہت مشہور تھے اپنے چند مریدوں کو حضرت حاجی صاحب کے ساتھ کر دیا کہ ان کو بحفاظت لے جائیں اور ساتھ ہی واپس لائیں۔ مدینہ پاک کی حاضری پر جو فیوض وبرکات حاصل ہوئے اُن کی تفصیل تو بہت طویل ہے۔ ایک مرتبہ روضۂ من ریاض الجنۃ میں مراقبہ کی حالت میں حضور اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی اور حضور اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے حضرت حاجی صاحب کے سر پر عمامہ رکھ دیا۔
مدینہ کے قیام کے دوران میں حضرت شاہ غلام مرتضیٰ صاحب جھنجھانوی ثم المدنی نور اللہ مرقدہٗ سے اپنا قیام مدینہ کا اشتیاق ظاہر کیا۔ حضرت شاہ صاحب نے بھی یہی ارشاد فرمایا کہ ابھی چندے اور صبر کرو۔ پھر انشاء اللہ واپسی ہو جائے گی۔ اس لئے ۱۲۶۲ھ میں ہندوستان کو واپسی ہوئی تو طالبین کی طرف سے بیعت کا اصرار شروع ہوا اور حضرت حاجی صاحب تواضع

اور انکساری سے انکار فرماتے رہے کہ پھر اشارہ غیبی سے بیعت ارشاد شروع ہوئی ۔

علماء کا رجوع ابھی چند ہی حضرات حضرت حاجی صاحب کے ہاتھ پر بیعت ہوئے تھے اور حاجی صاحب کا اور اُن کے مہمانوں کا کھانا ان کی بھاوج کے گھر سے آتا تھا۔ حاجی صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے خواب میں دیکھا کہ سید الکونین فخر الانبیاء صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور ان کی بھاوج سے فرمایا کہ اُٹھ امداد اللہ کے مہمانوں کا کھانا میں پکاؤں گا، اُن کے مہمان علماء ہیں۔ اس علماء کی جماعت میں سب سے پہلے حضرت اقدس قطب الارشاد حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ ہیں اور ان کے بعد فخر المتکلمین حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ کی بیعت ہوئی۔ ان دونوں حضرات کا بیعت ہونا تھا کہ علماء کی بیعت کا سلسلہ چل پڑا۔

ہجرت حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کے قلب اطہر میں حجاز کے قیام کا وہ ولولہ جو اس سے پہلی حاضری کے وقت سے موجزن تھا بڑھتا رہا کہ اتفاقاً غدر ۱۸۵۷ء کا حادثہ پیش آیا اور انگریزوں نے بادشاہِ اسلام کے ساتھ غدر کیا اور اس ہنگامہ کے دلسوز واقعات اور حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کی کرامات اور خوارق اتنی کثرت سے ہیں کہ ان کا اجمالی ذکر بھی دشوار ہے۔ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کے متعلق حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے متعدد رسائل امداد المشتاق، کرامات امدادیہ کمالات امدادیہ میں مختصر طور سے مذکور ہیں۔

بہرحال اس حادثہ جانکاہ کی وجہ سے حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کو ہند کو خیر باد کہنا پڑا۔ چنانچہ ۱۲۷۶ھ میں براہ کراچی مکہ مکرمہ پہنچے اور جبل صفاء پر سیٹھ اسمٰعیل کی رباط میں قیام فرمایا اور تمام اوقات خلوت اور مراقبہ میں گذرتے تھے۔ ایک مرتبہ مراقبہ میں اشارہ غیبی ہوا کہ عارف کو کسی بھی سُنت نبوی کا ترک نہیں کرنا چاہیئے اس لئے نکاح ضروری ہے۔ حضرت قدس سرہٗ کی طبیعت یکسوئی اور انقطاع الدنیا کی وجہ سے اس سے متوحش تھی۔ لیکن اس الہام کی وجہ سے تقریباً پچاس سال تجرد میں گذارنے کے بعد ۱۲ رمضان المبارک ۸۲ھ کو بی بی خدیجہ بنت حاجی شفاعت خاں مرحوم رامپوری

سے جن کے والدین پہلے ہی الوداع کہہ چکے تھے بعوض ساٹھ ریال فرانسیسی جو تقریباً ایک سو پچیس روپے ہندی سکے سے ہوتے ہیں مہر پر نکاح کیا۔ ۹۴ھ میں بعض مخلص خدام نے بہت شدید اصرار اور الحاح کے بعد حضرت کے شدید انکار کے باوجود محلہ حارۃ الباب میں ایک مکان خرید کر حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کی خدمت میں پیش کیا۔

آخر حیات و وفات

حضرت قدس سرہٗ نہایت ضعیف الجثۃ اور خلقۃً قلیل اللحم تھے۔ اس پر مجاہدات و ریاضات اور قلب منام قلت طعام اور اس سب سے بڑھ کر عشق الٰہی کے اضطراب و بے چینی نے اتنا کمزور و ضعیف کر دیا تھا کہ اگر کہا جائے کہ سوکھ کر کانٹا ہو گئے تھے تو بے جا نہیں۔ اس سیاہ کار نے حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے ایک چوغہ کی زیارت کی جو اپنی چوڑائی میں آٹھ دس برس کے بچے کے بدن پر مشکل سے آئے۔ بالآخر یہ عرب و عجم کو منور کرنے والا آفتاب دنیائے اسلام کو نور معرفت سے سیراب کرنے والا سمندر چوراسی سال تین ماہ بیس روز اس عالم تاریک کو منور فرما کر ۱۲ یا ۱۳ جمادی الآخری ۱۳۱۷ھ بروز چہار شنبہ بوقت اذانِ صبح محبوب حقیقی سے واصل ہو گیا۔ اور جنت المعلےٰ میں حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی ثم المکی بانی مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کی قبر مبارک کے متصل ابدی آرام گاہ نم کنومۃ العروس میں تشریف لے گئے۔

اطاب اللہ ثراہ واعلی اللہ مراتبہ العلیا۔

(ماخوذ از رسالہ مشائخ چشتیہ مؤلفہ ایں سیہ کار)

دیباچہ امداد السّلوک

حضرت اقدس گنگوہی قدس سرہٗ نے امداد السلوک کے شروع میں ایک دیباچہ بھی تحریر فرمایا تھا جس کو حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب نے اختصاراً حذف کر دیا تھا اور اس کا خلاصہ "التماس از مترجم" کے ذیل میں تحریر فرمادیا ہے۔ اس ناکارہ نے تبرکاً اصل دیباچہ اور اس کا اردو ترجمہ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب مدظلہٗ العالی ناظم مدرسہ سے کرا کر اس تمہید میں ذکر کر دیا۔

اصل فارسی دیباچہ امداد السّلوک

(ھو اللہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی الاعظم۔

احمدہٗ علی ما خصّنا بالنعماء السوابغ والمفضل الاتم وجعلنا من اشرف الامم وارسل الینا نبیاً وحیداً ھو فخر الانبیاء واولاھم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ واتباعہ واحبابہ وسلم۔

اما بعد! می گوید فقیر خاکسار وحقیر نابکار رشید احمد عفا اللہ وا وصلہ الی متمناہ کہ ایں فصول چند است از ترجمہ رسالہ مکیہ کہ حسب ارشاد قدوۃ العارفین زبدۃ السالکین قطب الواصلین حافظ محمد ضامن صاحب تھانوی سلمہ اللہ تعالیٰ بالافضال والتلقین ثبت افتادہ ومحض پابند ترجمہ لفظی نبودہ بیشتر در ترتیب فصول وتوضیح مجملات وایجاز تطویلات وحذف مکررات تغیرات مناسب دادہ بامداد السلوک نام نہادہ و بنام نامی و اسم سامی افتخار المشائخ الاعلام مرکز الخواص والعوام منبع البرکات القدسیۃ مظہر الفیوضات المرضیۃ معدن المعارف الالٰہیۃ مخزن الحقائق، مجمع الدقائق، سراج اقرانہ، قدوۃ اہل زمانہ،

سلطان العارفین، ملک التارکین، غوث الکاملین، غیاث الطالبین الذی کلت السنة الاقلام من مدائحہ البالغۃ واعجزت التوصیف شمائلہ الکرائم الساطعۃ یغبطہ الاولون والآخرون من شعارہ ویحسدہ الفاجرون والغافلون من دثارہ ۔ مرشدی معتمدی وسیلۃ یومی وغدی مولائی ومعتقی سیدی، سندی الشیخ الحاج المشتہر بامداد اللہ الفاروقی تھانوی سلمہ اللہ تعالیٰ بالارشاد والہدایۃ وازال بذاتہ المطہرۃ الضلالۃ والغوایۃ استعانت نمودہ وباذیال فیضان وعاطفتش پناہ جستہ ورنہ صلاحیت ایں امر نمی داشت وبایں راہ پائے نمی توانست افراشت مرجو آنکہ حضرت ایشان خصوصاً وہر کہ مطالعہ او کند عموماً ایں محروم راز دعاء خیر خود بفراموشی ندہد وخطائے کہ بیند اصلاح فرماید کہ خودرا از زلت بری می کنم والا از حسد حاسد بے باکی واز چشم عیب بینی پروائے نئے کہ گزندش وکمندش بر گردن ہموست ومقصود من ازیں ترجمہ وتسہیل ہم ان است کہ مصنف رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ فرمودہ کہ اگر صادقے بصدق مطالعہ آں کند وحق تعالےٰ او را آگہی بخشد ۔ ایں قدر بداند کہ بارگاہ حق جل وعلا بسیار پاک ونہایت منزہ از کدورات است وآلودۂ نجاسات معاصی لائق آں بارگاہ نیست واو تعالےٰ از بندگانِ خود اطاعت وموافقت اوامر می طلبد و از معاصی ومناہی منع می فرماید وبلسان حال می فرماید کہ ابن آدم من بدِ لازم تو ہستم بدلازم خودرا محکم گیر وتراز ہمہ چیز کفایت می کنم واز من ہیچ شیٔ ترا کافی نیست ۔ پس چوں ایں قدر علم ویقیں اوشد درطلب نجات خود کمر چست بستہ مشغول طہارت ظاہر وباطن بود ورفتہ رفتہ سلوک طریق حق ورزد تا باشد کہ واصل گردد ومقرب شود وانس ومجالست باحضرت صمدیۃ حسب مصداق[1] او تعالےٰ شانہ کہ من جلیس من ذکرنی خود ہستم حاصل آید واکنوں ترجمۂ مطالب او می کنم وبجد تعالےٰ می پناہم فاللہ تعالیٰ یعصمنی من کل مالا یلیق و یوفقنی خیر التوفیق ۔

---

[1] کذا فی الاصل والظاہر حسب مصداق فرمان او ۔ ۱۲ مترجم

ترجمہ :- از حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحب مدظلہم، ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی اعانت و عنایت کے بغیر نہ گناہوں سے پرہیز ہو سکتا ہے اور نہ نیکیاں کی جاسکتی ہیں۔ میں اس کی حمد و ثنا کرتا ہوں کہ اس نے ہم مسلمانوں کو اپنی کامل نعمتوں اور پورے فضل سے مخصوص کیا ہے، ہم کو سب اُمتوں سے بہتر بنایا ہے اور ہماری جانب ایسے نبی یکتا کو بھیجا ہے جو فخر الانبیاء اور سید المرسلین ہیں۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہ واتباعہ واحبابہ وسلم۔

بعد حمد و صلوٰۃ کے فقیر خاکسار حقیر نابکار رشید احمد عفی عنہ حق تعالیٰ اس کو اس کے مقاصد میں کامیاب فرمائے۔ مدعی نگار ہے کہ یہ رسالہ مکیہ کے ترجمہ کی چند فصلیں ہیں یعنی رسالہ مکیہ کی چند فصلوں کا ترجمہ ہے جو قدوۃ العارفین، زبدۃ السالکین قطب الواصلین حضرت حافظ محمد ضامن صاحب تھانوی اللہ جل شانہ اپنے لطف و کرم سے ان کو اپنی نعمتوں کے ساتھ اور لوگوں کی ارشاد و ہدایت کی تلقین کیساتھ تا دیر سلامت رکھے کے ارشاد سے لکھی گئی ہیں۔ ان میں ترجمہ لفظی کا التزام نہیں کیا گیا ہے۔ اکثر فصول کی ترتیب میں اجمال کی تفصیل میں طویل عبارتوں کے اختصار میں اور مکرر مضامین کے حذف کرنے میں مناسب تغیرات سے کام لیا گیا ہے اور اس کا نام امداد السلوک رکھا گیا ہے اور فخرِ مشائخ عظام مرجع خواص وعوام منبع برکات قدسیہ مظہر فیوض مرضیہ معدن معارف الٰہیہ، مخزن حقائق، مجمع دقائق سراج ہمسراں، سرتاج اہل زماں، سلطان العارفین تارکین دنیا کے بادشاہ، غوث کاملین غیاث الطالبین جن کی کامل ستائش سے قلموں کی زبانیں قاصر ہیں جن کے مکارم اخلاق تعریف و توصیف سے بالاتر ہیں جن کے باطن پر متقدمین و متاخرین رشک کرتے ہیں اور ظاہر پر فاجر اور خدا سے غافل لوگ حسد کرتے ہیں۔ پیر و مرشد اور میرے دین کے راہنما اور دُنیا کے مقتدا، میرے آقا، میرے مولا اور میرے مستند اور معتمد یعنی حضرت شیخ الحاج امداد اللہ صاحب تھانوی فاروقی اللہ تعالیٰ ان کو ہمیشہ ارشاد و ہدایت کے ساتھ صحیح سالم رکھے اور ان کی مقدس ذات سے ضلالت و گمراہی کو زائل کرے۔ میں نے اس

ترجمہ میں ان کے نام نامی اور اسم سامی سے مدد لی ہے اور دامن فیض و عاطفت میں پناہ لی ہے ورنہ مجھ میں یہ قابلیت نہ تھی اور میں اس راہ میں قدم نہیں اُٹھا سکتا تھا۔ امید ہے کہ حضرت ممدوح خصوصاً اور ناظرین عموماً اس ناکارہ کو دعاءِ خیر سے فراموش نہ فرمائیں گے۔ اور (ناظرین کو) جو غلطی نظر آئے گی اس کی اصلاح فرمائیں گے۔ کیونکہ میں اپنے آپ کو لغزشوں سے بَری نہیں سمجھتا ہوں۔ باقی حاسدین کے حسد اور چشمِ عیب بین کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ کیونکہ ان کے حسد اور اُن کی عیب بینی کا نقصان و خسران خود ان ہی کی گردن پر ہے۔ اس ترجمہ وتسہیل سے میرا مقصود وہی ہے جو حضرت مصنّف نے بیان فرمایا ہے کہ اگر کوئی مخلص صدق دل سے اُس کا مطالعہ کرے اور اللہ تعالےٰ اس کو معرفت حقیقی عطا فرمائے اور اتنا یقین رکھے کہ اللہ تعالےٰ کی بارگاہ کدورتوں سے بالکل پاک ہے اور انتہائی منزہ ہے اور گناہوں کی نجاستوں میں آلودہ شخص ان کی بارگاہ کے لائق نہیں اور وہ اپنے بندوں سے اپنی اطاعت اور اپنے اوامر کا امتثال چاہتے ہیں۔ گناہوں اور ممنوعات شرعیہ سے منع فرماتے ہیں۔ گویا زبانِ حال[1] سے یہ فرماتے ہیں کہ اے ابن آدم! مَیں تیرا لازمی چارۂ کار ہوں۔ یعنی میرے سوا تیرے لئے کوئی دوسرا چارۂ کار نہیں ہے تو اپنے لازمی چارۂ کار کو دامن کو مضبوط پکڑ لے اور مَیں تجھ کو ہر چیز سے کفایت کرتا ہوں اور مجھ سے تجھ کو کوئی چیز کافی نہیں ہے (یعنی مَیں ہر چیز کا بدل ہوں اور کوئی شئے میرا بدل نہیں ہے) بس اس علم و یقین کے بعد طلب نجات کے لئے کمرِ ہمت باندھ کر ظاہر و باطن کے تزکیہ و تطہیر میں مشغول ہو جائے اور رفتہ رفتہ راہِ حق کے سلوک کو اختیار کر لے تاکہ واصل اور مقرب ہو جائے اور اس حدیث قدسی کے مطابق کہ "مَیں اپنے ذکر کرنے والے کا ہمنشین ہوں" بارگاہ ایزدی کے ساتھ انس و ہم نشینی حاصل ہو جائے۔ مَیں خدا کی پناہ لے کر اب ترجمہ شروع کرتا ہوں۔ اللہ تعالےٰ مجھ کو ہر نامناسب چیز

---

[1] و فی الشرح الفارسی یعنی ان اللہ تعالیٰ یعطیہ حالاً فیدرک بتلک الحال ھذا المعنی انتھی۔ یعنی اللہ تعالیٰ شانہٗ مرید میں ایک حال پیدا کر دیتے ہیں جس سے وہ اس معنی کا ادراک کرتا ہے جو آگے آ رہے ہیں۔ ۱۲ ز

سے محفوظ رکھے اور اچھی توفیق عطا فرمائے۔

حقیقتِ تصوّف پر قطب العالم کی تحریر

قطب عالم حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کے اس دیباچہ اور تمہید کے آخری حصّہ کے مناسب خود قطب العالم کی ایک تحریر جس میں علم تصوف کی تعریف اس کی حقیقت اور اخلاق صوفیہ کی اجمالی فہرست خود حضرت قدس سرہٗ کے دستِ مبارک کی لکھی ہوئی تذکرۃ الرشید جلد ثانی میں درج ہے جو اس جگہ کے بہت مناسب ہے اور حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب نے اس کا اردو ترجمہ بھی فرمایا ہے جس کو اس جگہ بعینہٖ نقل کرتا ہوں۔ مولانا تذکرۃ الرشید میں تحریر فرماتے ہیں کہ خوش قسمتی سے حضرت کے صاحبزادے حکیم مولانا مسعود صاحب کے پاس ایک پرچہ میری نظر پڑا جو طریقت کی ماہیت کے متعلق حضرت قدس سرہٗ کے دستِ مبارک کا لکھا ہوا تھا اور جس کو اوائل عمر میں خدا جانے کس ضرورت کے وقت قلمبند فرمایا تھا اس کو ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں :۔

علم الصوفیۃ علم الدین ظاہراً و باطناً وقوۃ الیقین وھو العلم الاعلی ومالھم اصلاح الاخلاق ودوام الافتقار الی اللہ تعالٰی و حقیقۃ التصوف التخلق باخلاق اللہ تعالٰی وسلب الارادۃ وکون العبد فی رضاء اللہ تعالٰی و اخلاق الصوفیۃ ماھو خلقہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بقول انک لعلی خلق عظیم۔ وما ورد بہ الحدیث وتفصیل اخلاقھم ھکذا التواضع[1] ضدہ الکبر۔ المداراۃ[2] واحتمال الاذی عن الخلق۔ المعاملۃ[3] برفق وخلق حسن وترک غضب وغیظ المواساۃ[4] والایثار بفرط الشفقۃ علی الخلق وھو تقدم حقوق الخلق علی حظوظہ۔ السخاوۃ[5] التجاوز[6] والعفو، طلاقۃ[7] الوجہ والبشرۃ۔ السھولۃ[8] ولین الجانب ترک[9] التعسف والتکلف۔ انفاق[10] بلا اقتار وترک الادخار۔ التوکل[11] القناعۃ[12] بیسیر من الدنیا۔ الورع[13]۔ ترک[14] المراء والجدال۔ والعتب الابحق۔ ترک[15] الغل والحقد والحسد۔ ترک[16] الماہ[ا] والجاہ۔

[ا] کذا فی الاصل۔ ۱۲ ش

وفاء[17] الوعد - الحلم[18] - الاناة[19] - التواد[20] والتوافق مع الاخوان والعزلة عن الاغيار - والشکر[21] المنعم - بذل الجاہ للمسلمین - الصوفی یہذب الظاہر والباطن فی الاخلاق والتصوف ادب کلہ ادب الحضرۃ الالٰہیۃ الاعراض عما سوا ھا حیاءً واجلالاً وھیبۃ - اسوء المعاصی حدیث النفس وسبب الظلمۃ -

ترجمہ :- صوفیہ کا علم نام ہے ظاہر و باطن علم دین اور قوت یقین کا اور یہی اعلیٰ علم ہے - صوفیاء کی حالت اخلاق کا سنوارنا اور ہمیشہ خدا کی طرف لَو لگائے رکھنا ہے۔

تصوف کی حقیقت اللہ تعالےٰ کے اخلاق سے مزین ہونا اور اپنے ارادہ کا چھن جانا اور بندہ کا اللہ تعالےٰ کی رضاء میں بالکلیہ معروف ہو جانا ہے -

صوفیاء کے اخلاق وہی ہیں جو جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا خلق ہے۔ حسبِ فرمان خداوند تعالےٰ کہ "بے شک تم بڑے خلق پر (پیدا کئے گئے) ہو اور نیز جو کچھ حدیث میں آیا ہے (اس پر عمل اخلاقِ صوفیہ میں داخل ہے) -

صوفیاء کے اخلاق کی تفصیل اس طرح ہے کہ اپنے آپ کو کمتر سمجھنا اور اس کی ضد ہے تکبّر، مخلوق کے ساتھ تلطف کا برتاؤ کرنا اور خلقت کی ایذاؤں کو برداشت کرنا، نرمی اور خوش خلقی کا معاملہ کرنا اور غیظ و غضب کو چھوڑ دینا، ہمدردی اور دوسروں کو ترجیح دینا، خلق پر فرط شفقت کے ساتھ جس کا یہ مطلب ہے کہ مخلوق کے حقوق کو اپنے حظ نفسانی پر مقدم رکھا جائے، سخاوت کرنا، درگزر اور خطا کا معاف کرنا، خندہ روئی اور بشاشۂ جسم سہولۃ اور نرم پہلو رکھنا، تفنّع اور تکلف کا چھوڑ دینا، خرچ کرنا بلا تنگی اور بغیر اتنی فراخی کے کہ احتیاج لاحق ہو۔ خدا پر بھروسہ رکھنا، تھوڑی سے دنیا پر قناعت کرنا، پرہیز گاری اور جنگ و جدل اور عتاب نہ کرنا۔ مگر حق کے ساتھ بغض و حسد و کینہ نہ رکھنا، عزت و جاہ کا خواہش مند نہ ہونا، وعدہ پورا کرنا، بردباری، دور اندیشی، بھائیوں کے ساتھ موافقت و محبت رکھنا اور اغیار سے علیٰحدہ رہنا، محسن کی شکر گزاری اور جاہ کا مسلمانوں کے لئے

خرچ کرنا، صوفی اخلاق میں اپنا ظاہر و باطن مہذب بنا لیتا ہے۔

اور تصوف سارا ادب ہی کا نام ہے۔ بارگاہ احدیت کا ادب یہ ہے کہ ماسوا اللہ سے منہ پھیر لینا۔ شرم کے مارے حق تعالےٰ کی جلال و ہیبت کے سبب بدترین معصیت ہے۔ تحدیث نفس یعنی نفس سے باتیں کرنا اور ظلمت کا سبب ہے۔

اختتام مقدّمہ

امام ربانی قدس سرہٗ کی یہ چند سطور سرنامہ اور عنوان ہے ان تمام مباحث کا جو طریقت کے شریف فن میں ہزارہا ضخیم کتابوں کے اندر اولیاء اللہ نے جمع کئے ہیں عالم کی خلقت کے اصل مقصود اور بطنی پیغمبر صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے پھیلائے ہوئے پاک مذہب اسلام کی چودہ سو برس میں جتنی بھی تفصیل اور توضیح لکھو کھا کتابوں میں مدون ہو کر ہوئی ہے سب کا لب لباب یہی ہے جو مذکورہ دس سطروں میں بیان ہوا ہے۔

فقط

زکریا عفی عنہ

۲۲ ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ

بروز دوشنبہ

اِلتماس ازمترجم

ساٹھ برس سے زیادہ ہوئے کہ امام ربانی حضرت مولانا الحاج الشیخ عارف باللہ فانی فی اللہ قطب الزمان غوث الدوران جامع شریعت و طریقت ناشر فیوضات معرفت و حقیقت سیدی و معتمدی مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہی قدس سرہٗ العزیز نے بارشاد قطب الواصلین قدوۃ العارفین حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہید تھانوی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ رسالہ مکیہ کا بزبانِ فارسی ترجمہ فرمایا اور اپنے شیخ منبع البرکات و مظہر الفیوضات حضرت حاجی امداد اللہ شاہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالےٰ کے اسم سامی پر اس کا نام "امداد السلوک" تجویز فرمایا تھا جس کے دیباچہ کی چند سطور میں حضرت امام ربّانی نے یہ مضمون لکھا تھا کہ میں نے اپنے روحانی چچا حضرت حافظ محمد ضامن صاحب کے ارشاد پر اپنے روحانی باپ ہادی و مرشد شیخ اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ شاہ صاحب کے دامن فیضان سے استعانت لے کر ترجمہ کیا ورنہ میرے اندر نہ اس کی صلاحیت ہے اور نہ میں اس راستہ میں قدم اُٹھا سکتا ہوں۔ امیدوار ہوں کہ یہ دونوں حضرات خصوصاً اور جو لوگ بھی اس کا مطالعہ کریں عموماً اس محروم کو اپنی دعا خیر سے فراموش نہ کریں اور جو غلطی دیکھیں اس کی اصلاح فرمائیں کہ میں اپنے آپ کو لغزش سے بری نہیں سمجھتا۔ البتہ حاسد کے حسد سے نہ ڈر ہے اور نہ عیب بیں آنکھ سے اندیشہ کہ ان کا گزند اور ان کی کمند ان ہی کی گردن میں ہوگی۔

اس ترجمہ اور عربی کو فارسی میں لاکر مضمون کو آسان کر دینے سے میرا مقصود وہی ہے جس کو مصنف رسالہ مکیہ نے بایں الفاظ خود فرمایا ہے کہ "اگر کوئی صادق طلب والا اس رسالے کو صدق کے ساتھ مطالعہ کرے اور حق تعالےٰ اس کو واقفیت بخشے تو اتنی بات جان لے کہ حق جل وعلی کی بارگاہ نہایت پاک اور کدورتوں سے غایت درجہ منزہ ہے اور معصیتوں کی گندگیوں میں بھرا ہوا شخص اس بارگاہ کے لائق نہیں اور حق تعالےٰ

اپنے بندوں سے اطاعت اور احکام کی تعمیل چاہتا اور ممنوعات و معاصی سے منع کرتا اور بلسان حال یوں ارشاد فرماتا ہے:

اے ابن آدم! تجھ کو میرے بغیر چارہ نہیں، مَیں نے تیری روزی اپنے ذمہ لازم کی اور اپنی اطاعت تیرے ذمہ لازم کی ہے۔ پس تو اپنی ذمہ داری کو مضبوط پکڑ کہ مَیں تیرے لئے ہر چیز سے کفایت کرتا ہوں اور مجھ سے تجھ کو کوئی چیز بھی کافی نہیں ہو سکتی۔ (کیونکہ مَیں مل گیا تو تجھ کو سب کچھ مل گیا اور مَیں نہ ملا تو سارا عالم بھی اگر تیرے قبضہ میں آجائے تو خاک بھی مفید نہیں)۔

پس جب اس قدر علم اور یقین اس کو حاصل ہو جائے تو اپنی نجات کی طلب میں کمر کو چست باندھ کہ ظاہر و باطن کی پاکیزگی میں مشغول ہو اور رفتہ رفتہ سلوک طریق سیکھے یہاں تک کہ واصل بن جائے اور مقرب ہو جائے اور بمصداق ارشاد خداوندی کہ "میں اپنے ذکر کرنے والے کا ہم نشین ہوں" بارگاہ صمدیت سے انس و مجالست حاصل ہو۔ انتہی بترجمۃ۔

چونکہ اس زمانے میں جب کہ علم کی کساد بازاری عام ہوتی جاتی ہے، فارسی کے جاننے والے بہت کم رہ گئے۔ اس لئے عام مسلمان اس دُرِ فرید سے منتفع نہ ہو سکتے تھے۔ احباب نے بارہا خواہش کی کہ مَیں اس کا ترجمہ اُردو میں کر دوں، مگر اس راستہ میں قدم اُٹھاتے وقت جب کہ امام ربانی جیسا غواص بحرِ طریقت یوں فرمائے کہ "میرے اندر اس کی صلاحیّت نہیں" تو مجھ سیہ کار کا کیا پوچھنا جو کہ اس کُوچہ سے بالکل نابلد ہے، اس لئے ٹالتا رہا۔ آخر حق تعالےٰ شانہٗ کو منظور ہُوا کہ یہ خدمت میرے نامۂ اعمال میں درج فرما کر وسیلۂ نجات بنائے کہ نیکوں کا ذکرِ خیر اور نیک باتوں کا زبان یا قلم سے نکلنا بھی اثر ڈالے بغیر نہیں رہتا اس لئے بنامِ خدا تعالےٰ ہمت کی۔ اتباعاً للشیخ اپنے روحانی باپ کے نام نامی پر معنون کر کے اس کا نام "ارشاد السّلوک" رکھا اور اُس قلزم معرفت کے دامانِ

عاطفت میں پناہ لے کر اس کا ترجمہ شروع کر دیا۔
الرحم الراحمین کا بے حد شکر ہے کہ جس طرح اس نے ابتداء کی توفیق بخشی اسی طرح خوبی کے ساتھ انجام پر پہنچایا۔ چنانچہ وہ طبع ہو کر شائع ہوا اور اس وقت آپ کے ہاتھ میں موجود ہے۔ لغزش اور خطا گویا انسان کے خمیر میں داخل ہے اس لئے امید ہے کہ ناظرین اس ناکارہ کو معذور سمجھیں گے اور جہاں غلطی پائیں گے اس سے مطلع فرمائیں گے۔ یہ بھی درخواست ہے کہ جو حضرات اس سے نفع اُٹھائیں اس ناکام و رُوسیاہ کے لئے دُعا فرمادیں کہ مرضات الٰہیہ کی توفیق ہو، رضاء حق نصیب ہو، اور حق تعالےٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی محبت پر خاتمہ کے ساتھ دُنیا چھُوٹے۔

واخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین و الصلوٰۃ
والسلام علیٰ رسولہ سیدنا و شفیعنا محمد وّ
آلہ واصحابہ اجمعین۔ برحمتک یا ارحم الراحمین۔

کمترین خلائق

عاشق الٰہی عفی عنہ

(مولوی فاضل)

مدیر رسالہ "الرشاد" سہارنپور و سابق مہتمم خیر المطابع میرٹھ

۱۰ شوال ۱۳۳۲ھ

ارشاد الملوک (ترجمہ) امداد السّلوک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلوک سے مراد سلوک طریقت سے مراد ہے تہذیب اخلاق کہ بخل وحسد وریا اور کبر وخود نمائی وغیرہ تمام اخلاق ذمیمہ دُور کرکے سخاوت واخلاص وتواضع اور تذلل وعاجزی وغیرہ جملہ اخلاق پسندیدہ حاصل کرے تاکہ وصول الی اللہ کی استعداد حاصل ہو اور طریقت صوفیہ کی اصطلاح میں مقامات ومنازل الی اللہ کے قطع کرنے کو کہتے ہیں اور اس کا پہلا دروازہ شریعت ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ شریعت کا تابع بن کر حق تعالےٰ کی عبادت میں لگن اور پختگی واستقامت کے ساتھ رضاءِ حق کا متلاشی رہنا طریقت کہلاتا ہے۔

ابتدائے طریقت کے معنی اور ابتدائے طریقت یہ ہے کہ شرعی رخصت اور سہولتوں کو چھوڑ کر مستحب اور مستحسن افعال کو اپنے اوپر لازم کرلے (مثلاً نوافل کہ بلاعذر بیٹھ کر پڑھنے کی شریعت نے اجازت دی ہے مگر مستحب یہی ہے کہ کھڑا ہو کر پڑھے۔ پس اہلِ طریقت کو ضروری ہے کہ اولیٰ اور افضل صُورت اختیار کریں۔

نہایت طریقت کے معنی اور نہایت طریقت کے معنی حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بیان کئے ہیں کہ بدایت کی طرف لوٹ آنا طریقت کہلاتا ہے اور حضرت جنید رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کے اس قول کا مطلب بعض نے یہ بیان کیا ہے کہ بدایت سے مراد حق تعالےٰ شانہٗ کی ذات ہے کیونکہ وہی ہر شئے کا مصدر ومبتدا ہے اور وہی مرجع ومنتہا۔ چنانچہ قرآن شریف میں

آیا ہے کہ :

اِلَیْہِ یُرْجَعُ الْاَمْرُ کُلُّہٗ ۔ "اُسی کی جانب لوٹتے ہیں جملہ امور"

نیز فرمایا ہے کہ :

اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ۔ "اُسی کی جانب تم سب لوٹ کر جاؤ گے"

نیز ارشاد ہے کہ :

اِلٰی رَبِّکَ مُنْتَہٰہَا ۔ "اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہر کام کا منتہا تمہارے پروردگار ہی کی طرف ہے۔

پس سالک نے جب بتمامہ اپنی ہدایت یعنی ذات حق سبحانہٗ تعالےٰ کی طرف رجوع کر لیا تو نہایت کو پہنچ گیا۔ اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ مرید جب اپنی ہدایت کی طرف لوٹ جائے گا تو نہایت کو پہنچ جائے گا یعنی ماں کے پیٹ میں جبکہ حق تعالےٰ نے اس کو پیدا کیا۔ صورت عطا فرمائی اور روح پھونکی تو بجز حق تعالےٰ شانہ کے وہاں صورۃً بھی اس کا کوئی نگہبان یا مربّی نہ تھا۔ یہ کمال فقر و احتیاج اور عجز و کمزوری کی حالت میں خدا پر بھروسہ کئے ہوئے تھا۔ خضوع اور تواضع اور تذلل کے ساتھ متصف تھا۔ حسد و کینہ و خود پسندی و تکبر وغیرہ صفات مذمومہ سے بالکل منزہ تھا اور جملہ عیوب سے مبرّا، خودی اور خودی کی نفی تک سے بے خود اور بے خبر تھا۔ پس اسی طرح سالک جب انجام کا اپنی حالت ایسی بنا لے گا جیسی کہ شکم مادر میں ابتدائی حالت تھی تو نہایت کو پہنچ جائے گا اور یہی حالت صوفی کا کمال ہے اور اسی مرتبہ میں کمال عبدیت اور آزادی (از شوائب نفس) حاصل ہوتی ہے۔

مقاماتِ طریقت

طریقت میں بہتیرے مقامات و منازل ہیں اور ہر مقام کے لئے بدایۃ اور نہایت ہے اور بدایت کے درست کئے بغیر نہایت کو پہنچنا محال ہے۔ چنانچہ حضرت جنید رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ کوئی شخص نہایت کو نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ ہدایت کو درست نہ کرے۔ اور بعض صوفیہ نے لکھا ہے کہ وصول یعنی حقیقت و معرفت طریقت کے اصول خراب کر دینے سے ضائع

ہو جاتا ہے اور یہی ارشاد ابوسلیمانؒ دارانی کا بھی ہے (پس ضرور ہے کہ اصول اور ہدایت کو سنوارے تاکہ راستہ کھلے اور وصول حاصل ہو) اور اصول طریقت حسب قول جنید رحمۃ اللہ علیہ پانچ چیزیں ہیں۔ یعنی دن کا روزہ، شب کا قیام، ہر عمل میں اخلاص اور جملہ اعمال میں رعایت و ترتیب اور ہر حالت میں حق تعالےٰ پر توکل و اعتماد۔ سہیل تستری رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے اصول سات چیزیں ہیں۔ کتاب الٰہی کو مضبوط پکڑنا، سنت نبویہ کا اتباع کرنا، اکل حلال، مخلوق کو ایذا پہنچانے سے باز رہنا، گناہوں سے بچنا، توبہ کرنا اور جملہ حقوق کا ادا کرنا۔

علم کی ضرورت

ظاہر ہے کہ صوفیہ کے علوم حالات وکیفیات ہیں اور حالات نتیجہ و ثمرہ ہیں اعمال کے پس جب تک اعمال درست نہ ہوں گے تو حالات کیونکر پیدا ہوں گے۔ اسی لئے صوفیہ نے فرمایا ہے کہ جو شخص درود و وظائف سے محروم ہے وہ واردات وحالات سے بھی بے بہرہ ہے اور ابوسلیمانؒ دارانی کا ارشاد ہے کہ جس عمل سے دُنیا میں حضور قلب وخضوع کی حالت نہ پیدا ہو وہ آخرت میں بھی نافع نہ ہوگا اور چونکہ عمل کی درستی کے لئے علم ضروری ہے خصوصاً علم فقہ کو نماز و روزہ وغیرہ عبادات میں سُنت و فرض اور واجب ومستحب معلوم کرے اور معاملات میں حرام وحلال اور مکروہ کو جانے۔ پس سالک کے لئے لازم ہے کہ عقائد کی تصحیح کے بعد سب سے پہلے جس قدر ممکن ہو مسائل فقہیہ معلوم کرے۔ چنانچہ بعض صوفیہ کا قول ہے کہ عمل بغیر علم کے سقیم و بیمار ہے اور علم بلا عمل کے عقیم و بیکار اور علم مع عمل کے صراط مستقیم و راہ استوار ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ علم کی طلب ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے۔ نیز ایک روایت میں آیا ہے کہ "علم طلب کرو اگرچہ ملک چین میں ہو" اور اس علم سے ظاہر ہے کہ وہی علم مراد ہے جس سے عقائد و ایمان کی تصحیح اور افعال و اعمال کی اصلاح ہو اور ایمان کے سبب قلبی وجوب اور عبادات سے اعضاء وجوارح کا وجوب ادا ہو جائے۔ وہ علم مراد نہیں جو شریعت کے مخالف ہو

اور تضییع اوقات و رسوائی آخرت کا سبب ہے اور ان تمام حقانی علوم کی اصل قرآن مجید ہے۔ کیونکہ قرآن اعتقادات و ایمان و توحید اور معرفت و عبادات و حالات سب کا امام و پیشوا ہے۔ چنانچہ حق تعالےٰ نے فرمایا ہے :۔

وَالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ ھُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ ۔ "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کتاب ہم نے تمہاری جانب وحی کی ہے وہی حق ہے کہ سچا بناتی ہے کُتبِ سابقہ کو"

نیز ارشاد ہے کہ :۔

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ ۔ "اس کا اتباع کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تم کو پہنچا ہے"

اور جناب رسول کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "میں دو چیزیں تم میں ایسی چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر ان کو مضبوط تھامے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ ایک قرآن اور دوسرے اہل بیت"

شیخ کی ضرورت

پس اگر سالک عالم ہوگا تو وہ خود ہی ضروریاتِ دین سے آگاہ ہوگا۔ ورنہ ایسا شیخ ڈھونڈنا چاہیئے جو اس کو اول توحید درست کرنے والے عقائد اور فقہی مسائل تعلیم کرے اور اس کے بعد مجاہدہ اور زہد و تقویٰ کا راستہ دکھائے۔ مثل مشہور ہے کہ جس کا کوئی پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہے۔ سو اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ جس کا کوئی راہنما نہ ہو یعنی نہ ذاتی علم رکھتا ہو کہ خود راستہ دیکھ سکے اور نہ مرشد کامل کی صحبت نصیب ہو کہ وہ راہِ حق دکھادے تو ایسے شخص کو شیطان گمراہ بنادیتا ہے۔ الغرض اس راستہ میں چلنے کے لئے علم کی مشعل کا جس طرح بھی ہو سکے ساتھ لینا ضروری ہے تاکہ بھٹکتا نہ پھرے اور غلطی نہ کھائے کیونکہ علم قلب کا نور ہے اور علم کے بغیر قلب گویا اندھا ہے۔ چنانچہ حق تعالےٰ نے فرمایا ہے :۔

مَنْ کَانَ فِیْ ھٰذِہٖٓ اَعْمٰی فَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ اَعْمٰی وَاَضَلُّ سَبِیْلًا ۔ "جو شخص دُنیا میں (علم سے بے بہرہ رہنے کے سبب راہِ حق سے) اندھا ہے (وہ ہدایت نہ پاسکنے کی وجہ سے) آخرت میں بھی اندھا ہوگا"

بوعلیؒ رودباری نے فرمایا ہے کہ تصوف میں میرے اُستاد حضرت جنید رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ ہیں اور علم فقہ میں حضرت ابو العباس ابن شریح اور نحو میں ثعلب اور حدیث شریف میں ابراہیم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اور نفس کی اصلاح کے لئے بس یہی علوم ضروری ہیں اور اسی لئے صوفیہ کرام نے طلب علم کو تمام اعمال میں افضل قرار دیا ہے۔ کیونکہ عمل کرنا علم ہی پر موقوف ہے اور بسا اوقات بے علم شخص کبھی عقیدے میں غلطی کھاتا اور بدعت کو سنت اور باطل کو حق سمجھ بیٹھتا ہے۔ چنانچہ بہتیرے فرقے داڑھی منڈاتے اور لوہے کے حلقے چوڑیاں یا طوق بنا کر پہنتے ہیں اور دیگر امور قبیحہ کو اپنا طریقہ بنا لیتے اور اس کو وصول الی اللہ کا ذریعہ سمجھے ہوئے ہیں اور کبھی بے علم شخص عمل میں لغزش کھاتا ہے کہ اطاعت اس کی برباد ہو جاتی ہے اور بے علمی کے سبب اس کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ عمل برباد اور محنت ضائع جارہی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ حق تعالےٰ درست اور خالص عمل کو قبول فرماتا ہے اور کوئی عمل جب تک شریعت کے موافق نہ ہو خالص درست نہیں ہوسکتا اور خالص اس عمل کا نام ہے جو خاص حق تعالےٰ کے لئے ہو اور ان تمام باتوں کا جاننا علم ہی پر موقوف ہے کہ شریعت کے موافق ہے یا مخالف اور خالص ہے یا نہیں حق تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۔ "لوگوں کو بجز عبادت اور اخلاص دین کے اور کسی بات کا حکم نہیں کیا گیا"

احکامِ شریعت کسی وقت ساقط نہیں

نیز اُمت کا اس پر اجماع ہے کہ حق تعالےٰ نے جو کچھ قرآن میں بندوں پر فرض فرمایا ہے اور جو کچھ حدیث سے ثبوت کے درجہ پر پہنچ گیا ہے اس کی فرضیت اور وجوب بندوں پر لازم ہے۔ اور عقل و حواس ہوتے ہوئے ولی ہو یا صدیق کیسے ہی مرتبۂ کمال پر کیوں نہ پہنچا ہوا ہو کسی حال میں بھی کسی کو اس سے نہ پیچھے ہٹنا جائز ہے اور نہ کمی بیشی کا کسی کو اختیار ہے اور سالک کسی مقام پر کیوں نہ پہنچے شریعت کا ادب اس سے ساقط نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے زیادہ مرتبہ کس کا ہو سکتا ہے، بایں فضیلت یہ حضرات شریعت کے مکلف رہے پھر دوسروں کا تو کیا

پوچھنا بلکہ بات یہ ہے کہ جتنا کسی کا مرتبہ زیادہ ہوتا ہے، اسی قدر احکامِ شرعیہ کا اس سے مطالبہ بڑھ جاتا ہے اور ان کے چھوڑنے پر مواخذہ و عتابِ خداوندی زیادہ ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ عمل کی درستی صحت علم کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی اور جو اس کے خلاف سمجھا ہُوا ہو وہ بھی اس کے جہل ہی کی خرابی ہے کہ علم کی ضرورت بھی علم کے بغیر سمجھنی دشوار ہے۔ اسی لئے سہیل تستری رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ فرماتے ہیں کہ متکبّر و غافل اور ضعیف دین والے قاری اور جاہل صوفی کی صحبت سے تیر کی طرح بھاگنا چاہیئے کہ ان کے پاس بیٹھنا بھی دینی مضرت سے خالی نہیں ہے۔

علوم مقصودہ یاد رکھو کہ توحید و معرفت اور ایمان علم شریعت کے اصول اور بمنزلہ جڑ کے ہیں اور جملہ عبادات و اعمال اس کی فروع اور شاخیں ہیں، اور احوال و مقامات ان دونوں کے ثمرات اور پھل ہیں اور علم نام ہے اس خبر[۱] یعنی قول رسول یا اثر یعنی قول صحابی کا جو ثقہ راویوں کے واسطہ سے منقول ہے یا فقہ[۲] ائمہ یعنی ان مسائل کا جو حضرات مجتہدین نے استنباط فرمائے ہیں۔ یا علم[۳] کلام کا جس میں اہل ہُوا اور مبتدعین کا رَد اور توحید کا ثبوت مذکور ہے۔ یا حقائق[۴] و حالات اور ماسویٰ اللہ تعالےٰ سے منقطع ہونے کے علم کا اور یہی علم حقائق و حالات تمام علوم میں افضل و اشرف ہے اور یہی سب کا لب لباب اور ثمرۂ مقصودہ ہے۔ اگر کوئی شخص اس علم میں غلطی کھائے تو بجز کامل کے جو اس علم میں پوری دست گاہ رکھتا ہو، کسی دوسرے سے نہ پوچھے کیونکہ تمامی علوم اس علم میں مضمر ہے اور یہ علم اہلِ علم کے سوا کسی کے پاس نہیں مل سکتا کیونکہ یہ معارف و اسرار کا علم ہے اور جو خوش نصیب یہاں تک پہنچ گیا وہ ایک دریائے ناپید اکنار میں داخل ہو گیا اور جس شخص میں چاروں علوم مذکورہ جمع ہوں وہ اپنے زمانے کا قطب اور امام کامل ہے کہ مخلوق کو راہِ حق کی جانب بلانے والا بنتا ہے۔ چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :-

سیظل فی امتی ائمۃ قائمۃ علی الحق لا یضرھم من خالفھم ولا من خذلھم۔

"میری امت میں ہمیشہ ایک گروہ حق پر قائم ایسا رہیگا کہ اُن کی کسی کی مخالفت اور انکی مدد نہ کرنا ان کو نقصان نہ پہنچا سکیگا اور وہ قیامت تک اسی حق پر قائم رہیں گے"۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ زمین حق پر قائم رہنے والوں سے کبھی خالی نہیں رہتی۔ مقدار میں وہ لوگ ضرور کم ہوتے ہیں مگر مرتبہ میں خدا کے نزدیک بہت بزرگ ہیں۔

وصول الی اللہ کا مطلب

غرض سالک کو سب سے اوّل علم حاصل کرنا ضروری ہے، تاکہ اپنے عقائد اور اعمال کو درست کرے اور ہدایت طریقت وسلوک کی ابتداء صحیح ہو اور وصول الی اللہ کے لائق بن جاوے اور وصال و اتصال ماسوی اللہ سے منقطع ہو جانے کا نام ہے اور وصال کا ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ قلب کا حجاب اٹھا دینے کے بعد محبوب حقیقی کا جمال دل کی آنکھوں سے مشاہدہ کرنے لگے اگرچہ دور سے ہُوا سکے بعد ہمت کے موافق مشاہدہ کے دوام کی بدولت ترقی ہوتی رہے گی اور وصال کے بعد بلند مقامات یعنی انس وبسط وغیرہ تک جا پہنچے گا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ایک بار ابوذرؓ صحابی سے فرمایا کہ " اسے ابوذر جانتے بھی ہو کہ جو مسلمان بندہ اپنے مسلمان بھائی کی زیارت کو گھر سے نکلتا ہے، حق تعالیٰ کے ستر ہزار فرشتے اس کے پیچھے چلتے ہیں اور سب کے سب اس کے لئے خدا سے مغفرت مانگتے اور یوں دُعا کرتے ہیں کہ الٰہی جس طرح اس بندہ نے خاص تیرے لئے تیری راہ میں مواصلت اختیار کی ہے اور محض اسلام کی وجہ سے ایک مُسلمان سے ملنے کو نکل کھڑا ہُوا تو بھی اس بندہ کو اپنا واصل بنا لے "۔

پس اس حدیث سے وصال خدا تعالےٰ ہی کا ثبوت مل گیا اور بندہ و حق تعالیٰ میں وصال کے بس یہی معنی ہیں کہ غیر خدا تعالےٰ سے انقطاع حاصل ہو کر حق تعالےٰ شانہٗ میں محویت ہو جائے، نہ جیسا کہ بعض ملحدوں نے سمجھ لیا اور دُنیا کی دو چیزوں کے باہم مل جانے پر خدا تعالےٰ اور بندہ کے اتصال کو قیاس کر کے مرتد بن گئے۔ سو خدا پناہ میں رکھے اتصال حق کو ایسا سمجھنا کفر ہے۔

پس بات یہ ہے کہ جس قدر ماسوے اللہ سے دوری ہو گی اُسی قدر حق تعالیٰ کا قرب حاصل ہو گا، اور جتنا غیر خدا سے انقطاع ہو گا اتنا ہی مرتبہ وصل میں عروج ہو گا۔

طالبِ دین کے لئے اہم نصائح

لہٰذا طالب کو چاہیئے کہ جس مرتبہ پر چڑھے ترقی کا طلب گار رہو اور زیادہ قرب کی کوشش کرے نہ یہ کہ ٹھہر جائے اور طلب ختم کر دے۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

اے برادر بے نہایت درگہے ست　　　ہر چہ بروے میرسی بروے مئیست

نیز یاد رکھنا چاہیئے کہ کسی بندہ کو زیبا نہیں کہ اپنے آپ کو تمام علوم کا واقف سمجھ بیٹھے اور لگے خاصانِ خدا پر گرفت کرنے اور بے علمی کے سبب زبان دراز بن کران کو زندیق اور بدعتی بنائے۔ یہ بڑی غلطی ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے :۔

وَكَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ ۔　　"کفار ایسے کلام کو جھٹلانے لگے جس کے علم کا ابھی تک انھوں نے احاطہ بھی نہیں کیا"

سو جس کلام تک اپنی فہم نہ پہنچے اس کا جھٹلانا جہالت کی علامت ہے۔ نیز قرآن مجید میں ارشاد ہے :۔

وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ۔　　"لوگوں نے جب اس کلام سے ہدایت نہ پائی اور نارسائی فہم کے سبب مطلب تک نہ پہنچے تو اب اس کو اگلوں کی کہانیاں اور جھوٹی باتیں بتانے لگیں گے"

اسی طرح جناب سرورِ دو عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے علوم میں بعض تو عوام و خواص سب کے لئے عام تھے۔ مثلاً اوامر و نواہی کا علم اور احکام شرعیہ کہ فلاں کام کرو اور فلاں نہ کرو اور بعض علوم خواص ہی کے لئے خاص تھے۔ چنانچہ صاحب سر حضرت حذیفہ یمانی رضی اللہ عنہ کو تعلیم ہوئے اور حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے مجھ کو علم کے ستر باب ایسے تعلیم فرمائے ہیں کہ میرے سوا دوسرے کو نہیں بتائے اور بعض علوم خواص کو بھی نہیں بتائے گئے، وہ صرف ذات پاک سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والتحیات ہی کے ساتھ ایسے مخصوص تھے کہ مخلوق میں کسی کو بھی اس کی اطلاع نہیں۔ چنانچہ آپؐ فرماتے ہیں کہ قسم ہے خدائے پاک ذات کی کہ جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم کو معلوم ہو جائے تو ہنسو کم اور روؤ بہت زیادہ اور کبھی بستروں پر اپنی بیبیوں سے لذت نہ حاصل کر سکو اور جنگل و

کوہستان میں نکل پڑو اور دہائی مچاؤ اور فریادیں کرو اور بخدا میں پسند کرتا ہوں کہ کاش درخت ہوتا کہ کاٹ دیا جاتا۔"

غرض جب علوم کے اس قدر مختلف مراتب ہیں تو کیونکر زیبا ہے کہ کوئی شخص اپنے آپ کو جمیع علوم کا حاوی و واقف سمجھنے لگے کیونکہ علوم کی کوئی انتہا نہیں اور ہر صاحبِ علم سے بالا علیم کا ہونا مسلم ہے اور اسی لئے ہر گفتگو میں کلام کرنے والے کو مخاطب کی رعایت کرنی ضرور ہے کہ ایسی بات نہ کہے جو مخالف کی سمجھ سے باہر ہو اور اسی طرح سُننے والے پر لازم ہے کہ بات کہنے والے کو خطا دار ٹھہرانے میں جلدی نہ کرے بلکہ بھلا گمان کرے اور یوں سمجھئے کہ ممکن ہے میری فہم کا قصور ہو اور میں اس کا واقعی مطلب نہ سمجھ سکا ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سالک کو شیخ کی ضرورت اور شیخ طریقت کی شرائط

فصل ۲

جاننا چاہیئے کہ سالک کے لئے شیخ کامل کا ہونا نہایت ضروری ہے تاکہ اس کے راستہ کا رفیق بنے اور اس کو اونچ نیچ سمجھاتا رہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ ۔ "اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو اور اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔"

اور جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

ان اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم ۔ "میرے صحابی ستاروں کی مثل ہیں جس کی بھی تم پیروی کرلوگے راستہ پالوگے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ راہ یابی کے لئے کسی اہلِ حق کو مقتدا بنانا ضروری ہے تاکہ اس کی پیروی سے منزلِ مقصود تک رسائی ہو۔ امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں جناب رسول اللہؐ سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا:۔

ان الشیخ فی جماعتہ کالنبی فی امتہ ۔ "شیخ اپنی جماعت میں ایسا ہے جیسا نبی اپنی اُمت میں۔"

لہ وَفَوْقَ کُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ ۔

اس کا مطلب یہی ہے کہ شیخ کامل نائب بن کر نبوت کی خدمت انجام دیتا اور اپنی جماعت کو راہِ حق دکھاتا اور گمراہی سے ڈراتا رہتا ہے اور اس طرح پر انبیاء کے مثل لوگوں کی نجات کا وسیلہ بنتا ہے۔ نیز امام غزالی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ فرماتے ہیں کہ شیخ کی یہ عظمت کچھ ٹھاپے اور قوت و تمول کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ثمرہ عقل و فہم اور طریق نجات میں تجربہ کار ہونے کے سبب سے ہے اور اسی لئے شریف النسب ہی نہیں بلکہ بتھیرے وہ غریب و نادار اور وہ پیشہ ور جن کو لوگ نظرِ حقارت سے دیکھتے ہیں باعزت مشائخ بن چکے ہیں۔ پس شیخ کسی صورت شکل کا اور کسی ذات یا قوم کا کیوں نہ ہو، مگر وہ ہونا چاہیئے جو طریقِ حق پر چل رہا ہو اور راستہ کے خطروں اور اندیشوں سے آگاہ ہو تاکہ اپنے مریدوں کو ان کے نفع و نقصان سے مطلع کرتا اور ان کو جتاتا رہے کہ طریقت کی کسوٹی قرآن و سنت اور اجماع اُمت ہے کہ جو طریقہ اس معیار پر چسپاں ہو کر کھرا ثابت ہو وہ مقبول ہے ورنہ مردود و مطرود۔ سوایسے شخص کی بیعت کے نفع کا تو کیا پوچھنا صحبت بھی نعمت ہے اور اس نیکوکار ہم نشین سے کم نہیں جس کے متعلق جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا ہے کہ صالح ہم نشین کی مثال عطر فروش کی سی ہے کہ عطر نہ بھی دے گا تب بھی اس کی خوشبو سے بہرہ یابی ضرور ہو گی۔ اور بد دین ہمیشہ ایسا ہے جیسے لوہار کہ اگر آگ بدن اور کپڑے کو نہ بھی جلائے گی تب بھی دھوئیں کی بدبو دماغ ضرور پریشان کر دے گی۔

شیخ کامل کی تلاش

البتہ مرید ہونے والے پر لازم ہے کہ شیخ کامل کی تلاش میں پوری کوشش کرے اور خوب جانچے کہ یہ شیخ، شیخ بنانے کے لائق ہے یا نہیں؟ کیونکہ بتھیرے طالب اس راستہ میں بددینوں کا اتباع کر کے ہلاک ہو چکے ہیں۔ بلکہ سچ پوچھو تو اس راستہ میں اکثر بربادی صرف اسی کی بدولت آتی ہے کہ شیخ کامل کی تلاش پوری نہیں کرتے۔ حق تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں چلے جائیں گے تو شیطان پکار کرے گا:

اِنَّ اللّٰہَ وَعَدَکُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّکُمْ فَاَخْلَفْتُکُمْ فَلَا تَلُوْمُوْنِیْ وَلُوْمُوْٓا

"اے لوگو! اللہ تعالےٰ نے تم سے ایک وعدہ کیا تھا کہ نیک کام کرو گے تو جنت ملے گی اور

اَنۡفُسَكُمۡ ۔ رسولوں کا کہنا نہ مانوگے تو جہنّم میں جاؤگے، اور

ایک جھوٹا وعدہ تم سے مَیں نے بھی کیا تھا (کہ قید شریعت سے آزاد ہوگے تو مزہ میں رہوگے اور حشر و حساب و کتاب کے قصّوں میں پڑوگے تو مفلس و نادار اور ذلیل و خوار بنوگے) سو مَیں نے اپنے وعدہ کے درست ہونے پر تمہارے سامنے کوئی سچّی دلیل پیش نہیں کی تھی اور بجز بلانے کے اپنے اتباع پر تم کو مجبور نہیں کیا تھا، سو تم نے میری جھوٹی پکار کو قبول کیا اور برضا و رغبت میرے پیچھے لگ گئے جس کا نتیجہ آج بھگت رہے ہو۔ پس مجھے کیوں ملامت کرتے ہو اپنے آپ کو ملامت کرو کہ وعدۂ برحق سے تم ہی نے مُنہ پھیرا تھا۔"

(اس سے معلوم ہُوا کہ بہتیروں نے راہ یابی میں دھوکہ کھایا اور قابلِ اتباع شیخ کی تلاش میں کوتاہی کی بدولت انسان صورت شیطان کے پیچھے لگ گئے جس کی ندامت قیامت کے دن اُٹھانی پڑی اور اس وقت ندامت سے بجز پریشانی و افسوس کے کچھ نفع نہیں) اور جناب رسول اللہ صلّی اللہ تعالےٰ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی کا ظاہری اسلام تم کو مسرور نہ بنائے جب تک اس کی قلبی حالت اور عقیدہ سے پوری واقفیت حاصل نہ کرلو۔"

(اس سے معلوم ہُوا کہ حقانیت کا مدار اصلاحِ عقائد پر ہے اور خدا تعالےٰ کے نزدیک قلب کی بھلی بُری حالت کا اعتبار ہے سو جس کا دل گندہ ہُوا اسکی عبادت و مجاہدہ کی ظاہری حالت کیسی ہی عمدہ کیوں نہ ہو خدا تعالےٰ کو پسندیدہ نہیں اور نہ اس کے اتباع سے راہ یابی کی امید رکھنی چاہیئے۔

پس اچھی طرح سُن لو کہ تمام انبیاء علیہم السّلام کی عموماً اور حضرت سیدالمرسلین صلّی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت خصوصاً فرض ہے اور جملہ انبیاء علیہم السلام اصولِ دین یعنی معرفت ذات و صفات باری تعالےٰ اور رسل و ملائکہ و امور آخرت وغیرہ میں بالکل متفق ہیں ذرّہ برابر ان باتوں میں کسی کا اختلاف نہیں اور نسخ صرف احکام اور اعمال کے متعلق ہُوا ہے کہ شریعتِ محمدیہ نے گذشتہ انبیاءؑ کی شریعتوں کے احکام منسوخ کر دیئے۔ مثلاً پہلی شریعت میں پچاس نمازیں فرض تھیں اور شریعتِ محمدیہ میں صرف پانچ فرض ہیں۔ عقائد میں نسخ

نہیں ہوا (کیونکہ عقائد سب کے ایک ہیں) اور اُمتِ محمدیہ کے ائمہ مجتہدین کا باہم اختلاف بھی فروعی جزئیات میں ہے اصول میں نہیں (کیونکہ چاروں حضرات میں عقائد کے علاوہ اعمالِ شرعیہ کے اصول بھی متحد ہیں کہ پانچ نمازیں سب کے نزدیک فرض ہیں۔ اگر اختلاف ہے تو جزئی فرع میں کہ کسی کے نزدیک تکبیرات میں رفع یدین سُنت ہے اور کسی کے نزدیک نہیں اور جس نے اصول میں غلطی کی وہ مبتدع اور گمراہ ہوگیا اور اس گمراہی سے نجات ملنا کتاب و سنت اور اجماع امت کا اتباع کئے بغیر ناممکن ہے اور فرع میں اختلاف ہونا تو موجبِ رحمت اور امت پر وسعت ہے (کہ جس پر عمل کر لیا عند اللہ صحیح اور معتبر ہوگیا) چنانچہ مجتہدین کے لئے بلسان پیغمبر علیہم السلام اجتہادی غلطی پر بھی ایک ثواب کا وعدہ ہے اور اگر اجتہاد سے وہ حکم نکل آیا جو عند اللہ صواب اور حق ہے تب تو دوہرا اجر ملے گا۔ پس جس شیخ کا یہ مذہب ہو اور اجماعِ اُمت و کتاب و سُنت کے موافق عقائد رکھتا ہو اور بایں ہمہ طریقت و حقیقت کے علم کا بھی ماہر ہو وہ بے شک شیخ بنانے کے قابل ہے اور مبتدی طالب کو اس کی حقانیت اور مہارت کا حال اُس کے مریدوں کے حالات اور ہم عصر ثقہ و دیندار لوگوں کی زبانوں سے دریافت **کرنا چاہیئے** (کہ اس کے مریدوں کے دین کی پختگی اور اتباعِ شریعت میں کیا حالت ہے اور صلحاء زمانہ اس کے متعلق کیا کہتے ہیں)۔

سو اگر علماءِ وقت اس پر معترض نہ ہوں بلکہ بعض اہلِ علم اور سمجھدار صلحاء اور بوڑھے جوان اہلِ دانش اس سے فیض بھی حاصل کرتے ہوں، دینی محبت رکھتے ہوں اور طریقت و حقیقت میں مستند تسلیم کرتے ہوں تو سمجھ لینا چاہیئے کہ درحقیقت وہ راہِ حق کا ماہر ہے (پس اس کا دامن پکڑ لینا چاہیئے) اور جب اس سے بیعت کرلے تو دل سے اس کا فرمانبردار بن جانا اور توحید مطلب کے ساتھ اس کی اطاعت کا حلقہ کان میں پہن لینا چاہیئے۔

توحید مطلب | توحید مطلب اس کو کہتے ہیں کہ اپنے شیخ کے متعلق اس کا یقین رکھے کہ دُنیا میں اس کے علاوہ مجھ کو مطلوب تک کوئی نہیں پہنچا سکتا

اور گو اس زمانے میں دوسرے مشائخ بھی ہوں اور انہی اوصافِ کاملہ سے متصف بھی ہوں، مگر میرا منزلِ مقصود پر پہنچنا اسی ایک کی بدولت ہو گا۔ سو توحید مطلب سلوک کا بڑا رکن ہے اور جس کو یہ حاصل نہ ہو گا وہ پراگندہ و پریشان اور ہرجائی بنا پھرے گا۔ اور کسی جنگل میں بھٹکتا ہوا کیوں نہ ہلاک ہو جائے حق تعالےٰ کو بھی اس کی مطلق پرواہ نہ ہو گی۔ پس مشائخ زمانہ میں ہر شخص کے متعلق یہ سمجھنا کہ یہ بھی میری پیاس بجھا کر مطلب تک پہنچا سکتا ہے سلوک کے لئے مضر ہے، بلکہ جس طرح حق ایک اور قبلہ ایک ہے اسی طرح راہبر شیخ بھی ایک ہی کو سمجھے ورنہ بربادی کے سوائے کچھ حاصل نہ ہو گا اور اسی پراگندگی میں بہتیرے تباہ ہو گئے ہیں۔ سو اگر اس کا وسوسہ بھی آیا کہ عالم میں اس شیخ کے علاوہ کوئی دوسرا بھی مجھ کو مطلب پر پہنچا سکتا ہے تو ضرور شیطان اس پر قبضہ جمائے گا اور لغزش میں ڈال دے گا۔

اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ شیطان کسی پیر کی صورت بن کر آئے گا اور (چونکہ اس کا ضعیف قلب ہر شیخ کی طرف راہبری کا یقین کر لیتا ہے اس لئے شیطان کو پیر بنا ہوا دیکھ کر اس کی طرف بھی جھکے گا اور وہ اس پر اپنا رنگ جما کر ایسا تسلط کر لے گا کہ پھر چھٹکارا مشکل ہے) غرض اس کو تباہ کر دے گا اور ایسے شعبدے دکھلائے گا کہ اس کا عقیدہ باطل پر جما دے گا۔ اور چونکہ توحید مطلب حاصل ہونے پر شیطان کو راہ نہیں ملتی اور وہ اس کے شیخ کی صورت بن نہیں سکتا۔ کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "شیخ اپنے مریدوں میں ایسا ہے جیسے نبی اپنی اُمت میں"۔ اس کے علاوہ آپؐ نے اپنی اُمت کے علماء کو بنی اسرائیل کے انبیاء کے مثل فرمایا ہے پس شیطان لعین جس طرح جناب رسالت مآب صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی شکل نہیں بن سکتا چنانچہ آپؐ فرماتے ہیں:-

من رانی فقد رانی فان الشیطان لا یتمثل بی۔ "جس شخص نے خواب میں مجھے دیکھا اس نے واقعی مجھ ہی کو دیکھا کیونکہ شیطان میری شکل ہرگز نہیں بنا سکتا۔"

اسی طرح شیطان متبع شریعت محمدیہ شیخ کی صورت بھی نہیں بنا سکتا۔ پس مرید محفوظ رہتا

اور امن کے ساتھ مقامات و منازل طے کرتا رہتا ہے۔

چار باتیں وصول الی اللہ کی رکن ہیں

اسی لئے صوفیہ نے فرمایا ہے کہ چار باتیں وصول الی اللہ کی رکن ہیں۔ اوّلؔ دینِ حق میں عبرت (کہ دینداروں کی اچھی حالت دیکھ کر حرص کرے اور بد دینوں کی ردی حالت پر متاسف ہو کر اپنے حال کا شکر گزار ہو) دوؔم مکاشفات و تجلیات کے مشاہدوں کے وقت عالی حوصلگی (کہ اگر صفائے قلب اور ذکر و شغل کے اثر سے ماضی یا مستقبل کے واقعات یا بعید مقام کے حالات منکشف ہونے لگیں یا حالات و کیفیات کے درجہ میں مختلف نورانی صورتیں نظر آنے لگیں تو ان کو مقصود نہ سمجھ بیٹھے اور کم ہمت بن کر یہیں اپنی طلب کو ختم نہ کر دے بلکہ رضائے حق اور وصول و قرب ذات کو مطلوب حقیقی سمجھے اور آگے بڑھنے پر بدستور ہمت باندھے رہے) سوؔم ہمت کی حفاظت (کہ طلب مقصود میں ہمت نہ ہارے اور وصول میں دیر لگنے کی وجہ سے اُکتا کر کام کبھی نہ چھوڑے) چہارؔم شیخ کا احترام و برادرانِ طریقت پر شفقت، جس کا یہ مطلب ہے کہ بڑوں کی توقیر کرے اور چھوٹوں پر مہربانی و ترحم اور یہ باتیں کامل ایمان والوں ہی کو نصیب ہوتی ہیں ناقصوں کو نصیب نہیں ہوتیں۔

مزید نصائح

مرید کو چاہیئے کہ صادق ہو یعنی ظاہر و باطن اور خلوت و جلوت میں خدا تعالےٰ کے ساتھ معاملہ درست رکھے اور ہر حال میں حق کا طلب گار رہے۔ بدنؔ، عقلؔ، نفسؔ، سرؔ، قلبؔ اور روحؔ سب میں اخلاص کی شان ہو کہ سارے حرکات و سکنات اور تمام افعال و اقوال خدا تعالےٰ ہی کے لئے ہوں۔ بس ان دونوں شرطوں یعنی صدق و اخلاص کے حاصل ہو جانے پر قوی امید ہے کہ معرفت وصول حاصل ہو۔ چنانچہ حضرت ابو دردا رضؓ روایت کرتے ہیں کہ فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حق تعالےٰ فرماتا ہے:-

من طلبنی فقد وجدنی و من طلب غیری فلم یجدنی -

"جس نے مجھ کو طلب کیا تو پالیا اور جس نے میرے سوا غیر کو طلب کیا وہ مجھے نہیں پاتا۔"

اسی حدیث کی وجہ سے طالبوں اور عاشقوں کو بہت کچھ امید بندھ گئی ہے کیونکہ حق تعالےٰ نے طلب کو اپنی ذات پاک کی طرف منسوب فرمایا ہے (جس سے پتہ چلتا ہے کہ وصول ذات متوقع ہے) البتہ اخلاق اور صدق اور پختہ و کامل ارادہ ہونا شرط ہے۔ چنانچہ صوفیہ کرام رحمہم اللہ نے فرمایا ہے کہ توحید کامل یہ ہے کہ بجز خدا کے نہ کسی کا ذکر کرے نہ بجز اس کے دوسرے کا علم ہو نہ سمجھ ہو اور نہ اس کے سوا کسی کو محبوب سمجھے اور خدائے تعالےٰ کی محبت اس کی ذاتِ پاک کے واسطے ہو، یعنی نہ جنت کی طمع ہو نہ دوزخ کے خوف سے (بلکہ اس وجہ سے ہو کہ اس کی ذات خود ہی محبوب بننے کی مستحق ہے) اور یہ جو حق تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ مومنین کی شان یہ ہے کہ وہ رحمت الٰہی کی امید رکھتے اور عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں تو یہ عام مسلمانوں کی حالت بیان فرمائی ہے کہ کیا تم نے قرآن مجید میں دیکھا نہیں کی خواص کی حالت اس طرح بیان کی گئی ہے کہ "وہ پیغام ہائے خداوندی مخلوق کو پہنچاتے اور خدا تعالےٰ سے ڈرتے ہیں اور بجز اس کے کسی چیز سے بھی ہراساں نہیں ہوتے" نیز ارشاد فرمایا ہے کہ وہ خدا تعالےٰ کو دوست رکھتے ہیں اور خدا تعالےٰ ان کو دوست رکھتا ہے"۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے اس طرح دعا مانگی ہے کہ یا اللہ! میں تجھ سے تیری پناہ چاہتا ہوں" اور ایسی مثالیں قرآن مجید و احادیث میں بکثرت ہیں جن سے صوفیہ کا مطلب بخوبی ثابت ہوتا ہے (کہ دوزخ و جنت ہی طمع کی چیز نہیں بلکہ ذات بحت حق تعالےٰ شانہٗ کی مستحق ہے کہ فی حد ذات محبوب ہو اور اسی سے ڈرا جائے) نیز مرید کو یقین کے ساتھ یہ جاننا چاہیئے کہ شیخ کی روح کسی خاص جگہ میں مقید و محدود نہیں ہے۔ پس مرید جہاں بھی ہوگا خواہ قریب ہو یا بعید تو گو شیخ کے جسم[1] سے دور ہے لیکن اس کی روحانیت سے دور نہیں۔ جب اس مضمون کو پختگی سے جانے رہیگا

---

[1] اس سے نداءِ غائب کے جواز کا شبہ نہ کیا جائے کیونکہ پکارنے اور آواز کے سننے کو تعلق ہے کانوں سے جو حصّہ ہے جسم کا پس جب بدن دور ہے تو روحانیت کے قرب سے ندا جائز نہ ہوگی۔ ۱۲ منہ

اور ہر وقت شیخ کو یاد رکھے گا تو ربط قلب پیدا ہو جائے گا اور ہر دم استفادہ ہوتا رہے گا اور مرید کو جب کسی واقعہ کے کھولنے میں شیخ کی حاجت پیش آئے گی تو شیخ کو اپنے قلب میں حاضر مان کر بزبانِ حال[1] سوال کرے گا اور ضرور شیخ کی روح باذن خداوندی اس کو القا کر دے گی۔ البتہ ربط تام شرط ہے اور شیخ کے قلب سے ربط ہی کے سبب اس کے قلب میں گویائی پیدا ہو گی اور حق تعالے کی طرف راستہ کھل جائے گا اور حق تعالے اس کو ملہم بنا دے گا جس کو شریعت میں محدث کہتے ہیں (کہ حق تعالے اس کے قلب میں امرِ حق القاء فرما دے اور کام کا حسن انجام اس طرح دل میں پڑ جائے گویا کوئی کہنے والا کہہ گیا اور اس نے کانوں سے سن کر سمجھ لیا) چنانچہ حضرت صلی اللہ تعالے علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ گذشتہ امتوں میں محدث ہوئے ہیں۔ اگر اس امت میں کوئی محدث ہے تو عمرؓ ہے"۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالے عنہ کے قلب کو سرور عالم صلی اللہ تعالے علیہ وسلم کے قلب منور کے ساتھ کمال ربط پیدا ہو جانے کی وجہ سے حق تعالے کی طرف سے الہام اور امرِ حق کا القاء ہوتا تھا اور یہی وجہ ہے کہ ان کی رائے کے موافق بارہا وحی نازل ہوئی اور ایسے واقعات جن میں ان کی رائے نے موافقت کی ہے اٹھارہ سے زیادہ مروی ہیں۔ واللہ اعلم۔

شیخ طریقت کی صفات

الحاصل شیخ طریقت وہ ہونا چاہیئے جو دین اور شریعت کو مریدوں کے قلوب میں راست و پیوست کر سکے اور شیخ بننا بغیر اس کے ممکن نہیں کہ سلوک طریق اختیار کیا ہو تاکہ برے بھلے کو دیکھ بھال چکا اور فائدہ مند و ضرر رساں امور کو سمجھا بوجھا ہو۔ اور مجذوب اگرچہ مطلوب تک پہنچا ہوا ہوتا ہے مگر چونکہ راستہ سے آفتوں سے انجان اور راہ کی بلاؤں سے بے خبر ہوتا ہے۔ اس لئے

---

[1] یہ علاج و تدبیر ہے ربط قلب کے حصول کی جو وسیلہ ہے وصول الی اللہ کا۔ پس یہ لازم نہیں آتا کہ حقیقت میں شیخ ایک وقت میں متعدد جگہ موجود ہو، بلکہ شیخ کو اس کی خبر بھی نہیں ہوتی اور حق تعالیٰ مرید کے حسن عقیدہ کی بناء پر کرم فرما کر ہدایت و الہام کا پیام و کلام شیخ کی صورت میں القاء فرما دیتا ہے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ مشہور ہے کہ یعقوب علیہ السلام کی صورت میں برہانِ رب پہنچی ۔ ۱۲

شیخ بنانے جانے کے قابل نہیں۔ کیونکہ راستہ قطع کرانا اور راہبری اس سے ہو نہیں سکتی۔

شیخ میں جن شرائط کا پایا جانا ضروری ہے وہ یہ ہیں، کہ قرآن وحدیث کا عالم ہو اور عالم ہی ہونا نہیں بلکہ صفات کمال سے متصف ہو، دنیا اور جاہ و مال کی محبت سے روگرداں ہو ایسے مشائخ ربانیین سے طریقت حاصل کئے ہوئے ہو جن کا سلسلہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم تک مسلسل ہو، اپنے شیخ کے حکم کے موافق ریاضت و مجاہدہ کر چکا ہو کہ گفتگو کھانا، سونا اور مخلوق سے ملنا جلنا کم اور صدقہ وسکوت و نماز روزہ میں کثرت رکھ چکا ہو۔ مکارم اخلاق اور حسن ادب مثلاً صبر، شکر، توکل، یقین، سخاوت، قناعت، بردباری تواضع اور آخرت پر کفایت، صدق، اخلاص، حیا، وقار، سکون، کام کو سوچ سمجھ کر کرنا اور جاہ و مال وغیرہ کو خیر باد کہہ دینا اس کی خصلت بن چکے ہوں، مشعلِ نبوت کی روشنیاں اپنے اندر پیدا کر کے جملہ اخلاقِ ذمیمہ تکبر و خود پسندی و بخل و حسد و کینہ و حرص و امل و خفیف الحرکاتی وغیرہ کو مضمحل بنا چکا ہو، بے تکلف مجاہدہ و ریاضت کی صورت تجلیات کے ساتھ حلاوت و لذت پانے کے سبب اُس کے چہرہ پر چمک رہی ہو، مشاہدہ اور کمالات کے انوار دمک رہے ہوں اور نور قلب کی وجہ سے اس کا شرح صدر ہو چکا ہو۔ دُنیا اور اہلِ دُنیا سے خلوت اختیار کر کے دریائے جلال سے سیراب ہُوا ہو اور جملہ علل و قیود سے آزاد ہو کر مقامِ احسان میں پہنچ کر بزبانِ حال یوں کہہ رہا ہو کہ جس معبود کو مَیں دیکھتا نہیں اس کو عبادت کے قابل نہیں سمجھتا۔

چنانچہ دعیلؓ یمانی نے حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے پوچھا کہ اے علیؓ! کیا تم اپنے رب کو دیکھتے ہو؟ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ رب کو دیکھوں نہیں تو اس کی عبادت بھی نہ کروں۔ دعیلؓ نے کہا کس طرح دیکھتے ہو؟ فرمایا کہ اے دعیل اس کو ظاہری آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں۔ البتہ دل کی آنکھیں صدق وایمان کے ساتھ دیکھتی ہیں۔ نیز وہ شیخ مجاہدہ و ریاضت کے بعد ظاہری محنت سے نکل کر راحت و وصال تک پہنچ گیا ہو (کہ اب اس کو عبادت میں بجائے مشقت کے لذت آنے لگے) اور مشقت کی تلخی سے گزر کر حالات کی حلاوت چکھ چکا

ہو، فضلِ خاص کی نسیم سے آرام پاتا ہو۔ لامکان کے مقام وسیع میں قرب کی خوشبوؤں سے مانوس ہو، مشاہدات کا دروازہ اس پر کھل چکا ہو۔ اپنے دردِ ہجر کی دوا پا چکا ہو۔ اپنے سینہ کے ظرف کو (لبریز ہو جانے کی وجہ سے) اٹھالیا ہو۔ حکمت و دانشمندی کی باتیں اس سے سرزد ہوتی ہوں۔ مخلوق کے دل اس کی طرف جھکتے ہوں۔ بظاہر خلوت میں ہو اور باطن میں جلوت کے اندر مشاہدہ میں مستغرق ہو، جلوت میں اس کو خلوت میسّر ہو۔ مغلوب الحال نہ ہو شطحیات (یعنی ایسی باتیں جو غلبۂ حال و مستی میں بے اختیار نکل جاتی ہیں جو بظاہر خلافِ شرع ہیں)۔ اس کی زبان سے نہ نکلتی ہوں، اپنی فراست سے دوسروں کی استعداد و قابلیتوں کو جان سکتا ہو اور اس کے مرتبہ و مقام کو کوئی نہ پہچان سکتا ہو۔

پس وہ شخص شیخ بنائے جانے کے قابل ہے کیونکہ محبین کا طریقہ اور مقربین کی حالت نیکوکار ابرار کے اعمال کی بدولت اس کو عطا ہوئی ہے اور کبھی اس شیخ کے خلیفہ بھی ہوتے ہیں کہ اس کا علم ان میں منتقل ہوتا اور ان خلفاء کے واسطہ سے اس کے طریقہ میں برکت رہتی ہے اور قلب کی نرمی کی طرح اس شیخ میں جلد کی نرمی بھی نمودار ہوتی ہے اور یہ اس کی علامت ہے کہ قلب کی طرح اس کے بدن نے بھی اعمال کو قبول کر لیا ہے اور یہی محبت خاصہ کے کمال کا باعث ہے کہ حق تعالیٰ اس کو ترقی بخشتا اور تمام اغیار سے انقطاع تام عطا فرما کر اپنا واصل بنا لیتا ہے۔ خود حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "بدن کی کھالیں دلوں کی طرح نرم بن جاتی ہیں" اور یہ محبوبین کا حال ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:۔

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ۔

"حق تعالیٰ نے سب سے بہتر کتاب نازل فرمائی جسکے الفاظ باہم ایک دوسرے کے مشابہ اور مکرر ہیں کہ اسکی وجہ سے خدا ترسوں کے بدنوں کی کھال پر رُوئیں کھڑے ہو جاتے ہیں پھر ان کے دل اور جلد نرم بن جاتے ہیں اور آرام پاتے ہیں اللہ کی یاد سے۔"

شیخ کا اصطلاحی عالم ہونا ضروری نہیں

نیز جاننا چاہیئے کہ شیخ کا جملہ علوم پر حاوی ہونا شرط نہیں ہے بلکہ عبادات

میں فرائض وسنن ونوافل کی مقدار، محرمات وممنوعات کی اقسام اور جائز و ناجائز کی تمیز کے قابل علم کافی ہے اور طریقت میں واجب ہے کہ سالکین طریقت کی جملہ بیماریوں کے معالجات اور مجاہدہ وریاضت کے طرز سے واقف ہو کہ ہر شخص کو اس کی استعداد کے مناسب تعلیم دے سکے اور شیخ کا دانشمند ہونا ضروری ہے۔ تاکہ مریدوں کے مزاج وطبیعت اور ان کے اخلاق ذمیمہ وعیوب کی کیفیات کا پتہ چلا سکے۔ ان علوم ومعارف میں جن کی مریدوں کو سلوک طریقت میں ضرورت پیش آتی ہے مہارت رکھتا ہو۔ حقیقت، مقامات، منازل، تلوینات، تمکینات اور منافع ومضار سے ضرور آگاہ ہو، مکاشفات معائنات اور مشاہدات سے گزر کر فناء الفناء اور بقاء البقاء سے پیوست ہو عظمت وکبریاء اور وحدانیت وفردیت کی معرفت کا جامع ہو تاکہ سالکین کی تربیت اور مریدوں کو ارشاد وہدایت کر سکے اور پیر بننے کے قابل ہو سکے۔ چنانچہ حق تعالےٰ کا ارشاد ہے :۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۔

"کہدو اے محمدؐ یہ ہے میرا راستہ، میں تم کو وصف بصیرت و مشاہدہ ورویتہ قلبی وتصدیق ایمانی کے ہوتے ہوئے اللہ کی طرف بلا رہا ہوں اور اسی طرح میرے تابعین بھی بصیرت و مشاہدہ کیساتھ (لوگوں کو دین وایمان کی طرف) بلاتے ہیں"۔

(اس سے معلوم ہوا کہ مشائخ کو جو تابع ہیں رسول اللہ صلّی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کے بصیرت یعنی وحدانیت وعظمت خداوندی کی معرفت تامہ ضرور حاصل ہوتی ہے ورنہ نیابت رسالت کی خدمت کا انجام دینا اور رُشد وہدایت کی طرف بُلانا مخلوق کا بلانا صحیح نہیں ہو سکتا۔)

نیز شیخ کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ کریم ومہربان اور صابر وبُردبار ہو کہ سخت رو نہ ہو، ترش مزاج نہ ہو۔ اس کی گفتگو تلخ نہ ہو، کج خلق نہ ہو، نہ کوچہ گرد اور سیرانی ہی ہو کہ (فضول سیر وسیاحت کرتا پھرے) نہ دُنیا پرست ہو، نہ زینت وجاہ کا طلب گار ہو نہ مریدوں کی کثرت کا خواہش مند ہو اور نہ مغلوب الحال ہو کہ خلافِ شرع الفاظ زبان

سے نکالتا پھرے (کیونکہ ایسا شخص اگرچہ غلبۂ حال کے سبب خود معذور ہو گا، مگر پیر بنائے جانے کے قابل نہ ہو گا) نیز چاہیئے کہ اپنے مریدوں کے حال پر ایسا شفیق ہو کہ جیسے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم اپنے صحابہ پر شفیق تھے۔ چنانچہ حق تعالےٰ فرماتا ہے کہ :-

لَقَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ الرَّحِيْمٌ۔

"وہ بیشک تمہارے پاس پیغمبر آیا جو تم ہی میں سے (ایک بشر) ہے کہ اس پر گراں ہیں وہ باتیں جو تم پر گراں اور سخت ہیں اور وہ ان پر (آسانی و نعمتِ خداوندی کے نزول) کا حریص ہے اور مہربان و رحم کرنے والا ہے"

پس جب شیخ میں یہ اوصاف موجود ہوں گے اور وہ اخلاق نبویؐ سے متصف ہو گا تو بے شک مریدوں کی تربیت کے بارے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا جانشین ہو گا اور جس طرح حق تعالےٰ نے حضرت موسےٰ و خضر علیہما السّلام کا قصہ نقل فرمایا ہے کہ حضرت موسےٰ علیہ السّلام نے (ایک خاص قسم کی) ارشد و ہدایت سیکھنے کے لئے خضر علیہ السّلام کی معیّت چاہی اور خضر علیہ السّلام نے جواب دیا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہ کر سکیں گے (کیونکہ جو علم مجھ کو دیا گیا ہے وہ احکام قضاء و قدر کا اجراء اور اس کی مخفی حکمتوں اور مصلحتوں کا علم ہے جس کو احکام شرعیہ کا عالم شخص ان پر آگاہ نہ ہونے کے سبب ضبط نہیں کر سکتا کیونکہ بظاہر خلاف شرع ہونا ان کا ممکن ہے) قصہ مختصر موسیٰ علیہ السّلام نے ضبط کا وعدہ فرما کر ہمراہی اختیار کی لیکن ضبط نہ کر سکے اور اعتراض کیا۔ آخر تیسری بار میں تفریق کی نوبت آگئی۔ جیسا کہ مفصّل حال سورۂ کہف میں مذکور ہے۔ اسی طرح مریدوں کو اپنے شیخ کا ایسا اتباع کرنا چاہیئے کہ اس پر اعتراض نہ کرے اور ادب و تعمیل حکم شیخ کو فرض سمجھے کسی طرح بھی انحراف کرنا مناسب نہیں۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السّلام تو پیغمبر و صاحب شریعت ہونے کی وجہ سے افضل تھے، محض طبعی شوق سے ایک غیر ضروری علم سیکھنے کو خضر علیہ السّلام کے ساتھ رہنے کے خواہاں ہوئے تھے تو اعتراض کرنے کی وجہ سے گو گناہگار نہیں ہوئے مگر اس علم سے تو ناکام رہے۔ پھر کیا پوچھنا مرید کا کہ جاہل ہو کر

راہبر شیخ کا دامن پکڑا اور ضروری علم یعنی معرفت خداوندی حاصل کرنے کے لئے اپنے سے افضل و اعلیٰ کی معیت اختیار کی۔ پس اگر اعتراض کرے گا تو محروم رہ کر خسارہ ہی خسارہ اٹھائے گا۔ واللہ اعلم۔

فصل ۳

طریق سلوک جب طالب صادق کو سلوک کا شوق پیدا ہو تو سب سے پہلے اس کو ایسا شیخ تلاش کرنا چاہیئے جس کے صفات اُوپر بیان کئے گئے ہیں تاکہ وہ اس کے مناسب حال ذکر کی اس کو تعلیم دے۔ اس کے بعد اس شیخ کے حکم کے موافق اس ذکر پر پابندی کرنی چاہیئے۔ یہاں تک کہ ذکر کی حرارت اس کے وجود پر حاوی ہو جائے اور یہ دوسروں کو تلقین کرنے کا اہل اور خرقۂ تصوف حاصل کرنے کے لائق اور حق تعالےٰ کے فضل سے صوفی بن جاوے۔ پس مبتدی کے لئے مناسب ہے کہ سب سے اہم ذکر یعنی نفی اثبات کو بالجہر یا بالسر جس طرح بھی شیخ نے تبلایا ہے ہمیشہ اس طریق سے کیا کرے کہ لَآ اِلٰہَ سے ہر خیر و شر کی نفی کا دھیان کرے اور اِلَّا اللہ سے حق تعالےٰ کی ذات پاک کا اثبات کرے کہ اس کا عدم محال ہے اور لَآ اِلٰہَ کہتے وقت شیخ کا دھیان دل میں لائے اور اُس کی رُوح کو اپنے اندر سمجھے اور اگر ذکر و خلوت کے اثناء میں کوئی چیز اس پر ظاہر ہو اور بھلی بُری صورتیں یا چمکدار انوار یا رنگ پائے گوناگوں نظر آدیں تو اُن کی طرف ہرگز توجہ نہ کرے اور یقین کے ساتھ جانے رہے کہ نور حقیقی صورت و شکل اور جہت و سمت اور حد و تحیز سے پاک ہے۔ پس یہ انوار وغیرہ جو کچھ بھی نظر آئے خیالات کی قسم سے ہوں گے جو فوراً مٹ جائیں گے۔ اور ظاہر ہے کہ ناپائدار شئے دل لگانے کے قابل نہیں ہے۔ چنانچہ سیدنا حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے جب ستاروں کو دیکھا کہ غروب ہو گئے تو فرمایا کہ گم ہو جانے والوں کو میں نہیں پسند کرتا کیونکہ وہ خدا بننے کے قابل نہیں ہیں۔

نور و ظلمت کے ستّر ہزار پردے جاننا چاہیئے کہ جو چیزیں نظر آتی ہیں ان سب کی حقیقتیں عالم معنی میں موجود ہیں اور

یہ جو عالم مثال میں روشن ہوتا ہے انہی حقیقتوں کا ظل اور پَرتو ہے۔ تاہم ان سے مانوس ہونا نہ چاہیئے۔ کیونکہ حق تعالےٰ نے اس راہ سلوک میں نور و ظلمت کے ستر ہزار پردے پیدا فرمائے ہیں اور ان کو عزت و عظمت کی وجہ سے پردہ کعبۂ اسرار قرار دیا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلّی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم نے اسی راز کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ حق تعالےٰ کے لئے نور و ظلمت کے ستر ہزار پردے ہیں کہ اگر ان کو اُٹھا دیا جائے تو سارا عالم خاکستر ہو جائے۔ اور وہ پردے یہی انوار روحانیہ اور ظلمت جسمانیہ ہیں یعنی حواس خمسہ، طبائع، اعراض اخلاق ذمیمہ، نفس ہوا و ہوس، شہوت اور شیطان وغیرہ۔ اور پاک نفس چونکہ ظلمت و کدورت سے بالطبع متنفر اور انوار سے طبعاً مانوس ہوتا ہے اس لئے ظلمانی پردوں کا اُٹھا دینا طالب پر سہل ہوتا ہے۔ مگر نورانی پردوں کا اٹھانا بے حد دشوار۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ دس ہزار پردہ ہائے ظلمت تو لطیفہ قالب میں جو سالک کا وجود ہے خاکی رنگ کے ہیں اور ذکر پر دوام اور مواظبت کے سبب ذکر کی روشنی سے وہ ظلمتیں توبرتو اور اوپر نیچے چڑھتے ہوئے نظر آنے لگتے ہیں اور جب ذکر کے نور سے جسم صالح ہو جاتا ہے تو ابر سفید کی طرح صاف بن جاتا ہے اور دس ہزار نورانی پردے لطیفۂ نفس میں آسمانی رنگ کے ہیں۔ خوب جان لے کہ نفس انسان کے وجود کا تربیت کنندہ ہے اور اپنی برائیاں وجود پر ڈالتا رہتا ہے۔ پس جب تربیت کنندہ پاک صاف ہو جائے گا تو نیکیوں کا فیضان وجود پر ڈالے گا (اور اس طرح پر نفس کے تزکیہ سے ظلمانی حجاب مرتفع ہو جائیں گے) اور دس ہزار نورانی پردے لطیفہ قلب میں آگ کی مثل سُرخ رنگ کے ہیں۔ اگر حسب خواہش غذا کھائی جاتی ہے تو اس میں دھوئیں کی بھی آمیزش ہو جاتی ہے اور جلد اُوپر کو نہیں چڑھتے ورنہ سریع الصعود ہوتے ہیں اور دس ہزار نورانی پردے لطیفۂ سر میں برنگ شیشہ سفید و صاف جیسے آفتاب ان پر چمکتا ہو اور دس ہزار نورانی لطیفۂ روح میں ہیں زرد رنگ کے کمال درجہ صاف اور دس ہزار نورانی لطیفۂ خفی میں ہیں۔ صیقل دار رومی آئینہ کے رنگ پر جیسے انسان کی آنکھ کی پُتلی کا رنگ اور دس ہزار نورانی لطیفۂ حقیقت میں جس کے ساتھ تمام لطیفے قائم ہیں سبز

رنگ کے ہیں کہ اس سے آنکھوں کی ٹھنڈک اور قلب کو فرحت ہے اور وہی دل کی حیات کا رنگ ہے اس کے بعد عقیق کا رنگ باقی رہ جاتا ہے۔

نجم الدین کبری رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص ان رنگوں سے متصف ہوگا خواہ سالک قصد کرے یا نہ کرے مقام فنا پر ضرور پہنچ جائے گا، جیسے کہ روح بالذات آگ سے گھبراتی ہے صاحب روح کے اختیار و قصد کو اس میں دخل نہیں ہے (کہ چاہے تو اس نفرت کو نہ ہونے دے) اور یہ رنگ بہت دشواری اور بے شمار مجاہدہ کرنے کے بعد بسہولت ظاہر ہو جاتا ہے۔ اور پردہ ہائے مذکورہ اُٹھ جانے کے بعد ساتوں لطیفوں کے انوار مشاہدہ میں آنے لگتے ہیں اور لطیفۂ قالب میں جنات کو لطیفۂ نفس میں دوزخ کو، لطیفۂ قلب میں جنت کو، لطیفۂ سر میں فرشتوں کو، لطیفۂ روح میں اولیاءِ کرام کو، لطیفۂ خفی میں انبیاء علیہم السلام کو اور لطیفۂ حقیقت میں فخر رسل صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو مشاہدہ کرتا ہے۔ اس کے بعد نورالانوار تجلی فرماتا اور جملہ انوار سابقہ کو مدہم اور ماند بنا دیتا ہے۔ بس سلوک[1] تام ہو جاتا ہے اور طالب کی

---

[1] مشائخ کے مذاق مختلف اور طریقہ تعلیم جدا جدا ہیں کوئی سلوک کو تفصیل کیساتھ طے کراتا ہے کوئی اجمال سے پھر کوئی لطائف کی سیر کیساتھ اور کوئی بدون اسکے پھر سیر لطائف میں بھی مختلف طریقے ہیں جس کا جیسا مذاق ہوا اس نے وہی طریق پسند کیا ہے۔ پردہ ہائے مذکورہ و انوار لطائف وغیرہ جو مصنفؒ نے بیان فرمائے ہیں، اگر ایک ایک کرکے طے کیا جائے تو پچاس ہزار برس بھی کافی نہ ہوں گے۔ اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے ہر شیخ کو جُدا طرز عطا فرمایا ہے۔ لاریب مشائخ کے جملہ طرق مقبول ہیں، مگر قطب الاقطاب شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے طرق سب سے زیادہ قریب تر ہیں اور جس طرح آپ کی ذات مستجمع الصفات کو حق تعالےٰ نے امتیاز بخشا اسی طرح آپ کا طریق سلوک بھی دوسرے طریق سے ممتاز بنایا تھا۔ آپ کے بعد قدوسی گروہ میں اگرچہ مختلف وضع پیدا ہوگئیں، مگر اصل سب کی ایک ہی ہے۔ ان اوضاع مختلفہ میں بھی اس طریقہ کو جو مجدد زمانہ قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہٗ کو عطا ہوا ہے ایک خاص امتیاز ہے جس سے ماہرین فن ہی خوب واقف ہیں جس کا جی چاہے کتب سلوک کا مطالعہ کرے اور اللہ جسکو چاہتا ہے راہ مستقیم کی ہدایت فرما دیتا ہے اسمیں شک نہیں کہ سالک اور مطلوب کے درمیان یہ پردے حائل ہیں جو مصنف نے ذکر کئے مگر جب سالک جذبۂ الٰہی سے کھنچ جاتا ہے تو بجلی کے کوندنے کی طرح ذرا دیر میں سب کو عبور کر جاتا ہے۔ پس کسی کو ہراساں اور مایوس نہ ہونا چاہیئے کہ اس قدر حجابات کس طرح سے طے کرسکوں گا۔ ۱۲ مترجم ۞

سیر جذبہ جلیہ کے ساتھ بدل جاتی ہے۔

سیر الی اللہ

جاننا چاہیئے کہ جب حق تعالےٰ کی محبت میں سالک سلوک اختیار کرتا اور افضل عبادتوں اور نماز، روزہ اور طہارت و نظافت میں مشغول ہوتا اور حق تعالےٰ کا قرب تلاش کرتا ہے تو اس کو جذبہ خفی اور سیر الی اللہ کہتے ہیں اور سلوک کا افتتاح سمجھتے ہیں اور اس جذبہ کے بدون اس راستہ میں چلنا ممکن نہیں اور یہی معنی ہیں ارشادِ خداوندی کے کہ یُحِبُّوْنَ اللّٰہَ۔ یعنی وہ محبت رکھتے ہیں اللہ تعالےٰ سے اور اس پر سالک کی مواظبت کے سبب جب حق تعالےٰ اس کو اپنا محبوب بناتا اور اپنی طرف کھینچتا اور اپنی محبت کے راز سے آگاہ فرماتا اور واصل کر لیتا ہے تو اس کو جذبۂ جلی کہتے ہیں اور یہی حق تعالےٰ کے ارشاد کا مصداق ہے یُحِبُّھُمْ یعنی اللہ تعالےٰ ان سے محبت رکھتا ہے اور اس جذبہ تک جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی شریعت کا اتباع کئے بغیر پہنچنا ہرگز ممکن نہیں۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے :-

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ۔۱۲ "کہدو اے محمدؐ اگر تم اللہ کو محبوب رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو اسلئے کہ اگر میرا اتباع کروگے تو حق تعالےٰ تم کو محبوب بنالے گا"

اور یہ ایسا راز ہے کہ جس نے چکھا نہیں وہ واقف نہیں اور طالب صادق اگر چالیس روز متواتر شرائط پر کاربند رہے گا تو انشاء اللہ تعالےٰ مکاشفات کا دروازہ اس پر کھل جائے گا اور اوّل انوار روحانی اور کواکب روحانی نظر آئیں گے۔ پھر فرشتوں کا مشاہدہ ہونے لگے گا۔ پھر صفات کا مشاہدہ ہوگا کہ ان صفات کے واسطہ سے سالک پر بعض حقائق کا ترشح ہوگا اور یہ حال بدایۃ میں ہوتا ہے اور جب عالم مثال سے بلند ہو جاتا ہے تو جملہ اشیاء میں حق ہی حق ملاحظہ کرتا ہے اور جب پھر اسی عالم مجاز میں جو سایہ کی مثل ہے واپس آتا ہے تو مخلوق پر ترس کھاتا اور بنگاہِ رحم دیکھتا ہے کہ یہ لوگ جمال حقیقی سے محروم اور اس عالم غرور و عالم ظل پر مغرور اور قناعت کئے بیٹھے ہیں اور یہ شخص اگرچہ اپنے وجود وجسم کے اعتبار سے مخلوق کے ساتھ ہوتا ہے مگر قلب کے اعتبار

سے ان سے غائب اور دور ہوتا ہے اور اس شخص کو تو خلقت کے ظہور پر تعجب ہوتا ہے کہ حق کے ظہور کے سامنے سب محو کیوں نہ ہو گئے اور لوگ اس شخص کے حال پر تعجب کرتے ہیں کہ اس کو کیا ہو گا کہ جسم اور وجود ہوتے ہوئے ایسا بے خود ہو گیا اور اپنے آپ سے بھی بیگانہ بنا ہوا ہے اور یہ سب ذکر ہی کا ثمرہ ہے کہ اوّل ذکر زبانی تھا اس کے بعد ذکر قلبی اور اس کے بعد غلبۂ ذکر اور اس کے بعد ذکر میں محویت کہ ذاکر مذکور میں محو ہو جاتا ہے اور یہ نتیجہ ہے نیک عمل اور اتباعِ سنت کا اور نہایت سلوک بھی یہی ہے جو ہدایت کی صحت و درستی کے بعد پیدا ہوتی ہے۔

حصولِ مقصود کے آٹھ اہم طریقے اور ہدایت کو درست کرنے کے شرائط امام جنیدؒ کے طریق پر کہ حصولِ مقصود کے لئے سب طریقوں میں قریب تر ہے آٹھ ہیں :۔ دوامِ عبادت، دوامِ صوم، دوامِ سکوت، دوامِ خلوت، دوامِ ذکر اللہ، دوامِ نفیِ خواطر، دوامِ ربطِ قلب بالشیخ، اور اس سے علوم واقعات کا استفادہ رکھنا یہاں تک کہ اپنے تصرّف کو شیخ کے تصرّف میں فنا کر دے، اور دوامِ ترکِ اعتراض بر خدائے تعالےٰ، ہر حال میں خواہ نفع پہنچے یا تکلیف یہاں تک کہ (نفس کی راحت و تکلیف کے خیال سے) جنّت کا مانگنا اور آگ سے پناہ چاہنا بھی چھوڑ دے، اور یہ سب موقوف ہے حق تعالےٰ کی توفیق پر کہ جس کو توفیق نصیب فرماتا ہے، وہ خود جانتا اور سوچتا ہے کہ سب سے بڑی ضرورت حق تعالےٰ کے حاصل کرنے کی ہے۔ پس اس مطلوب حق کی محبّت کو قلب میں راسخ کر کے مخلوق سے منہ پھیر لیتا اور خالق کی طرف متوجّہ ہو جاتا ہے اور بعد و فراق سے گزر کر قرب و وصال کا طلب گار بن جاتا اور کسل و سستی چھوڑ کر مشقت و مجاہدہ اختیار کر لیتا ہے۔

سہیل تستری رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ ہجرت قیامت تک فرض رہے گی (مگر کون سی ہجرت) جہل سے علم کی طرف اور غفلت سے ذکر کی طرف گناہ سے طاعت کی طرف اور معصیت پہ جمے رہنے سے توبہ کی طرف۔ اب ان شرائط کو خدا کے فضل و مدد سے جُدا جُدا فصل میں بیان کرتا ہوں۔

فصل ۴

باوضو رہنا پہلی شرط ہمیشہ باوضو رہنا ہے، یہاں تک کہ ایک ساعت بھی بے وضو نہ رہے۔ اگر پانی میسر نہ آئے تو پانی کے میسر ہونے تک تیمم کرلے۔
چنانچہ آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے :۔
"استقامت و پختگی اختیار کرو اور کاہل نہ بنو اور جان لو کہ تمہارے اعمال میں سب سے بہتر نماز ہے اور وضو کی محافظت بجز مومن کے کوئی نہیں کرتا۔"
نیز ارشاد فرمایا ہے کہ "وضو مومن کا ہتھیار ہے۔" مزید فرمایا کہ "وضو پر وضو کرنا نور علی نور ہے۔"
امام غزالی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ نے "احیاء العلوم" میں روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا "دین کی بناء پاکی پر ہے۔"
نیز فرمایا کہ "نماز کی کنجی طہارت ہے" اور فرمایا کہ طہارت نصف ایمان ہے۔"
حق تعالےٰ شانہٗ "مسجد نبوی (یعنی مسجد قبا کی تعریف) میں فرماتا ہے کہ "اس میں ایسے آدمی ہیں جو خوب پاک رہنے کو محبوب سمجھتے ہیں۔"
پس چاہیئے کہ ہر حالت میں خواہ کھانا ہو یا پینا اور سونا ہو یا بولنا باطہارت و باوضو رہے تاکہ طہارت ظاہری کی برکت سے طہارت باطنی حاصل ہو جائے اور اس کا سینہ صحیح و سالم بن جائے۔ کیونکہ منزہ بارگاہ میں بجز اس کے جس کا قلب بے عیب اور جملہ کدورتوں سے سالم ہو دوسرے کو باریابی نہیں۔ اور جو شخص شریعت کے موافق اپنے ظاہر کو پاک نہ رکھے گا اُس کا باطن ہرگز بھی طریقت کے قابل نہ بنے گا۔
کیونکہ ظاہر عنوان ہے باطن کا اور اگر طہارت پر مداومت رکھے گا تو قریب ہے کہ انوار ربّانی اس میں عکس ڈالیں اور ان انوار کا عکس اس کے مخیلہ میں پڑے اور دل کی آنکھیں تاریکی میں انشاء اللہ تعالےٰ وہ انوار مشاہدہ کریں گی جو اس سے پہلے کبھی اس کو نصیب نہیں ہوا۔

فصل ۵

روزہ رکھنا اور بھوکا رہنا

دُوسری شرط یہ ہے کہ (شرعی ممنوعہ ایام کے علاوہ) روزانہ روزہ رکھے اور افطار کے وقت غذا کم کھائے تاکہ پیٹ میں گرانی بھی نہ ہو اور بھوک کے سبب مر بھی نہ جائے۔ کیونکہ بہت کھانا اور اسی طرح کم کھانا جو ہلاکت کا ذریعہ ہو دونوں نا زیبا ہیں۔ حق تعالےٰ فرماتا ہے:۔

كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ۔ "خوب کھاؤ اور پئیو مگر اسراف نہ کرو"

نیز ارشاد فرمایا:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ۔ "اے ایمان والو! خدا کے حلال اور پاک بتائے ہوئے کو اپنے اوپر حرام نہ بنالو (کہ کھانا ہی چھوڑ دو) اور حد سے بھی نہ بڑھو (کہ ضرورت سے زیادہ کھانے لگو) کیونکہ حق تعالےٰ زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں بناتا"

اسی طرح جب روزہ کی نیت کرے تو اس وقت (سحری کو) بھی روزہ کی تعظیم کے لئے کم کھانا بہتر ہے۔ کیونکہ روزہ کو اس خاص فضیلت کے سبب جو اس میں حق تعالےٰ نے رکھ دی ہے اسلام کے جملہ ارکان اور تمام عبادتوں میں امتیاز حاصل ہے۔ چنانچہ حدیث قدسی میں ہے کہ ہر نیکی کا دس سے ستر گُنا تک ثواب مقرر ہے، بجز روزہ کے کہ وہ خاص میرا ہے اور اُس کا ثواب بھی میں ہی دُوں گا۔ یعنی اس کے ثواب کی مقدار میں ہی جانتا ہوں دوسروں کو معلوم نہیں اور روزہ دار کے مُنہ کی بُو خدا تعالےٰ کے نزدیک مشک سے زیادہ خوشبودار ہے اور حضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے روزہ کو ڈھال فرمایا ہے اور جو شخص نفس اور شیطان پر جہاد کرے گا اس کے لئے ڈھال کا ہونا ضروری ہے تاکہ شیطان کا تیر نہ کھائے۔ اس لئے کہ بھرنے میں بنی آدم کے پیٹ بھرنے سے زیادہ بدتر کوئی چیز نہیں۔ کیونکہ شہوات و حرص و کینہ وغیرہ کی ساری بلائیں پیٹ بھرنے کی وجہ سے ہیں۔ بس آدمی کو چند لقموں کی جن سے کمر سیدھی رکھ سکے کافی ہیں۔ چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں کو

فرمایا تھا کہ اپنے پیٹوں کو بھوکا رکھا کرو اور اپنے جگروں کو پیاسا اور اپنے بدنوں کو ستر کے علاوہ ننگا رکھا کرو تاکہ اس قابل بنو کہ اپنے رب کو اپنے دلوں سے دیکھ سکو۔

بھوکا رہنے کا مطلب امام غزالی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ نے "احیاء العلوم" میں فرمایا ہے کہ سب چیزوں میں اہم مقصود توسط و اعتدال ہے۔ کیونکہ سب کاموں میں بہتر درمیانی درجہ کا ہونا مسلم ہے اور دونوں کنارے افراط و تفریط کے قبیح ہیں۔ اور بھوک کی فضیلتوں کے متعلق جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس سے وہم ہوتا ہے کہ شاید افراط اور کمال درجہ کا بھوکا رہنا مراد ہو حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ شریعت کے امر میں حکمت الٰہی اس طرح واقع ہوئی ہے کہ جو چیز (ایسی) ہو کہ طبیعت اس کی نہایت درجہ خواہش مند ہو اور ہو وہ شئے موجب فساد تو شریعت اس میں اتنا مبالغہ کرتی ہے کہ انجان کو یوں گمان ہونے لگتا ہے کہ بالکل طبیعت کے مخالف مراد ہے۔ مگر جاننے والا جانتا ہے کہ اس قدر مبالغہ محض طبیعت کے کمال حرص کی وجہ سے کیا گیا ہے اور مقصود توسط ہے۔ کیونکہ طبیعت تو اس شئے کا تقاضا کرے گی اور شرع بالکل ممانعت اور یہ بات بعید و دشوار ہے کہ طبیعت کو بالکل جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے۔ لہٰذا اعتدال پیدا ہو جائے گا کہ حرص طبیعت اس شئے کو چھوڑے گی نہیں اور شریعت اجازت نہیں دے گی۔ پس ڈرتا کانپتا کم کھائے گا اور مقصود کہ اعتدال و توسط حاصل ہو جائے گا) اور جو شخص طبیعت کی بالکلیہ مخالفت کرنے لگے گا اس کو شریعت اس کام میں گھسنے اور طبیعت کی مخالفت کے چھوڑنے کا حکم دینے لگے گی۔

طریق اعتدال پس معتدل طبیعت کے لئے بہتر یہ ہے کہ اتنی مقدار کھائے کہ ڈکار نہ آئے تاکہ معدہ کی گرانی سے کہ عبادت کو مانع ہے اور شدت بھوک سے کہ وہ بھی وقت کو مشغول رکھنے اور ذکر سے روکنے والی ہے دونوں سے بچا رہے اور مقصود یہ ہے کہ اتنا کھائے کہ طعام کا اثر باقی نہ رہے جلد تحلیل ہو جائے تاکہ فرشتوں کے ساتھ مشابہت پیدا ہو جائے کیونکہ وہ معدہ کی گرانی اور بھوک

فصل ۶

تقلیلِ کلام تیسری شرط یہ ہے کہ بجز ذکر و عبادت اور کارِ خیر کے لب نہ کھولے۔ حضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالےٰ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہیئے کہ کلام خیر کہے یا چُپ رہے۔ نیز فرمایا ہے کہ آدمی آگ میں اوندھے منہ ناک کے بل ڈالے جائیں گے اور اس کا سبب بجز اس کے کچھ نہیں کہ اپنی زبانوں کی بوئی ہوئی کھیتی کو کاٹیں گے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ ساری نیکی چار چیزوں میں ہے۔ کلام، سکوت، نظر، حرکت۔ پس ہر وہ کلام جو ذکر اللہ نہ ہو بے ہودہ ہے اور ہر سکوت کہ فکر میں نہ ہو فراموشی ہے اور ہر نظر کہ عبرت (کا سبب) نہ ہو غفلت ہے اور ہر حرکت کہ عبادت کے لئے نہ ہو مستی ہے۔ رحم فرمائے اللہ تعالےٰ اس بندہ پر کہ اس کا کلام ذکر ہو اور سکوت فکر ہو اور نظر عبرت ہو اور حرکت عبادت ہو اور لوگوں کو اپنی زبان اور ہاتھ کے شر سے بچائے رکھے اور اپنے آپ کو جھوٹ اور نفاق سے امن میں رکھے کیونکہ حق تعالےٰ شکایت کے موقع پر فرماتا ہے :-

یَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ ۔ "وہ اپنی زبانوں سے اتنا کچھ کہتے ہیں کہ اُن کے دلوں میں اس میں سے کچھ بھی نہیں ہے"

عزیز من جب عیسیٰ علیہ السلام کو حق تعالےٰ نے بچپن میں گویا کرنا چاہا تو مریم علیہا السلام کو حکم فرمایا کہ اگر کوئی تم سے پوچھے کہ یہ بچہ کہاں سے ہو گیا تو کہہ دیجیو کہ مَیں نے روزہ کی نذر کر لی ہے اس لئے آدمیوں سے کلام نہیں کر سکتی اور ان کی شریعت میں روزہ کی یہی صورت تھی۔

پس جب مریم علیہا السلام نے اپنی زبان بند کر لی تو عیسیٰ علیہ السلام نے بزمانہ طفولیت کلام کیا۔ اسی طرح جب تو اپنی زبان کو فضول کلام سے بند کرے گا تو اپنے دل سے جو طریق الی اللہ کا طفل ہے کلام سُننے لگے گا اور قاعدہ ہے کہ جب زبان گفتگو کرتی ہے تو دل خاموش ہو کر سُنا کرتا ہے اور جب زبان خاموش ہوتی ہے تو دل باتیں کرنے لگتا ہے۔ پس زبان کو بند رکھ تاکہ تیرا دل بے ہودہ کلام کو نہ سُنے بلکہ ذکر کیا کر تاکہ تیرا دل بھی اس کو سُن کر ذکر کا خوگر ہو جائے۔ واللہ ولی التوفیق۔

فصل ۷

دوامِ خلوت چوتھی شرط دوامِ خلوت ہے اور خلوت کے یہ معنی ہیں کہ قلب کے حواس باطنی کھولنے کی غرض سے حواس ظاہری کو بند کر لے تاکہ بیداری میں وہ چیزیں نظر آنے لگیں جن کو لوگ خواب میں دیکھتے ہیں اور قلب کے حواس بغیر ظاہری حواس کے بند کئے کھلتے نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خواب میں بہتیری چیزیں دکھائی دیتی ہیں جو بیداری میں نظر نہیں آتیں (کیونکہ خواب میں حواس ظاہری بند و معطل ہو جاتے ہیں) پس اگر بیداری میں بھی حواس ظاہری بند ہو جائیں گے تو دل کے حواس کھل جائیں گے اور جو خواب میں نظر آتا ہے بیداری میں نظر آنے لگے گا اور یہی راز ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے پندرہ سال قبل سے خلوت کو پسند فرمایا کہ غارِ حراء میں ایک ایک دو دو ہفتہ عبادت کرتے اور انوار کا مشاہدہ فرماتے تھے۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنجناب صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اس غار میں ایک ایک مہینہ تک تشریف رکھتے تھے۔ پس چاہیئے کہ خلوت خانہ اتنا تنگ ہو کہ بس ذکر کے وقت چار زانو بیٹھ سکے اور کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکے اور تاریک اتنا ہو کہ سورج کی شعاع اور دن کی روشنی کا گزر نہ ہو۔ اور خلوت کرنے والے کو مناسب ہے کہ بجز دینی ضرورت مثلاً وضو، نماز اور جماعت یا جمعہ کے طبیعت کے قبض اور تنہائی کی گرانی کو دفع کرنے یا اور کسی خواہش نفسانی کے لئے باہر نہ نکلے۔

اور چاہیئے کہ مردانہ وار قوی الہمت رہے اور عالی ہمتی میں قدم رکھے حتیٰ کہ جان تک سے دریغ نہ کرے۔ سُست و نامرد نہ بنے کہ سرین پر گرنے اور بیٹھنے لگے۔ چاہیئے کہ سچا عاشق بنے کہ مطلوب کے ماسوا کو پس پُشت ڈال دے اور دل کے آرام اور نفس کے اطمینان اور روح کی راحت میں ثابت قدم رہے، طبیعت کو شہوت سے پاک کرے۔ دل کو تقویٰ سے سنوارے، عقل کو ایمان سے اور اعضاء کو طاعات سے معمور کرے۔ انفاس کو صدق و اخلاص کے نور سے منور فرمائے اور سینہ کو اسلام کی چمک سے کشادہ رکھے کہ اسی کی مردانِ خدا کو خدا تعالےٰ نے ہدایت دی اور اولوالالباب اور صاحبان عقول فرمایا ہے اور چاہیئے کہ اخلاقِ حسنہ مثلاً ادب، تواضع، ذلت،

انکسار، مسکنت، خشوع، خضوع کا خوگر ہو اور نفس کی اتنی گوشمالی کرے کہ ان اخلاق کا عادی ہو جائے۔ دنیا اور جاہ و مال کی محبت سے اعراض کرے۔ کم کھانے، اکثر خاموش رہنے، بکثرت نماز پڑھنے، روزہ رکھنے، اور صبر، شکر، توکل، یقین، سخاوت، قناعت، امانت سکون اور سوچ سمجھ کر کام کرنے کا خوگر بنے اور خوراک و پوشاک کو حلال طریقہ سے فراہم کرے تاکہ شیطان وسوسہ نہ ڈالے۔ بلکہ مناسب ہے کہ خلوت سے پہلے بھی ریاضت اور گوشہ نشینی کی عادت ڈالے اور کم کھانے کم سونے، مخلوق کے ساتھ کم رہنے اور پانی کم پینے کو اپنا طریقہ بنائے۔ اور گوشت زیادہ نہ کھائے۔ کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تو گوشت کھائے گا تو اپنے نفس میں جماع کی رغبت پائے گا۔ پس گوشت ہفتہ میں ایک دو دفعہ کھائے اور جب کھائے تو آدھ پاؤ سے زیادہ نہ کھائے کہ اتنی مدت میں اس مقدار کی مشائخ سے اجازت ہے تاکہ مبتدی کمزور نہ ہو جائے اور مناسب ہے کہ غذا ہلکی اور جلد ہضم ہو جانے والی طبیعت کے موافق کھائے۔ نہ ایسی جو دیر میں ہضم ہو اور نہ پیٹ بھر کر۔ اور خلوت و غیر خلوت میں کھانے کا ادب یہ ہے کہ نوالہ چھوٹا لے اور بسم اللہ کہے اور ذکر میں حضور قلب کا بہت خیال رکھے تاکہ شہوت طعام کی ظلمت ذکر کے نور سے مبدل ہوتی رہے اور جب نوالہ کو نگلے تو خدا تعالےٰ کا شکر ادا کرے جس نے نوالہ حلق میں بآسانی اُتار دیا اور جب وہ معدہ میں پہنچ جائے تب دُوسرا نوالہ لے اور اس کے ساتھ بھی یہی عمل کرے، یہاں تک کہ غذا کی مقدار پوری ہو جائے۔ اسی طرح پانی بھی گھونٹ گھونٹ کر کے پئے۔ اوّل بسم اللہ پڑھے اور آخر میں حق تعالےٰ کا شکر ادا کرے۔

بعض صوفیہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ تجربہ سے ہم کو معلوم ہُوا کہ پیاس جھوٹی خواہش ہے۔ پس جو شخص پیاس کے وقت پانی میں کمی کی عادت ڈالے گا حق تعالیٰ اس کی پیاس کو دُور فرما دے گا۔ یہاں تک نوبت پہنچ جائے گی کہ کئی کئی مہینے پانی نہ پئے گا اور خواہش بھی نہ ہوگی اور اُس کے بدن یا مزاج میں کسی قسم کے نقصان کا اثر بھی مطلق نہ ہوگا اور طبیعت بس غذا کی رطوبت پر قناعت کرنے لگے گی۔ شیخ محی الدین نووی رح

نے ریاض الصالحین میں فرمایا ہے کہ زمانہ کے فساد کے وقت اور فتنہ یا حرام یا شبہات وغیرہ میں پڑ جانے کا اندیشہ سے گوشہ نشینی اختیار کرنا مستحب ہے اور حق تعالےٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی زبان سے کہلوایا ہے :-

فَفِرُّوا اِلَى اللّٰہِ اِنِّی لَکُمْ مِنْہُ نَذِیْرٌ مُبِیْنٌ۔ دو اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگو، کیونکہ میں تم کو حق تعالیٰ سے ڈرانے والا ہوں۔ مر یح مسلم بن سعد۔

ابن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو یُوں فرماتے سُنا کہ حق تعالےٰ اس بندے کو محبوب رکھتا ہے جو متقی ہو، پاک ہو اور نفس کا غنی ہو (کہ مال وجاہ کی طلب میں نیت نہ دوڑائے) اور پوشیدہ (یعنی خلوت نشین و گمنام) ہو- اور صحیحین میں ہے۔

ابو سعید خدری رضی اللہ تعالےٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کون شخص بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ مومن جو اللہ تعالےٰ کے راستہ میں اپنے مال اور جان سے مجاہدہ کرے۔ پھر اس شخص نے پوچھا کہ اس کے بعد کون شخص بہتر ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ پہاڑ کی گھاٹیوں میں یکسو ہو کر بیٹھ جانے والا تاکہ خدا کی عبادت میں لگا رہے- اور ایک روایت میں آیا ہے کہ خدا تعالےٰ سے ڈر کر لوگوں کو اپنے شر سے نجات دینے والا شخص دوسرے درجہ پر بہتر ہے۔ نیز ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بخاری میں روایت ہے کہ وہ زمانہ جلد آنے والا ہے کہ مسلمانوں کا سب سے بہتر مال بکریاں ہوں گی کہ اُن کو پہاڑ کی چوٹی پر لے جائے اور ان پر دین کے فتنوں سے محفوظ و سالم رہ کر (آبادی) سے بھاگ جاتے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی خلوتِ طیبہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے روایت کی ہے کہ وحی کا شروع جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے لئے سچی خوابیں تھیں کہ ان کی تعبیر صبح صادق کی طرح ظاہر و قوع میں آجاتی تھی- اس کے بعد حضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم غارِ حرا میں خلوت گزین ہوئے یہاں تک کہ کئی کئی شب عبادت میں گزارتے اور مکان تشریف نہ لاتے کیونکہ ان ایام کا کھانا

ساتھ لے جاتے تھے۔ اس کے بعد پھر خدیجہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے پاس تشریف لا کر کئی کئی دن کا توشہ ساتھ لے جاتے اور اسی خلوت میں مشغول ہو جاتے۔ یہاں تک کہ اسی غار میں وحی کا نزول ہُوا کہ جبرائیلؑ فرشتہ آئے اور فرمایا کہ پڑھو۔ آپؐ نے جواب دیا کہ مَیں پڑھا ہُوا نہیں ہوں۔ پس جبرائیل علیہ السّلام نے سرورِ عالم صلّی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کو خوب بھینچ کر چھوڑ دیا اور فرمایا کہ پڑھو۔ آپؐ نے پھر فرمایا کہ مَیں پڑھا ہُوا نہیں ہوں۔ فرشتہ نے پھر خوب بھینچا اور چھوڑ کر کہا کہ پڑھو اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ مَا لَمْ يَعْلَمْ تک۔

پس حضرت صلّی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے پاس تشریف لائے اور آپؐ کا دل مبارک کانپ رہا تھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ مجھے کپڑے میں لپیٹ لو۔ کپڑے میں لپیٹ لو۔ آخر آپؐ کپڑے میں لپٹے پڑے رہے۔ یہاں تک کہ خوف دُور ہو گیا اور خدیجہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے قصّہ بیان فرما کر کہا کہ مجھے اپنی جان کے ہلاک ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ خدیجہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے کہا کہ ہر گز خوف نہ کیجئے۔ قسم ہے خدا تعالےٰ کی کہ آپ کو حق تعالےٰ ہر گز رسوا نہ کرے گا۔ کیونکہ آپؐ صلۂ رحمی کرتے، سچ بولتے، کمزوروں کے بوجھ اٹھاتے، مسکینوں کے لئے کسب کرتے، مہمانوں کو کھانا کھلاتے اور سچی بات کے مددگار بنتے ہیں اور ایسے نیکو کار ضائع نہیں ہُوا کرتے بلکہ سدا پھلتے پھولتے ہیں۔ الخ

پس اہلِ اللہ فرماتے ہیں کہ جب حضرتؐ باوجود ان عُمدہ خصلتوں اور معصومیت وحفاظت خداوندی کے اپنے اوپر آفات سے نڈر نہ تھے اور اپنی جان پر اندیشہ رکھتے تھے پھر کسی دوسرے کا کیا پُوچھنا کہ طبیعت میں گندی خصلتیں لے کر سلوک الی اللہ اور عمل خلوت وچلّہ کشی راست آ جائے گا۔ بلکہ اگر کسی کو خواہش ہو کہ خدا تعالےٰ کے نزدیک مرتبہ ملے اور شیطان سے نجات پائے تو اُس کو چاہیئے کہ یہ عمدہ خصلتیں جن کا ذکر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے فرمایا ہے اپنے اندر پیدا کرے۔ نوویؒ نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ خلوت صالحین اور بندگانِ عارفین کی شان وعادت ہے۔ ابو سلیمان خطابیؒ کا قول ہے کہ سرورِ عالم صلّی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کو خلوت کے ساتھ محبّت اس لئے تھی کہ

خلوت میں قلب کو فراغت ملتی ہے۔ فکر پر اعانت ہوتی ہے۔ بشر کو جن اشیاء سے اُلفت ہوتی ہے ان سے علیحدگی نصیب ہوتی اور خشوع بخوبی میسر آتا ہے۔

جان لے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام جب اوّل غارِ حراء میں فخرِ عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے حضور حاضر ہوئے تو قرأت اور تبلیغ کا امر فرمایا۔ کیونکہ حضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم بہت کچھ ریاضت کر چکے تھے۔ لوگوں کے ساتھ ملنے جُلنے سے منہ موڑ چکے تھے۔ دُنیا اور دُنیا والوں کو بُرا جان چکے تھے اور خلوت کو انتخاب فرما کر انتہا تک پہنچا چکے تھے۔ شہر اور گھر کو چھوڑ چکے تھے۔ کھانے کی سدِّ رمق مقدار پر قناعت فرما کر کام اعلیٰ مرتبہ پر پہنچا چکے تھے۔ بلکہ بعض اوقات یہ چند لقمے بھی چھوڑ دیتے اور فرمایا کرتے تھے کہ "میں اپنے پروردگار کے پاس کھاتا اور پیتا ہوں"۔ پس جب تمام طریقوں سے درست ہو گئے اور امرِ تبلیغ کے اہل بن گئے تو حق تعالےٰ نے وحی سے تائید فرمائی اور خلعتِ رسالت سے مشرف کیا۔ یہی ہے اللہ تعالےٰ کی عادت اپنے خواص بندوں یعنی انبیاء علیہم السلام کے متعلق۔ اور طالبوں کی تربیت کے لئے ان حضرات کی متابعت ضروری ہے (اس لئے کہ حق تعالےٰ نوازش و قرب کا حصول ریاضت و خلوت، کم خوری و عزلت اور ترکِ تعلقات ہی کے بعد ہوگا)۔

"عوارف المعارف" میں ابن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی روایت آئی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عنقریب ایک زمانہ لوگوں پر ایسا آئیگا کہ اس میں کسی شخص کا بھی دین سلامت نہ رہے گا۔ بجز اس کے جو اپنے دین کو لئے ہوئے بھاگا پھرے، ایک شہر سے دوسرے شہر میں، اور ایک پہاڑ سے دوسرے پہاڑ پر اور ایک سوراخ سے دُوسرے سوراخ کی جانب جیسے لومڑی کہ شکاری سے ڈرتی ہے اور بھاگی پھرتی ہے۔ صحابہؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہؐ! ایسی حالت کب ہوگی؟ آپؐ نے فرمایا کہ جب روزی بجز گناہ کے حاصل نہ ہو سکے گی اور اس زمانے میں نکاح نہ کرنا بھی حلال ہوگا۔ صحابہؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہؐ! نکاح کا تو ہم کو حکم ہوا ہے پھر اس زمانے میں اس کا چھوڑنا کس طرح جائز ہو جائے گا؟ آپؐ نے فرمایا۔ اس لئے کہ ان ایام میں آدمی کی ہلاکت ماں باپ

کے ہاتھ سے وقوع میں آئے گی اور کسی کے ماں باپ اگر نہ ہوں گے تو بی بی کے ہاتھوں آئے گی اور یہ بھی نہ ہوگی تو اقرباء اور رشتہ داروں کے ہاتھوں تباہی چھائے گی۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ان لوگوں کے ہاتھوں ہلاکت کس طرح ظاہر ہوگی۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ کنبہ والے اور رشتہ دار اس کو تنگیٔ معاش پر غیرت دلائیں گے اور وہ غیرت کی وجہ سے حد سے بڑھے گا اور خوشحال بننے کے لئے حرام و معصیت پر دلیر بن جائے گا۔ اور اپنے آپ کو اور اپنے دین کو برباد کر دے گا۔"

نیز رسول اللہ صلّی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم سے روایت ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ دوسری صدی کے بعد سب سے بہتر وہ آدمی ہوگا جس کا بار ہلکا ہو۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہلکے بار والے سے کیا مراد ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ شخص جس کے نہ بیوی بچے ہوں نہ مال، وہ حساب سے ہلکا ہوگا۔ اور جنید رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ جو شخص دین کی سلامتی اور بدن و روح کے آرام کا خواہاں ہو اُسے چاہیئے کہ لوگوں سے یکسو رہے۔ کیونکہ یہ زمانہ وحشت کا ہے اور عاقل وہی ہے جو اس زمانہ میں تنہائی اختیار کرے۔

خلوت پر ایک شُبہ کا جواب

اور یہ جو آپؐ نے فرمایا ہے کہ وہ مسلمان جو لوگوں کے ساتھ رہے اور ان کی ایذاؤں پر صبر کرتا رہے اس شخص سے بہتر ہے جو صبر نہ کر سکنے کی وجہ سے خلوت میں بیٹھ رہے، (جس سے بظاہر جلوت و اختلاط کو خلوت و عزلت نشینی پر فضیلت معلوم ہوتی ہے) تو اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو مسلمان ریاضت اور تزکیہ سے نفس کو مہذب بنا چکا اور تسکین دے چکا ہو اور حق تعالےٰ اس کو صبر کے پہاڑ اور رضا کے دریا عطا فرما چکا ہو اور سکینہ و طمانینت اُس کے قلب میں ڈال چکا ہو اور بُردباری، ثبات، غصّہ کا ضبط ایذا کی برداشت، وقار، تمام کاموں میں میانہ روی، پاکدامنی، سخاوتِ نفس، تحمّل جوانمردی، قناعت، پرہیزگاری اور طمع، حرص، غصّہ، تکبّر، خودستائی اور رعونت کا چھوڑ دینا اس کو حاصل ہو چکا ہو، ایسے شخص کا لوگوں سے اختلاط رکھنا اور اُن کی ایذاؤں کا برداشت کرنا خلوت میں بیٹھ رہنے سے اولیٰ ہے۔ کیونکہ اس سے مسلمانوں کو

نفع پہنچے گا اور باوجود خلوت و مخالطت کے اس کی خلوت میں کوئی فتور لاحق نہ ہوگا اور
جو شخص اس مرتبہ پر نہ پہنچا ہو بلکہ اس میں صفاتِ سبعیہ (یعنی غُصّہ وغیظ وغضب وغیرہ)
اور بہیمیہ (شہوت اکل وشرب وجماع وغیرہ) اور طبعیہ ونفسیہ (حرص وہوس وحُب
جاہ ومال وغیرہ) باقی ہوں تو ایسے شخص کے لئے حضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کا یہ
ارشاد ہرگز نہیں ہے کہ اس کا لوگوں سے اختلاط رکھنا خلوت سے بہتر ہے۔ بلکہ اس
شخص کے لئے واجب ہے کہ خلوت گزین ہو تاکہ اس کے اختلاط سے لوگوں کو ایذا
نہ پہنچے اور اللہ تعالےٰ کے بندے اس کی شرارتوں مثلاً غیبت، چغلخوری اور حسد وغیرہ
سے محفوظ رہیں (اس لئے کہ غیر مہذّب پابند ہوا و ہوس شخص سے بجز ان باتوں کے
کیا توقع ہوسکتی ہے) اور بہ نظر انصاف دیکھا جائے تو یہ حدیث خود خلوت کی
تائید کر رہی ہے (کیونکہ مومن کا تذکرہ ہے جس سے مراد مومن کامل ہے اور وہ وہی
ہے جو صالح و مہذّب بن چُکا ہو)۔

اگرچہ بعض لوگ اس کے معنی نہیں سمجھے اور اختلاط کو مطلقاً خلوت پر ترجیح دینے
لگے (مگر آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کا لفظ مومن کے ساتھ یہ قید بڑھانا کہ "مخلوق کی
ایذاؤں پر صبر کرے" خود بتا رہا ہے کہ مومن مہذّب مُراد ہے اور اسی میں اس کا اشارہ ہے
کہ جو صبر کی طاقت نہ رکھے اس کا معاملہ برعکس ہے کہ خلوت اولیٰ ہے اختلاط سے)۔

پس اے طالب برائیوں اور ہوائے نفس کے ترک کرنے میں بہت کوشش کر تاکہ
ظاہری وباطنی جمعیت نصیب ہو۔ چنانچہ سری سقطی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کا قول ہے کہ
کامل وہی شخص ہے جس کے تقوےٰ کی روشنی کو عوام سے ملنا جلنا کوئی ضرر نہ
پہنچا سکے۔ نیز معلوم کرلے کہ سالکوں کی تربیت کے لئے مشائخ کے طرز وطریقے مختلف
اور بکثرت ہیں اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کے بعد اکثر مشائخ خلوت و
عزلت ہی کے وسیلہ سے سلوک طے کراتے رہے ہیں۔

حضرات صحابہ کرامؓ کی خلوت بصورتِ صحبت

اور حضرات صحابہ کرامؓ کو خلوت کے
بغیر صرف حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی

صُحبت کی برکت سے فتوحات ہو جاتی اور ایک جلسہ میں اتنے معارف اور نادر علوم حاصل ہو جاتے تھے کہ دُوسروں کو سالہا سال کی خلوت میں بھی حاصل نہیں ہو سکتے اور اس ثمرہ کی وجہ یہ تھی کہ ارادت نام ہے ترکِ عادت کا (اور صحابہ کی عادت سب کو معلوم ہے کہ جاہلیت کی رسوم تھیں (جن کے وہ ایمان سے پہلے عادی ہو رہے تھے) پس جب آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے فیضانِ نبوت سے ان کی یہ حالت ہوئی کہ رسب کو یک لخت چھوڑ چھاڑ کر) ایسے مطیع ہُوئے کہ اطاعت میں بہ دل و جان راضی تھے اور بال برابر بھی فرق نہ کرتے تھے تو ران کے ارادت کا امتحان ہو گیا کہ راسخ و صادق اور پختہ ہیں پس) حق تعالےٰ نے اُن کے قلوب میں ایمان پلا دیا اور راپنی ہدایت خاص کے نور سے ایسی تائید فرمائی کہ باوجود اہل وعیال اور مال و منال سے مخالطت رکھنے اور مباحات مثلاً مزدوری و تجارت و حرفت سے معاش حاصل کرنے اور جہاد میں مشغول رہنے کے (جس میں صلحاء و صلحاء، بازاریوں، منافقوں اور کافروں تک سے مخالطت کی نوبت آتی تھی) مرتبہ کمال کی چوٹی پر پہنچے ہُوئے تھے اور ان کی ساری ہمت رسول کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی متابعت اور اس سرحلقۂ محبوبان کے جمال باکمال کے ملاحظہ و زیارت میں مصروف تھی اور حضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم تمام فضائل و کمالات کے مجمع و سرچشمہ تھے۔ جب آپؐ نے ان کو سچی ارادت میں مضبوط دیکھا تو اپنے قلب مبارک کے آفتاب کا عکس ڈالا اور نظر ہدایت اثر سے ایک نگاہ ڈال کر نبوت کے انوار اور معدن رسالت کے جواہر سے مشرف و مالا مال بنا دیا۔

چنانچہ شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کچھ حق تعالےٰ نے میرے سینہ میں ڈالا تھا وہ میں نے ابوبکرؓ کے سینہ میں ڈال دیا۔" پس حضرات صحابہ کے قلوب اس نور سے روشن ہو گئے اور ان کے وجود کا چراغدان منوّر ہو گیا۔ بشری صفات ان کی بالکل مضمحل ہو گئیں اور اعلیٰ درجہ کے عابد، زاہد، صاحبانِ علم و دانش اہلِ معرفت، موحد کامل اور جملہ علوم میں راسخ و مستحکم بن گئے۔ پھر انہی حضرات کے معارف کی روشنیاں تابعین کے قلوب پر منعکس ہوئیں کہ جس نے

ان کے دل اور جان کو بھی خالص نور بنا دیا اور اسی طرح آئندہ سلسلہ چلتا رہا۔ چنانچہ حضرت صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلّم فرما چکے ہیں کہ میرے صحابہ ستاروں جیسے ہیں کہ جس کی بھی پیروی کرلوگے راہ یاب ہوجاؤ گے۔ (یہ اسی نور کی طرف اشارہ ہے جو ستاروں کی طرح بحسب فرق مراتب کم و بیش جملہ صحابہ کو ملا تھا اور دوسروں کے قلوب میں منعکس ہوکر نورانی و عارف واصل بناتا رہا)

پس جب اس آفتابِ کمالات کی ایک نگاہ اس سعادت پر پہنچائے تو اس مجالست و جلوت سے بہتر پھر کون سی خلوت ہوسکتی ہے اور کون سی عقل ہے جو ایسی صحبت پر خلوت کو اختیار کرے گی اس لئے کہ خلوت تو اسی بات کے حاصل کرنے کے لئے اختیار کی جاتی ہے جس کو صحابہ رضی اللہ تعالٰے عنہم، حضرت صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلّم کی مجالست سے حاصل کرتے تھے۔ البتہ جس کو اس نعمت (فیضانِ نبوت) کا شرف نصیب نہ ہو اس کو حضرت صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلّم کے اصل فعل یعنی خلوت نشینی کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے تاکہ الطافِ خداوندی کی مہک اور لپٹیں حاصل کرے۔ چنانچہ حضرت صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلّم فرماتے ہیں کہ تمہارے زمانہ کے ایّام میں مہک اور لپٹیں ہیں۔ پس ان خوشبوؤں اوران کی لپٹوں اور مہکوں کے سامنے آکر کھڑے ہوؤ (تاکہ ان سے متمتع و متبہج ہوسکو) اور سامنے آنا اوران خوشبوؤں کا حاصل کرنا موقوف ہے۔ احکامات کی عمدہ طریقہ اور پوری طرح سے تعمیل کرنے پر پس جس شخص کا دل اور ہمّت و توجّہ پریشان ہوگی اس کو احکامات کی تعمیل خوبی و کمال کے ساتھ نصیب نہ ہوگی ناچار وہ خلوت اختیار کرے گا تاکہ اندرونی انتشار دور ہو اور دل جمعی پیدا ہوکر ایک طرف متوجّہ ہوسکے اور جو شخص اس غرض کے لئے خلوت اختیار کرے اُسے چاہیئے کہ مداومت رکھے اور چھوڑ نہ بیٹھے۔ کیونکہ خلوت ایک نعمت ہے جو دل کو مخلوق سے فارغ بناتی اور امر خالق میں ہمت کو مجتمع کرتی۔ ارادہ و قصد کو ثابت و قوی رکھتی اور فکر کو دنیاوی نفسانی لذتوں سے غیر مانوس بنا دیتی ہے اس لئے کہ خلوت حواس ظاہری کا بند کرنا ہے اور آنکھ کا خاصہ دل کا دروازہ ہے کہ قلب کی ساری آفتیں اسی راستہ سے باہر آتیں اور شہوتیں اور لذتیں پیدا ہوجاتی ہیں۔ پس جب خلوت اختیار

کرے گا تو سارے حواس خود بند ہو جائیں گے (جن میں آنکھ بھی شامل ہے اور اس طرح پر قلبی آفتوں سے نجات مل جائے گی کہ نہ کسی کو دیکھے گا نہ مال کی حرص و ہوس یا عورتوں کی طرف میلان و رغبت وغیرہ وغیرہ پیدا ہوگی۔ مثل مشہور ہے کہ آنکھ پھوٹی پیڑ گئی)۔ پس دانش مند اور دین دار تو خلوت (کی فضیلت) کا انکار کر نہیں سکتا۔ خصوصاً جبکہ حضرت صلی اللہ تعالے علیہ وسلم کا غارِ حرا میں جا جا کر عبادت کرنا خلوت کے لئے کھلی ہوئی اصل بھی موجود ہے۔

خلوت کی مقدار بعض مشائخ نے خلوت کی مقدار چالیس روز رکھی ہے اس بنا پر کہ ابن عباس رضی اللہ تعالے عنہما نے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ جو شخص چالیس صبح حق تعالیٰ کے لئے اخلاص (کا برتاؤ) کرے گا تو حکمت کے چشمے اس کے دل اور زبان سے ظاہر ہونے لگیں گے۔ اور بعض مشائخ نے ایک مہینہ رکھی ہے اور حضرت جابر رضی اللہ تعالے عنہ کی روایت کو سند بنایا ہے۔

نیز جاننا چاہیئے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالے عنہا فرماتی ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالے علیہ وسلم کی وحی کی ابتداء تو اچھی خوابیں تھیں اس کے بعد آپؐ کو خلوت مرغوب ہوئی اور اس سے معلوم ہُوا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالے علیہ وسلم خلوت سے پہلے بھی رؤیاء صالحہ کی وحی کی بناء پر نبی تھے اور خلوت کی محبت وحی پر مرتب ہوئی۔ پس خلوت بھی امورِ دینیہ میں سے ہوئی اور قطع نظر اس سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو وحی سے پہلے بھی ناپسندیدہ افعال و اقوال سے منجانب اللہ محفوظ تھے کہ کوئی فعل یا قول ناپسند آپؐ کی ذات پاک سے سرزد نہ ہوتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ آپؐ کے بچپن میں جب خانہ کعبہ کی تجدید ہوئی اور آپؐ نے بھی تعمیر میں شرکت فرما کر ایک پتھر اُٹھایا اور تہمد کھول کر پتھر کے نیچے کندھے پر ڈالا (تاکہ کندھا بھی نہ چھلے اور چلنے میں بھی رکاوٹ نہ ہو) تو کشف عورت ہوگیا۔ جیسا کہ عرب کی عادت تھی کہ برہنہ ہونے کو عار نہ سمجھتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالے علیہ وسلم اسی وقت زمین پر گر گئے اور بیہوش ہوگئے۔ اس وقت آپؐ نے آسمان کی طرف نظر اُٹھائی اور فوراً ستر چھپا لیا۔ اس کے بعد

آپؐ کے ستر شریف کو کبھی کسی نے نہیں دیکھا۔ پس جب خلوت کا پےَ در پے فرمانا آپؐ سے ثابت ہے اور حق تعالےٰ نے اس سے آپؐ کو منع نہیں فرمایا بلکہ خلوت ہی فرشتہ کے ظہور اور وحی قرآن کے نزول کا وسیلہ ہوئی تو ہم کو معلوم ہو گیا کہ خلوت بھی دینی امر ہے۔ اگر دین کے خلاف ہوتا تو ضرور جناب رسول اللہ صلّی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کو اس کی ممانعت کی جاتی اور جس طرح خلوت حضرت صلّی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کے لئے مبارک ہوئی ہمارے لئے بھی انشاءاللہ مبارک ہو گی کہ خود حق تعالےٰ کا ارشاد ہے :۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۔ " اے اُمّتِ محمدیہ تمہارے لئے اپنے رسول کے کاموں میں اقتدا و نیک موجود ہے "

نیز ارشاد فرمایا ہے :۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۔ " اے محمدؐ! کہہ دو اگر تم حق تعالےٰ کو دوست رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو، کہ خود حق تعالےٰ تم کو دوست رکھنے لگے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا "

صحابہؓ کو حضرت صلّی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کے بعد فقہ کے احکام شرعیہ اور جہاد کی مشغولیت کے سبب خلوت کی فرصت نہ ملی۔ مگر تابعین اور تبع تابعین شریعت کے قائم و مستحکم ہو جانے کے بعد خلوت میں مشغول ہو گئے۔

خلوت کے فوائد خلوت کے فائدے یہ ہیں :۔ ہمیشہ پاک رہنا، ہمیشہ ذکر زبانی و قلبی کا وجود، کثرت تلاوت، زبان اور تمام حواس کا فضول حرکات سے بچا رہنا۔ ہمیشہ جمعہ اور جماعت کی نمازوں کا اول وقت ملنا۔ کیونکہ یہ شخص جماعت کا منتظر رہے گا اور جو منتظر نہیں رہتا (جیسا کہ جلوت اور اختلاط والوں کا حال ہوتا ہے) اکثر اوقات اس کی جماعت بھی فوت ہو جاتی ہے اور خلوت سے مراد یہی ہے کہ بالکلیہ ہمہ تن حدود شرعیہ کا اہتمام اور مصروفیت رکھے۔ یہاں تک کہ مشائخ کرامؒ سردی کے دنوں میں بھی جمعہ کے غسل کی تاکید کرتے ہیں۔ نیز خلوت کا یہ بھی فائدہ ہے کہ کھانا اس وقت کھایا جائے گا جبکہ بھوک کی پوری خواہش ہو گی اور سونا اس وقت ہو گا جب کہ نیند کا خوب غلبہ ہو گا اور خاموشی

حاصل رہے گی۔ مگر بوقتِ ضرورت اور حق تعالےٰ کے ساتھ حسن ادب اور اخلاصِ عمل اور سچی طلب اور خشوع و خضوع و عاجزی و احتیاج سوئے حق اور اس پر توکل اور دوسروں سے استغناء حاصل رہے گا۔ فخر اور ریاء دفع ہوگا اور مخلوق سے طمع فاسد چھوٹ جائے گی۔ یہی ہے اہلِ دین کی خلوت اور اس جیسے فعل مستحسن کا انکار کرنے والا شخص جاہل و متعنت ہے۔

نکتہ:۔ نبوت جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم میں پوشیدہ تھی۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں :۔

کنت نبیاً و اٰدم بین الماء والطین ۔ "میں نبی تھا اور آدمؑ ہنوز روح اور بدن ہی میں تھے۔"

اور ایک روایت میں آتا ہے کہ پانی اور مٹی ہی میں تھے (کہ ابھی پتلہ بھی نہ بنا تھا) پس جب اس عالمِ ظاہر میں نبوت کا ظہور چاہا تو خلوت اختیار کی اور ماسوی اللہ سے انقطاع فرمایا۔ اسی طرح ولایت دلی میں پوشیدہ ہے اور اس کے ظاہر ہونے کو گوشہ نشینی کی حاجت ہے۔

حضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انسان چاندی سونے کی کان کی مثل ہے۔" پس جس طرح چاندی اور سونا کان سے محنت و مشقت سے باہر نکلتا ہے اسی طرح کمالات کے انوار مشقت و مجاہدہ کے بعد ہی چمکتے ہیں۔ اسی سبب سے کثرتِ ذکر اور تلاوت اور ہمیشہ باوضو رہنے اور نماز و روزہ کے پابند بننے اور شہوات و لذات کے چھوڑنے اور مراقبہ و حضور بخدائے تعالےٰ اور اس سے مناجات و دعا کرنے کی ضرورت پڑی اور یہ سب باتیں اکثر آدمیوں کو خلوت کے بغیر دشوار ہیں۔

تنبیہ | حق تعالےٰ نے فرمایا ہے :۔ لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ۔ (اُن کی آنکھیں اندھی نہیں ہیں بلکہ اُن کے دل اندھے ہیں) پس دل کا اندھا وہ ہے جو عظمتِ الٰہی کے انوار کا مشاہدہ کرنے سے محروم ہوا اور اس اندھے پن کا سبب شیطانی و نفسانی وسوسوں کا ہجوم اور ذکر اللہ سے روگردانی ہوتا ہے۔ چنانچہ حق تعالےٰ فرماتا ہے کہ جو شخص ذکر سے باز رہتا ہے اس پر ہم شیطان

کو مسلط کر دیتے ہیں اور علاج اس اندھے پن کا ذکر کی کثرت اور نفس کا تزکیہ و تصفیہ کر لینا ہے تاکہ آہستہ آہستہ باذنِ خداوندی اس کے حجاب اُٹھ جائیں اور مطلوب تک پہنچ جائے اور جمعیت یعنی خلوت در جلوت نصیب ہو جائے۔ چنانچہ فخر رسل علیہ السلام نے اس ارشاد میں کہ "فقہ حاصل کرو اور یکسو رہو" اسی جمعیت قلب کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور جب قلب ذکر سے قوت پاتا اور متمکن الحال بن جاتا اور خلوت اور اختلاط دونوں برابر ہو جاتے ہیں تو اب اس کو آدمیوں میں رہنا اور اختلاط نقصان نہیں پہنچاتا۔ یہی ہے جس کو جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ باجسام لوگوں کے ساتھ رہو اور بدل ان سے جدا رہو۔ اور یہی رمز ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس قول میں کہ ملنے جلنے والا مسلمان بہتر ہے یکسو رہنے والے مسلمان سے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔

حاصل کلام

اے عزیز! کوشش کر تاکہ تیرے دل کی آنکھ کھل جائے اور انوار عظمت الٰہی کا مشاہدہ ہو اور جو شخص صفائے اندرون و جلائے قلب کے اس مقام پر نہیں پہنچا اور مردانِ خدا کے مرتبے میں نہیں آیا وہ اندھا ہے اگرچہ دونوں آنکھیں اس کی کھلی ہوتی ہوں اور حق تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ جو دنیا میں (مشاہدہ حق سے) اندھا ہے وہ آخرت میں بھی (زیارتِ رب سے) اندھا ہوگا۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ راستہ سے بھٹکا ہوا۔"

پس ہوش میں رہ اور اعتراض مت کر کیونکہ اصل خلوت کا ثبوت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ہو گیا۔ اور اگر تیری فہم خلوت کے مذکورہ اسرار تک نہ پہنچے تو تُو اس نعمت کے لئے پیدا ہی نہیں ہوا تو اس نعمت والوں (پر طعن و اعتراض) سے زبان کو تو محفوظ رکھ اور ان حضرات پر حسد مت کر کہ خلوت والا تو اپنے ظاہری اور باطنی حواس کو گناہوں سے اور اپنے پیٹ کو اپنا دین محفوظ رکھنے کے لئے حرام اور مشتبہات سے محفوظ رکھتا اور حق تعالےٰ سے ڈر کر خلوت کو اختیار کرتا ہے اور تو (خلوت کا منکر و غیر معتقد بن کر) ان باتوں سے منع کرتا ہے اور مومن کی یہ شان

نہیں ہے کہ حفاظتِ دین کی سعی کرنے والے کو تشویش اور پریشانی پہنچائے اور ترس کھا اپنے اُوپر اور اپنے دین پر کہ دین کی حفاظت سے (دوسروں کو) باز رکھتا ہے (جو صریح بددینی اور مناع للخیر کا مصداق ہے) اور بتہیرے مرید ایسے ہیں کہ خلوت کے بغیر ان کو دل اور دین کی حفاظت حاصل نہیں ہو سکتی۔ پس ان کو جلوت میں رہ کر دین کے محفوظ رکھنے کی تکلیف دینا ناقابلِ برداشت تکلیف دینا اور صریح ظلم کرنا ہے۔ حالانکہ حق تعالےٰ خود یوں فرماتا ہے :-

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا ۔ "میں ہر شخص کو اس کی طاقت کے موافق ہی تکلیف دیتا ہوں۔"

اور ہر مُسلمان جانتا ہے کہ خلوت شرع میں جائز ہے کوئی حرام نہیں ہے۔ پس اعتراض کس طرح صحیح ہو سکتا ہے اور اللہ تعالےٰ کا قول جو نقل ہے ابراہیم علیہ السلام کے قول کی کہ :-

اِنِّیْ ذَاھِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَھْدِیْنِ ۔ "میں اپنے پروردگار کی طرف جاتا ہوں۔"

خلوت ہی کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ یہ جانا ابراہیم علیہ السلام کا وطن اور برادران کو چھوڑنا اور اہلِ زمانہ سے مفارقت اختیار کرنا تھا اور یہی خلوت سے مراد بھی ہے نیز دوسری جگہ حضرت ابراہیمؑ ہی کے ذکر میں وارد ہے کہ فَلَمَّا اعْتَزَلَھُمْ (جب ابراہیمؑ نے ان سے عزلت اختیار کی) تو ہم نے ان کو اسحٰق و یعقوب عطا کئے۔" نیز مریمؑ کے قصہ میں ارشاد فرمایا ہے :-

کُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْھَا زَکَرِیَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَھَا رِزْقًا ۔ "جب کبھی ذکریا محراب میں مریم کے پاس جاتے تو ان کے پاس رزق (خلافِ موسم پھل رکھے ہوئے) پاتے۔"

اور یہ محراب (دریچہ) مریم علیہا السلام کا خلوت خانہ ہی تو تھا۔ اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا ہے :-

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰی ثَلٰثِیْنَ لَیْلَۃً وَّاَتْمَمْنٰھَا بِعَشْرٍ ۔ "ہم نے تیس رات کا وعدہ دیا اور دوسری دس راتوں سے میعاد کو پورا کر دیا۔"

اور یہ میعاد ترک وطن و قوم خلوت ہی کی مدت ہے اور اسی طرح حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام بھی لوگوں سے خلوت کرتے تھے۔ چنانچہ منقول ہے کہ داؤد علیہ السلام ایک دن کچہری کرتے اور ایک روز عبادت کرتے اور ایک روز وعظ فرمایا کرتے تھے۔ اور جب سلیمان علیہ السلام کی وفات کا وقت آگیا اور بیت المقدس کی تعمیر میں ایک سال کا کام باقی تھا تو وصیت فرمائی کہ میرے انتقال کو ظاہر نہ کرنا اور لاٹھی پر سہارا لگائے کھڑا رکھنا۔ چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا اور جنات آپ کو زندہ سمجھ کر کام کرتے رہے۔ پس اگر سلیمان علیہ السلام خلوت کے عادی نہ تھے تو جنات نے آپ کو بلایا کیوں نہیں؟ بلکہ یوں ہی سمجھا کہ اپنی عادت کے موافق گوشہ میں ہیں۔ اور جب حضرت سلیمان علیہ السلام (لاٹھی کو گھن کے کھا جانے سے) زمین پر گر گئے تب ان کو معلوم ہوا کہ وفات پا چکے تھے۔ پس ثابت ہوا کہ خلوت انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔ اور جو شخص خلوت پر اعتراض کرتا ہے وہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام پر اعتراض کرتا ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

جاننا چاہیئے کہ بعض مشائخ تو برابر خلوت میں رہتے ہیں یہاں تک کہ کام انجام کو پہنچ جائے اور (تکمیل ہو جانے کے سبب) حق تعالیٰ ان کو مخلوق کی ہدایت و ارشاد کا حکم فرما دے اور بعض دو خلوتوں کے درمیان ایک ہفتہ کا آرام لیتے ہیں اور یہ صورت بہتر معلوم ہوتی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مجاہدہ کے موافق ہے۔ جیسا کہ حضرت جابر و عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہما کی روایت گذشتہ سے معلوم ہوا کہ آپؐ ایک دو ہفتہ سے لے کر ایک ماہ تک (غار حرا میں) عبادت کرتے اور پھر (شہر میں) تشریف لے آیا کرتے تھے۔ نیز حضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے ارشاد فرمایا کہ تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے۔ پس شب بیداری بھی کرو اور نیند کا آرام بھی حاصل کرو اور یہ حکم اسی وجہ سے ہے کہ ساری عبادتیں نفس ہی کے وسیلہ سے ہوتی ہیں اور نفس بمنزلہ گھوڑے کے ہے (کہ اس پر سوار ہو کر مقصود تک پہنچتے ہیں) پس اگر ہمیشہ خلوت میں رہے گا اور نفس کو سخت پکڑے گا تو وہ گھبرا اٹھے گا اور صبر

نہ کر سکے گا۔ پس بدی اور شرارت و سرکشی کرے گا اور شیطان کو موقع مل جائے گا کہ وسوسہ اندازی کرے۔ پس ممکن ہے کہ سالک کو تباہ کر دے اور خلوت سے بالکل ہی اٹھا دے اور اتنا متنفر بنا دے کہ پھر بجز خاص فضلِ خداوندی کے خلوت میں آنا ہی ممکن نہ رہے اور اگر کبھی کبھی اس کو آرام بھی دے دیا کرے گا تو ضرور اس کی رغبت بڑھ جاوے گی اور دوسری خلوت میں پورے شوق اور ارادہ کے ساتھ خوب ریاضت کرے گا اور ایامِ تعطیل کا بھی تدارک کر دے گا اور اطمینان و آرام کے ساتھ رہے گا اور سالک کے ساتھ نزاع نہ کرے گا اور برے خیالات کم آئیں گے اور قلب کا نزاع رفع ہو جائے گا اور اس سالک کو چند روز اور تھوڑی ہی سی مدت میں اس قدر فتوح اور فوائد حاصل ہوں گے کہ کسی دوسرے کو مدت دراز میں بھی اتنے نصیب نہ ہوں گے۔

فصل ۸

دوامِ ذکر پانچویں شرط یہ ہے کہ ذکر زبانی اس کے معنی کو قلب میں حاضر کر کے پوری شدت اور طاقت کے ساتھ خفیہ یا بالجہر جیسا بھی اس کو تلقین کیا گیا ہے ہمیشہ کرتا رہے، یہاں تک کہ ذکر کا اثر اس کی رگوں میں پہنچ جائے اور سب سے بہتر ذکر جیسا کہ حدیث میں آیا ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے۔ حق تعالیٰ نے حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اسی کلمہ کے معلوم کرنے کو ارشاد فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا فَاعْلَمْ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یعنی پس جان لو اے محمدؐ! کہ کوئی معبود نہیں بجز حق تعالیٰ کی ذات کے۔ اور جب ذکر کرنے والا ایک مدت تک پورے حضور اور کامل تعظیم کے ساتھ ذکر زبانی پر مداومت رکھتا ہے تو ذکر قلبی اور ذکر کے ساتھ قلب کا اطمینان حاصل ہو جاتا ہے جس کو حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:۔

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۝	"آگاہ ہو جاؤ کہ قلوب اللہ تعالیٰ ہی کے ذکر سے قرار و طمانیت پاتے ہیں"

اور حق تعالیٰ اور اس کے ذکر سے انس اور مخلوق اور ان سے ملنے جلنے سے

وحشت جو قلب کی خلوت سے مانع ہے پیدا ہو جاتا ہے اور جب ذکر میں قلب درجۂ استغراق کو پہنچ جاتا ہے تو ذکر زبانی چھڑا دیتے ہیں اور اللہ تعالےٰ کی طرف توجہ میں مشغول کر دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ ذات سے منقطع ہو کر منقطعین کے مقام یعنی وقوف در صفات میں آجاتا ہے۔

بیہقیؒ کہتے ہیں کہ بایزید رحمۃ اللہ تعالےٰ سے لوگوں نے پوچھا کہ معرفت کی حقیقت کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ حیرت و پریشانی بذکر اللہ یعنی مذکور (ذات حق تعالےٰ) میں کمال حضور کے سبب ذکر کو بھی حیرانی جاننا ہے اور انہی سے جہل کی حقیقت دریافت کی تو فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کی یاد سے غفلت کا نام جہل ہے۔

نجم الدین کبری رحمۃ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ سالک جب ذکر زبانی پر مداومت کرتا ہے تو مدّت دراز کے بعد اس حد پر پہنچ جاتا ہے کہ زبان کے ذکر سے اس کے دل کو تکان محسوس ہوتا اور پریشان ہونے لگتا ہے۔ پس حضور قلب کی وجہ سے اس کی زبان ذکر سے رُک جاتی ہے اور بجز فرض و سُنّت نماز کے جس کے لئے اس کا قلب فتویٰ دیتا ہے اور کوئی ذکر برسوں اس کی زبان پر جاری نہیں ہوتا۔ ہاں فرائض اور سنن مؤکدہ کا چھوڑنا (اگرچہ اس میں بھی ذکر زبانی ہے) ہرگز گوارا نہیں کرتا اور یہی قلب ہے جس کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ "اپنے دل سے فتویٰ لے اگرچہ لوگ تجھ کو فتویٰ دے چکے ہوں۔"

اور یہ شخص اگرچہ زبان سے ذکر نہیں کر سکتا مگر صاحب ایمان و صاحب ایقان ہے اور اب اس کا ذکر انسی ذکر قدسی سے بدل جاتا ہے اور ذکر حقیقی یعنی مذکور میں فنا ہو جانے کے اندر مشغول ہو جاتا ہے اور ذکر صوری سے باز آجاتا ہے اور یہی معنی ہیں صُوفیہ کے اس قول کے کہ جو انہوں نے کہا ہے کہ زبان کا ذکر لقلقہ ہے اور قلب کا ذکر وسوسہ ہے۔ کیونکہ حقیقی ذکر یہ ہے کہ اس سے بالا ہو کر مذکور میں فناء ہو جائے۔

قلب کی اصلاح کا طریقہ ذکر و فکر

جان لو کہ حق تعالیٰ قلب کی اصلاح ذکر کے واسطہ سے فرماتا ہے۔ اس لئے کہ قلب کا مطلوب و محبوب حق تعالیٰ اور اس کی صفت کا ذکر ہے۔ پس اپنے محبوب کے ذکر سے قلب غذا اور قوت پاتا اور مطہر و منور و مصفا و مقرب بن جاتا ہے اور جس ... کو حق تعالے محبوب بناتا اور اپنا تقرب بخشتا اور نبوت یا ولایت کے مرتبہ پر پہنچاتا ہے اوّل اس قلب پر اپنا ذکر مسلط فرماتا ہے تاکہ اس ذکر کی روشنی و تصرف سے دل پاک اور نورانی بن جائے اور تمام اذکار میں کلمہ طیبّہ کہ خاص توحید کے لئے ہے سب سے برتر اور مفید تر ہے اور حق تعالے نے قرآن شریف میں دو جگہ اس کا ذکر صراحت کے ساتھ فرمادیا ہے۔ ایک سورۃ صافات میں وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ یَسْتَكْبِرُوْنَ ٥ (جب کافروں سے کہا جاتا ہے کہ کوئی معبود نہیں بجز اللہ کے تو وہ تکبر کرتے ہیں۔) اور دوم سورۃ قتال میں فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ "یعنی جان لو کہ حق تعالے ہی کی ذات پاک خدائی کی مستحق ہے اور دوسرا خدائی کا سزاوار نہیں اور چونکہ یہ کلمہ توحید کی صحت کے لئے ہے۔ پس ضرور فائدہ میں تمام اذکار سے بہتر ہے۔ کیونکہ توحید ہی جملہ طاعات کا راز ہے اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تمام اذکار میں افضل ہے۔

سہیل تستریؒ نے فرمایا ہے کہ جنت تو معاوضہ ہے تمام اعمال کا اور کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی بجز دیدارِ حق سبحانہٗ کے کوئی جزا نہیں ہوسکتی۔ یہی کلمہ ہے جس کو اگر کافر کہہ لے تو اس کے کفر کی ظلمت دُور ہو جائے اور اس کے دل میں ایمان کا نُور پیدا ہو جائے اور اگر مسلمان کہے تو گو دن میں ہزار بار کہے ہر دفعہ اس کے کہنے سے کچھ نہ کچھ کثافت ضرور دُور ہوگی اور اس کا مرتبہ بلند کرے گا اور حق تعالے کے مرتبۂ علم کی کچھ انتہا نہیں اس لئے اگر بے انتہا بھی اس کلمہ کو پڑھے گا تو بے انتہا مراتب پائے گا اور یہی وجہ ہے کہ جب حضرت صلی اللہ تعالے علیہ وسلم کو حکم ہُوا کہ "جان لو بجز ذاتِ حق تعالے کے کوئی بھی معبودِ حقیقی نہیں، تو آپؐ نے فرمایا کہ "مَیں نے جان لیا" کیونکہ

اللہ کو جاننے اور اللہ تعالےٰ کی معبودیت کو جاننے کی ہرگز کوئی انتہا نہیں (پس گو حق تعالےٰ کے معبود ہونے کا علم آپؐ کو پہلے سے حاصل بلکہ ساری مخلوق سے زیادہ حاصل تھا کہ آپؐ رئیس الموحدین ہیں۔ مگر جب یہ علم ہی بے حد و پایاں ہو تو ترقی کے لئے اس کے معلوم کرنے کا حکم دینا بھی صحیح ہے اور تعمیل میں یوں کہنا بھی صحیح ہے کہ مَیں نے جان لیا۔ یعنی پہلے علم پر ایک درجہ علم اور بڑھالیا۔ اسی طرح ہر بار حکم ہو اور ہر آن تعمیل تب بھی علم غیر متناہی ختم نہ ہو) اور جب ابراہیم خلیل اللہ علیہ السّلام کو ارشاد ہُوا کہ اسلام لاؤ۔ تو حضرت خلیل اللہ نے عرض کیا کہ مَیں اسلام لاچکا ہوں اللہ پر جو رب ہے تمام جہانوں کا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کے معنی ظاہر ہیں جب ظاہری اطاعت بجالائے مُسلمان ہو گئے (پس نہ اُس کے مراتب غیر متناہی ہیں نہ اس حکم کی تعمیل میں یہ جواب دینا صحیح تھا کہ اسلام لایا یعنی پہلے اسلام پر اور ترقی کرلی) برخلاف علم کے وہاں یہ جواب دینا کہ مَیں جان چکا ہوں صحیح نہ تھا کیونکہ اس سے علم توحید کے محدود اور ناقابلِ ترقی ہونے کا شُبہ ہوتا تھا) اور بعض صوفیہ نے کہا ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہنے والے کو چار چیزیں ضرور حاصل ہونی چاہییں۔ ایکؔ تصدیق (کہ دل سے بھی حق تعالےٰ کے ساتھ معبودیت کو خاص سمجھے ورنہ) اس کے بدون کلمۂ توحید کا اقرار نفاق ہے۔ دوؔم اس ذکر کی تعظیم (کہ اس کو سب سے بڑا سمجھے) ورنہ بدعتی ہے۔ سوؔم اس ذکر میں حلاوت و شیرینی حاصل ہو ورنہ ریاء ہے۔ چہارؔم اس ذکر کا احترام کرے اور اگر احترام نہ کرے گا تو فاسق ہے۔

نقل ہے کہ سہیل تستری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جمعہ کے دن مسجد سے باہر نکلے تو لوگوں کو یہ کہتے سُنا کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے کہنے والے تو بہت ہیں مگر ان میں اخلاص والے کم ہیں اور یہ چاروں مذکورہ خصلتیں بدرجہ کمال بجز حضرت محمد رسول اللہ صلّی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کے اور کسی کو حاصل نہیں ہوئیں اور اسی وجہ سے آپؐ کو ان کلمات کے علم کا حکم ہُوا۔ اس لئے کہ حکم اسی کو دیا جاتا ہے جو اس کام کے کرنے کی قابلیّت رکھتا ہو اور آپؐ کا قلب مبارک ذاتی عظمت کی وجہ سے ان کلمات کے علم کا مکلف بننے کا قابل تھا اور دوسرے

کو صرف اس کلمے کے کہنے کا حکم ہوا نہ کہ علم کا اس لئے کہ دوسروں کے لئے عدم قابلیت کی وجہ سے علم کا حکم تکلیف مالا یطاق تھا۔

اللہ جلّ شانہٗ کی یاد

جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ کی یاد طالبین محبّین پر ہر حالت میں فرض ہے۔ چنانچہ ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ارشادِ خداوندی فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ خدا تعالےٰ کا ذکر کرو رات اور دن اور خشکی میں اور دریا میں اور سفر میں اور حضر میں اور تونگری میں اور فقر میں اور تندرستی میں اور مرض میں اور خفیہ اور اعلانیہ۔ اور بعض صوفیہ نے فرمایا ہے کہ ہر فرض عبادت کی حق تعالےٰ نے کوئی نہ کوئی حد اور انتہا ضرور مقرر فرمائی ہے اور عذر کے وقت معذور بھی قرار دیا ہے مگر ذکر کی کوئی بھی حد نہیں جہاں پہنچ کر ختم ہو جائے اور نہ کوئی عذر بھی قابلِ سماعت نہیں کیونکہ بجز مجنون کے اس میں کوئی معذور نہیں اور اگر کسی کو معذور قرار دیتے تو وہ حضرت زکریا علیہ السلام ہوتے کہ باوجود بڑھاپے اور اس قدر ضعف کے کہ بات تک کرنے کی طاقت نہ تھی اس طرح حکم ہوا:۔

اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّ سَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ۝	"تمہارے لڑکا پیدا ہونے کی نشانی یہ ہے کہ تین دن کسی آدمی سے کلام نہ کرو گے، مگر اشارہ کے ساتھ اور خدا تعالےٰ کا ذکر بکثرت کرتے رہنا"

اور اگر کسی کے لئے ذکر کے ترک میں کوئی عذر قابلِ لحاظ ہوتا تو غازی و مجاہد کا شغل ہوتا مگر ان کو بھی باوجود مشقت اور مشغولی کے یوں حکم ہے:۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝	"اے ایمان والو! جب کافروں کے ساتھ جنگ کیا کرو تو پاؤں جمائے رکھو اور اللہ کا ذکر بہت کرو تاکہ فلاح پاؤ"

نیز قیامت کے دن ساری عبادتیں نماز روزہ وغیرہ ساقط ہو جائیں گی اس لئے کہ عالمِ آخرت میں بندے مکلف نہ ہوں گے مگر ذکر آخرت میں بھی زائل نہ ہوگا چنانچہ حق تعالیٰ

ارشاد فرماتا ہے :-

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَذْھَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۔ "اہلِ جنت کہیں گے کہ حمد ہے اللہ تعالےٰ کی جس نے ہم سے غم دُور کیا"

اور دُوسری جگہ آیا ہے کہ یوں کہیں گے" حمد ہے اللہ تعالےٰ کی جس نے پورا فرمایا جو کچھ ہم سے وعدہ کیا تھا" نیز فرمایا ہے کہ بہشت والوں کی صدا سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ ہو گی۔ (کہ یا اللہ تُو پاک ہے) اور ملاقات کے وقت کا تحفہ اُن کا سلام علیک ہو گا۔ اور دُوسری صدا اُن کی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ہو گی (کہ حمد ہے اللہ رب العٰلمین کے لئے) اور دوسری جگہ آیا ہے کہ کوئی معبود نہیں بجز اللہ کی ذات کے اور وہی حمد کے لائق ہے، دُنیا میں اور آخرت میں۔ پس معلوم ہُوا کہ اِس جہان میں اور اُس جہان میں دونوں ہی جگہ اس کی تسبیح و تحمید کا ذکر جاری رہے گا اور تسبیح و تحمید کی مواظبت ذکر ہی کی مواظبت ہے۔ کیونکہ سُبْحَانَ اللّٰہِ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کے ضمن میں توحید موجود ہے اور یہ بھی منجملہ اذکار ہی کے ہیں۔

کلمہ طیبہ کے فضائل

جان لے کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ طاعات میں ریا ہو سکتا ہے اور صدقہ میں مشتبہ مال کی آمیزش بھی ہو سکتی ہے۔ مگر کلمہ طیبہ کو کوئی ایمان والا اخلاص کے بغیر نہ کہے گا اور جو شخص صدق و اخلاص کے بغیر کہے گا وہ صاحبِ ایمان ہی نہیں بلکہ منافق ہے کہ عذابِ آخرت سے (کافروں کی طرح) کبھی نجات نہ پاوے گا اور ہماری گفتگو ایمان والوں کی عبادت میں ہو رہی ہے۔ پس مومن کے کلمہ توحید میں ریاء نہیں ہو سکتا برخلاف مومنین کی اور عبادتوں کے (کہ سب میں ریاء ممکن ہے)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حق تعالےٰ جنت کے دروازے کھول دے گا اور عرش کے نیچے سے ہاتف غیبی آواز دے گا کہ اے جنت اور اے جنت کی نعمتو بتاؤ تم کس کے لئے ہو؟ پس جنت اور اُس کی نعمتیں جواب دیں گی کہ ہم لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ والوں کی مشتاق ہیں، ہم لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ والوں کے سوا کسی کے

خواہاں نہیں اور ہم میں بجز لا الٰہ الا اللہ والوں کے کوئی داخل نہیں ہوسکتا۔ اور جس نے لا الٰہ الا اللہ نہیں کہا ہم اُس پر حرام ہیں اور بجز لا الٰہ الا اللہ کے ہم کسی کا یقین نہیں کریں گے۔ اور اس وقت دوزخ اور اس کا عذاب یوں کہے گا کہ میرے اندر بجز لا الٰہ الا اللہ کا انکار کرنے والے کے کوئی نہ آئے گا اور بجز لا الٰہ الا اللہ کو جھٹلانے والے کے میں کسی کی خواہاں نہیں ہوں اور لا الٰہ الا اللہ کہنے والے پر میں حرام ہوں اور میں نہ بھروں گی مگر لا الٰہ الا اللہ کے منکر سے اور میرا غصّہ اور شور اسی پر ہے جس نے انکار کیا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا۔ اس کے بعد حق تعالےٰ کی رحمت اور مغفرت یوں کہتی ہوئی آئے گی کہ میں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ والوں کے لئے ہوں اور لا اِلٰہ اِلَّا اللہ کہنے والوں کی مددگار ہوں اور میری عنایتیں لا اِلٰہ اِلَّا اللہ کہنے والوں ہی پر ہیں اور میں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہنے والوں ہی کی محب ہوں اور جنّت لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہنے والوں پر حلال اور مباح ہے کہ دبے تکلف نفع اُٹھائے اور لا اِلٰہ اِلَّا اللہ نہ کہنے والے پر حرام ہے۔ سارے گناہوں کی بخشش لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ والوں ہی کے لئے ہے اور مغفرت و رحمت کا لا اِلٰہ اِلَّا اللہ والوں پر پردہ نہیں۔

ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما نے آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ والوں پر نہ مرنے کے وقت وحشت ہوتی ہے نہ قبروں سے اُٹھنے کے وقت اور گویا میں دیکھ رہا ہوں لا اِلٰہ اِلَّا اللہ والوں کی طرف کہ صور پھونکے جانے کے وقت اپنے بالوں سے خاک جھاڑتے ہوئے اُٹھ رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ شکر ہے خدا تعالےٰ کا کہ ہم سے غم دُور کیا۔ اور بعض صُوفیہ نے کہا ہے کہ قیامت کے دن سوُرج اور چاند اور سارے ستارے اندھے و بے نور ہوں گے۔ چنانچہ حق تعالےٰ نے سورۂ تکویر میں ذکر فرمایا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس روز کلمہ طیبہ کا نور جلوہ فرما ہوگا اور ستاروں کا نورِ مجازی ذکر کے نورِ حقیقی کے سامنے ماند پڑ جائے گا کیونکہ ذکر کا نُور خداوندی ہے اور چاند و سوُرج و ستاروں کا نور مجازی ہے اور مجاز حقیقت کے سامنے ماند و محو ہو جاتا ہے۔ پس اس وجہ سے تمام انوار بلکہ تمام اشیاء کا وجود اللہ تعالےٰ جل شانہٗ کے وجود پاک کے سامنے بجھا ہوا ہوگا۔ چنانچہ

حق تعالےٰ نے فرمایا ہے :-

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ - "ہر شے ہلاک ہوجائیگی بجز حق تعالیٰ کی ذات پاک کے "

نیز مردی ہے کہ جب کوئی بندہ کلمۂ توحید کہنے سے گویا تمام کفار پر حملہ کرتا ہے اس وجہ سے ان سب کی تعداد کے موافق ثواب پاتا ہے۔ اور ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے فرمایا ہے کہ کوئی معبود نہیں بجز خدا تعالےٰ کے اور کسی کو نقصان پہنچانے والا یا عزت و ذلت بخشنے والا یا دینے والا یا روکنے والا کوئی نہیں بجز حق تعالےٰ کے۔ اور بعض علماء سے لوگوں نے پوچھا کہ حق تعالےٰ نے سورۂ حج میں معطل و بے کار کنوئیں اور مضبوط محل کا ذکر فرمایا ہے اس سے کیا مراد ہے ؟ انہوں نے فرمایا کہ چاہ معطل تو کافر کا دل ہے کہ کلمہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه سے معطل ہے اور قصر مضبوط مومن کا دل ہے کہ اس کلمہ سے معمور و آباد ہے۔

ذکر اللہ کے فضائل

نیز حق تعالےٰ فرماتا ہے :- فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ۔ (اگر تم مجھ کو یاد کرتے ہو میں تم کو یاد کرتا ہوں) اسی مقام سے حضرت ثابت بنانی نے (استنباط کرکے) فرمایا ہے کہ مجھ کو معلوم ہے جب حق تعالےٰ مجھے یاد فرماتا ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ یہ آپ کو کیونکر معلوم ہوتا ہے تو انہوں نے کہا کہ جب میں اس کو یاد کرتا ہوں تو جان جاتا ہوں کہ وہ مجھ کو یاد کرتا ہے۔

نیز حق تعالےٰ فرماتا ہے کہ " خدا کا ذکر بہت کرو" اور فرمایا ہے :-

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا - " ذکر کر اپنے رب کے نام کا اور ہمہ تن اس کی طرف منقطع ہو جا "

ابوسعید خدری رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے روایت کی ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ قیامت کے دن خدا تعالےٰ کے نزدیک افضل مراتب والا کون سا عابد ہوگا ؟ آپ نے فرمایا کہ " بکثرت ذکر کرنے والا "۔ میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ! کیا خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے سے بھی زیادہ ؟ آپ نے فرمایا کہ " اگر غازی تلوار کے ساتھ کافروں سے قتال کرے یہاں تک کہ اس کی تلوار بھی ٹوٹ جائے اور وہ زخم

کھا کر خون میں رنگ جائے تب بھی اللہ تعالےٰ کا ذکر کرنے والا شخص درجہ میں اس سے بہتر ہو گا۔" نیز حضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا کہ یقیناً اللہ تعالےٰ کا ذکر صبح شام افضل ہے، خدا تعالےٰ کی راہ میں کثرت مقاتلہ کے سبب تلوار ٹوٹ جانے سے۔ اور افضل ہے اُس صدقہ سے جو بخل (یعنی تندرستی کی) حالت میں ہو (جب کہ درازی عمر کی توقع پر مال کے دینے میں اکثر آدمی کنجوس ہو جاتے ہیں) نیز آپؐ نے فرمایا ہے کہ چلو لپکو اے لوگو! کہ مُفَرِّدُون آگے بڑھ گئے۔ صحابہؓ نے پوچھا کہ مُفَرِّدُون کون لوگ ہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ ذکر پر بہت حرص کرنے والے کہ ذکر نے اُن کے گناہوں کا بوجھ اُن سے دور کر دیا۔ پس قیامت کے دن وہ لوگ ہلکے پھلکے آئیں گے۔" پس سُن لے اے عزیز کہ بصیرت والوں پر منکشف ہو چکا ہے کہ ذکر تمام اعمال میں بہتر ہے اور اسی سبب سے ذکر کی شان بہت ہی بلند ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۔ "واقعی اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے۔"

ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما نے اس آیت کی تفسیر کے متعلق فرمایا ہے کہ اس کے دو معنی ہیں ایکؔ یہ کہ خدا تعالےٰ کا تم کو یاد کرنا تمہارے حق تعالےٰ کو یاد کرنے سے بہت برتر اور بہتر ہے۔ دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ کی یاد تمام طاعتوں سے بڑی طاعت ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ حق تعالےٰ فرماتا ہے کہ جب تک بندہ میرا ذکر کرتا اور اپنا ہونٹ میرے ذکر سے ہلاتا رہتا ہے میں اپنے بندہ کے ساتھ ہوتا ہوں۔" اور حضرت صلی اللہ تعالےٰ سے دریافت کیا گیا کہ کون سا عمل افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ "اللہ تعالےٰ کے ذکر سے زبان تر ہو اور اسی میں موت آجائے۔" اور ذاکر سارے سالکوں میں عمدہ اور بہترین طالب خدا ہے اور کوئی شخص ذکر کے بغیر واصلِ حق نہیں ہوتا۔ کیونکہ ذکر کی ابتداء بھی خدا تعالےٰ ہی کی طرف سے ہے اور اس کی انتہا بھی خدا تعالےٰ ہی ہے۔ قرآن شریف میں ارشاد ہوتا ہے:-

اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ۔ "خدا تعالیٰ کی طرف کلماتِ طیبات ہی چڑھتے ہیں اور نیک عمل کو کلمہ توحید اونچا لے جاتا ہے۔"

نیز ذکر بندۂ ذاکر کو مذکور کے ساتھ واصل بنا دیتا ہے بلکہ ذاکر کو مذکور حق کر دیتا ہے (کہ حق تعالیٰ اُس کا ذاکر بن جاتا ہے) چنانچہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر تم مجھ کو یاد کرو گے مَیں بھی تم کو یاد کروں گا۔ نیز جان لے کہ غرض جملہ عبادات سے یہی ذکر ہے۔ اور حق تعالیٰ کا قول اس کا گواہ ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے:۔

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ ۔ "نماز قائم کر میرے ذکر کے لئے"

اور ذکر سے مقصود یہ ہے کہ مذکور (یعنی حق تعالیٰ) کی معرفت و محبت اور فناء و بقاء سے مذکور تک پہنچ جائے اور توحید اور ایمان میں کمال حاصل ہو جائے۔ حق تعالےٰ تمہیں اور ہمیں نصیب فرماوے۔ آمین!

نیز حق تعالیٰ نے ذکر کی کیفیت کے متعلق یہ ارشاد فرمایا ہے:۔

فَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَذِکْرِکُمْ اٰبَآءَکُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا ۔ "جس طرح اپنے باپ دادا کو یاد کرتے ہو کہ محبت بھی ہوتی ہے اور فخر بھی اسیطرح خدا تعالیٰ کو یاد کرو بلکہ اپنے باپ دادا کو بھی یاد کرنے سے زیادہ"

نیز ارشاد فرمایا ہے:۔

اُذْکُرْ رَّبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ تَضَرُّعًا وَّخِیْفَۃً وَّدُوْنَ الْجَھْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَکُنْ مِّنَ الْغٰفِلِیْنَ ۔ "یاد کرو اپنے رب کو اپنے دل میں خوف اور عاجزی کے ساتھ آہستہ آواز سے ہر صبح و شام اور مت ہو غافلوں میں سے"

آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ ہر صبح و شام اللہ تعالےٰ کے ذکر سے زبان تر رکھو اور ہر صبح یا شام ایسی حالت میں کر کہ تجھ پر کوئی بھی گناہ نہ ہو۔

ذکر اللہ کے آداب و شرائط پس جان لو کہ ذکر کے لئے چند آداب اور شرائط ہیں جن کا رعایت ضروری ہے تاکہ اس سے برکات کے ثمرات اور نتائج و فوائد پیدا ہوں۔ منجملہ اس کی شرائط کے یہ ہے کہ بہترین ذکر یعنی نفی اثبات (لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ) پر مواظبت کرے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "اے ایمان والو تقویٰ اختیار کرو اور قول سدید کہو" اور قول سدید کی تفسیر کلمہ طیبہ سے کی گئی ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم

نے فرمایا ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہو تاکہ فلاح پاؤ۔ نیز شرط ہے کہ ذکر کرنے والا اپنے بدن، کپڑے اور اپنی جگہ کو پاک کرے اور وضو و غسل سے طہارتِ کاملہ حاصل کر کے چہار زانو رُوبقبلہ بیٹھے اور دونوں ہاتھ اپنی رانوں کے سرے پر (گھٹنوں کے قریب) رکھے۔ یا داہنے ہاتھ کی پُشت کو بائیں ہاتھ کی انگلیوں سے تھامے اور دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کا بیرونی حصہ بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے اندرونی حصہ سے پکڑے اور اس طرز کو علمی نے اپنی کتاب میں فخرِ عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا فعل بیان کیا ہے"۔ اس کے بعد آنکھیں بند کر کے پست یا معتدل آواز سے جس طرح بھی شیخ نے تلقین کیا ہو دل کو خدا تعالےٰ کی طرف متوجہ رکھ کر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کو بار بار اس طرح کہے کہ اپنے دل کے اندر سے پُوری طاقت اور دل کی طرف کمال توجہ کے ساتھ بھلے اور بُرے سارے خطرات کو دُور کر رہا ہے لا اِلٰہ کو دل سے نکالے اور اِلّا اللہ کو پوری طاقت کے ساتھ دل میں پہنچائے۔ اور حق تعالیٰ کی ذات پاک کا اثبات کرے اور قلب کو پوری طرح پر خدا تعالےٰ کی طرف متوجہ کرے۔ یہاں تک کہ اس کلمہ کے حاصل معنی یہ ہوں کہ کوئی چیز بھی موجود نہیں بجز حق تعالیٰ کی ذات پاک کے۔ اور اس ذکر پر اسی طور سے حضور و قلبی مراقبہ و توجہ کے ساتھ زبان سے مداومت کرتا رہے۔ کیونکہ اس کا ادب یہی ہے کہ تمام اوقاتِ ذکر میں اس طرح مستغرق رہے کہ کسی وقت بھی زبان ذکر کے لفظ سے اور دل ذکر کے معنی سے خالی نہ رہے اور ذکر قلب کا جوہر بن جائے اور وہ پردے جو مشاہدہ سے مانع ہیں دُور ہو جائیں اور ذکر اور ذکر کنندہ کو مذکورِ حقیقی میں فنا حاصل ہو جائے۔ کیونکہ ذکر مسلمانوں پر فرض دائمی ہے۔

نکتہ: حق تعالےٰ فرماتا ہے:۔ اَفَمَنْ شَرَحَ اللہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ فَھُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ ط فَوَیْلٌ لِّلْقٰسِیَۃِ قُلُوْبُھُمْ مِّنْ ذِکْرِ اللہِ ط (وہ شخص جس کا سینہ اسلام کا مطیع بن جانے کے لئے اللہ نے کھول دیا ہے تاریک بدنصیبوں کی برابر کس طرح ہو سکتا ہے بلکہ وہ تو اپنے پروردگار کی طرف سے نُور پر ہے۔ پس خرابی ہے ان سنگدل لوگوں کے لئے جن کے قلوب سخت اور زنگ گرفتہ ہیں اللہ کے ذکر کی طرف سے (غفلت کے سبب)"۔

پس اس آیت میں حق تعالےٰ نے دل کو قسوۃ اور سختی کی صفت سے ذکر فرمایا ہے اور سختی پتھر کی صفت ہے۔ چنانچہ خود حق تعالےٰ نے دل کو قسوۃ اور سختی کی صفت سے ذکر کے زندہ ہو جانے وغیرہ معجزات دیکھنے کے بعد :۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً۔ "پھر تمہارے دل سخت ہو گئے پتھر کی طرح بلکہ پتھر سے بھی زیادہ سخت بن گئے"

اور ظاہر ہے کہ سخت پتھر سخت چوٹ اور زبردست جھکاؤ کے بغیر نہیں ٹوٹتا۔ اسی طرح ذکر پوری قوت و طاقت کے ساتھ ہونا چاہیئے تاکہ سختی سے پاک صاف ہو جائے اور شیطان سے نجات پائے۔ کیونکہ حق تعالےٰ فرماتا ہے کہ جو شخص ذکر اللہ سے اعراض کرتا ہے ہم اُس پر شیطان مسلط کر دیتے ہیں کہ وہ اس کے ساتھ رہتا ہے" اور جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شیطان ابن آدم کے قلب پر زانو بچھائے بیٹھا رہتا ہے کہ جب بندہ اللہ تعالےٰ کا ذکر کرتا ہے تو وہ بھاگ جاتا ہے۔ اور جب غافل ہوتا ہے تو اُس کے قلب کو اپنے مُنہ میں دبا کر وساوس وخطرات اور فاسد اُمیدوں میں مُبتلا کرتا ہے۔

ذکرؔ کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ ذکر کو صاحبِ تلقین اہلِ ذکر شیخ سے حاصل کرے جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین نے فخرِ عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے اخذ کیا تھا حضرت شدادؓ بن اوس روایت کرتے اور عبادت بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ تصدیق کرتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپؐ نے فرمایا تم میں کوئی اجنبی یعنی اہلِ کتاب بھی ہے ؟ ہم نے عرض کیا کہ نہیں۔ آپؐ نے فرمایا اچھا دروازہ بند کر دو اور جب ہم نے دروازہ بند کر دیا تو آپؐ نے فرمایا کہ اپنے ہاتھ اٹھاؤ اور کہو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ چنانچہ ہم نے ایسا ہی کیا۔ پھر ایک ساعت کے بعد آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے اپنے دست ہائے مبارک کو اپنی جگہ رکھ لیا اور فرمایا کہ "اللہ تیرا شکر ہے تُو نے اس کلمہ کے ساتھ مجھ کو مبعوث کیا اور اس کلمہ کا حکم فرمایا اور اس کلمہ کے کہنے پر جنت کا وعدہ فرمایا اور تُو اپنے وعدہ کا ہرگز خلاف نہ کرے گا"

اس کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ خوشخبری ہو کہ حق تعالےٰ نے تم کو بخش دیا۔ اور اسی طرح صحابہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم تابعین کو اور تابعین تبع تابعین کو وعلیٰ ہذا ایک شیخ کے بعد دوسرا شیخ اس زمانہ تک لوگوں کو اس کلمہ کی تلقین فرماتے رہے اور حق تعالےٰ فرماتا ہے کہ صحابہ پر ہم نے کلمۂ تقویٰ یعنی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کو لازم کر دیا اور وہ اس کلمہ کے زیادہ لائق بھی تھے۔" اس لئے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے تلقین پائی تھی اور وہ اس کلمہ کے اہل تھے کہ ان کے اندرون میں کلمہ کے انوار نافذ و مؤثر ہو گئے تھے۔

پس جب ایسے شخص کی خدمت میں جو طریقت کا سالک، حقیقت کا واقف اور تربیت کے دقائق کا ماہر ہو مرید پہنچے اور تلقین کے لئے مستعد ہو تو اس کو ذکر تلقین فرمادیں اور خلوت و گوشہ کا خوگر بنائیں اور ذکر پر مواظبت کرائیں یہاں تک کہ اس کا شوق اور طلب زیادہ ہو اور خلوت سے انسیت اور مخلوق سے وحشت ظاہر ہونے لگے اور اس کو خلوت (چلّہ) میں بٹھائیں۔

نیز صوفیہ رحمہم اللہ کے یہاں ثابت ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھ کو وہ راستہ دکھائیے جو بندگانِ خدا پر سب سے زیادہ قریب اور سہل تر ہو اور حق تعالےٰ کے نزدیک سب سے زیادہ افضل ہو۔" آپؐ نے فرمایا کہ خلوت میں ذکر پر مداومت کو لازم پکڑ لو۔" علی کرم اللہ وجہہ نے عرض کیا کہ ذکر کس طرح کروں؟ آپؐ نے فرمایا کہ اپنی آنکھیں بند کر لو اور مجھ سے سُنو۔ اس کے بعد آپؐ نے تین مرتبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سُن رہے تھے۔ پھر حضرت علیؓ نے تین مرتبہ کہا اور حضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سُنتے تھے۔ بعد ازاں حضرت علیؓ نے حسن بصری کو اور حضرت حسن بصری نے عبدالواحد بن زید اور حبیب عجمی کو تلقین کیا۔ اور اسی طرح سلسلۂ تلقین جاری رہا۔ یہاں تک کہ متعدد سلسلے اور مختلف طریقے اور متفرق شعبے پیدا ہو گئے۔ چنانچہ سب کے شجرے مشہور ہیں بیان کرنے کی حاجت نہیں۔

فائدہ۔ شجرۂ مصنفؒ مصنف (رسالہ مکیہ) نے اس مقام پر اپنا شجرہ مختصر اس طرح بیان کیا ہے کہ فخرِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس طور پر کلمۂ طیبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو تلقین فرمایا اور علیؓ کرم اللہ وجہہ نے حسنؒ بصری کو اور انہوں نے حبیبؒ عجمی کو، انہوں نے داؤدؒ طائی کو، انہوں نے معروفؒ کرخی کو، انہوں نے سریؒ سقطی کو، انہوں نے جنیدؒ کو، انہوں نے بوعلیؒ رودباری کو، انہوں نے ابو علیؒ کاتب کو، انہوں نے ابو عثمانؒ مغربی کو، انہوں نے ابو قاسمؒ گرگانی کو، انہوں نے ابو بکرؒ نساج کو، انہوں نے احمدؒ غزالی کو، انہوں نے ابو نجیبؒ سہروردی کو، انہوں نے عمارؒ بن یاسر کو، انہوں نے نجم الدینؒ کبری کو، انہوں نے مجد الدینؒ بغدادی کو، انہوں نے علی لالاؒ کو، انہوں نے احمدؒ گورپانی کو، انہوں نے عبد الرحمنؒ کرخی کو، انہوں نے برہان الدینؒ سمرقندی کو، انہوں نے فقیر مؤلف کو رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔ اور مترجم (مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہٗ) نے اپنا شجرہ اس سے بھی زیادہ اختصار کے ساتھ اس طرح نظم کیا ہے:۔

بہر امدادؒ و بنورؒ و حضرت عبد الرحیمؒ — عبد باریؒ عبد ہادیؒ عضد دیںؒ مکی ولی
ہم محمدیؒ و محب اللہؒ شاہ بوسعیدؒ — ہم نظام الدینؒ جلالؒ و عبد قدوسؒ احمدیؒ
ہم محمد عارفؒ و ہم عبد حقؒ و شیخ جلالؒ — شمس دیںؒ ترک و علاؤ الدینؒ فرید جودھنیؒ
قطب دیںؒ و ہم معین الدینؒ و عثمانؒ و شریفؒ — ہم ممودودؒ و ابو یوسفؒ محمدؒ و احمدیؒ
بو سحاقؒ و ہم ممشادؒ و ہبیرہؒ نامور — ہم حذیفہؒ و ابن ادہمؒ ہم فضیلؒ مرشدی
عبد واحدؒ ہم حسنؒ بصری علی فخر دیںؒ — سید الکونین فخر العالمین بشری نبی
پاک کن قلب مرا تو از خیال غیر خویش — بہر ذاتؐ خود شفایم دہ ز امراض دلی

مترجم حقیر بندہ عاشق الٰہی نے ایک شعر کا اضافہ کیا ہے ؎

بہر مولانا خلیل احمدؒ ملاذی فی غدی
ہم رشیدؒ احمد رشید با صفا و سیدی

تنبیہ مرید کو چاہیئے کہ ذکر کی مواظبت خالص توبہ کے بعد کرے اور صدق و اخلاص وتقویٰ کو لازم پکڑے اور بجز ذکر اللہ تعالےٰ کے لب نہ ہلائے اور تمام حالتوں میں کہ نشست ہو یا برخاست اور حرکات ہوں یا سکنات ذاکر رہے اور سکون و وقار کے ساتھ اپنے ماہر شیخ عارف کا ایسا فرماں بردار رہے جیسے مُردہ اپنے نہلانے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ چنانچہ صحابہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم حضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ جس کی خواہش ہو کہ مردہ کو زمین پر چلتا ہوئے دیکھے تو ابو بکرؓ کو دیکھ لے۔ نیز آپؐ نے فرمایا کہ طلحہؓ ان لوگوں میں سے ہے جنہوں نے اپنی شہادت کی نذر کو پورا کر دیا یعنی شہید ہو گئے۔ حالانکہ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ اس وقت تک زندہ تھے۔ (پس معلوم ہوا کہ اس شہادت اور موت سے مُراد کمال فنائیت اور کمال اطاعت ہے کہ خدا و رسول کے ہاتھ میں مُردہ کی طرح بن گئے کہ نہ اپنا ارادہ ہے نہ اختیار) کشاف میں مذکور ہے کہ فخر رسل صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص شہید کو زمین پر چلتا ہوُا دیکھنا چاہیے وہ طلحہ کو دیکھ لے۔ نیز آپؐ نے فرمایا کہ مرجاؤ اس سے پہلے کہ مرو (یعنی زندگی میں حکم خدا و رسول کے سامنے اپنے ارادہ اور قصد کو فنا کر دو) اور جب مُرید مُردوں کے مثل بن گیا تو اب اُس کا خدا تعالےٰ کو یاد کرنا خدا تعالےٰ سے ہوگا نہ اپنے نفس سے۔ اور ذکر کنندہ واصل حق اللہ کے ذکر سے قدیم ہوتا ہے نہ اپنے نفس حادث کے ذکر سے) پس جب نفس مرگیا اور ذکر اللہ میں اپنے نفس حادث کا دخل نہ رہا تو اب اس کے ذکر کو قدم حاصل ہوگا کہ بعد موت بھی قائم رہے گا۔ کیونکہ موت کا اثر نفس و بدن پر ہوگا نہ کہ اس ذکر پر جس میں نفس اور اپنے ارادہ حادثہ کا دخل پہلے ہی اُٹھ چکا تھا)۔ (فتامل)

خلاصہ دستور العمل برائے سالکین مرید کو غفلت سے بیدار ہونے کے بعد لازم ہے کہ اپنے آپ کو ایسے شیخ کے سپرد کرے جو صاحب معرفت ہو، امانت دار ہو، خیر خواہی و دیانت میں مشہور ہو اور طریقت کی باریکیوں سے آگاہ ہو۔ پس کسی امر میں بھی اس کی مخالفت نہ کرے تاکہ وہ شیخ رجوع الی اللہ کی کیفیت سے

اس کو واقف کرے اور اسلام کے احکام شرعیہ وسلوک اس کو سکھلائے کیونکہ شیخ وہی ہوتا ہے جو دین اور شریعت کو مریدوں کے دلوں میں راسخ اور مستحکم کر دے اور کھانے پینے اور لباس کی اصلاح ان تمام باتوں پر مقدم ہے کیونکہ اُن کی درستی کے بغیر ترقی ہر گز نہیں ہو سکتی۔ حدیث میں ہے کہ حلال کی طلب ایمان کے بعد فرض ہے۔ اور بعض صوفیہ نے فرمایا ہے کہ حلال کی طلب یوں تو ہر مسلمان پر فرض ہے مگر اس گروہ پر (جو سلوک اختیار کرتا ہے) ضرورت کی حد سے بھی زیادہ فرض ہے اور ان تینوں چیزوں کی اصلاح کے بعد احکام شریعت کے جو فرائض (نماز، روزہ وغیرہ) فوت ہوئے ہوں ان کی قضاء کرے اور اس کے بعد مظالم (یعنی حقوق العباد جن کو تلف یا ہضم کیا ہو) ان کے مالکوں کو لوٹائے۔ کیونکہ حضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک دانگ حرام مال کا (جو ناجائز طور پر دوسرے سے لیا ہے) مالک کو واپس کرنا خدا تعالےٰ کے نزدیک ستر حج کے برابر ہے۔" اور جس کسی کو ضرب یا زخم وغیرہ پہنچایا ہو اس کا بدلہ اور قصاص دے۔ اور اگر غیبت کی ہو گالی دی ہو یا کسی کی چغلی کھائی ہو تو اس سے قصور معاف کرائے (اگر وہ زندہ ہو) اور اس کے لئے استغفار کرے (اگر انتقال پا چکا ہو) اس کے بعد نفس کو اپنا سخت دشمن جانے اور ریاضت سے اس کو ادب سکھلائے کیونکہ نفس میں دو کیفیتیں ہیں ایک خواہشات میں پوری مشغولیت اور دوم طاعت سے باز رہنا۔

پس مجاہدہ اور اس کی مرغوبات کے ترک کرنے اور اس کی منشاء کے خلاف عمل کرنے سے اس کو سخت پکڑے اور اوراد کی کثرت اور صوم و نوافل کی مداومت اور نفس کی ہمیشہ مخالفتیں کر کے اس کے ذائقہ کو تلخ کرے اور بد عادتوں سے اُس کو باز رکھے اور اس میں کوشش کرے کہ نیند کے بدلے بیداری اور سیری کے بدلے بھوک اور عیش و آرام کے عوض محرومیت اس کے پیش کش کرتا رہے یہاں تک کہ وہ تائب ہو جائے اور حق تعالےٰ اس کی خطاؤں کو حسنات سے بدل دے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جوان شخص توبہ کرنے والا خدا کا پیارا ہے۔ (کیونکہ بڑھاپے میں نفس خود ہی کمزور اور دل لذتوں سے سرد ہو جاتا ہے۔ خوبی یہی ہے

کہ جوانی میں خواہشاتِ نفسانی کا مقابلہ کرے، جان لے کہ تقلیدی ذکر اور چیز ہے اور تحقیقی ذکر دوسری چیز ہے۔ پس عام لوگوں یا ماں باپ اور بھائیوں کے منہ سے سُن سُنا کر جو یاد کر لیتے ہیں یہ تو ذکر تقلیدی ہے اور یہ ذکر اگرچہ شیطان کو دفع کرتا اور ایمان ضرور بخشتا ہے۔ مگر اتنی حمایت نہیں کر سکتا کہ ذکر کنندہ کو ولایت و قرب کے اس مرتبہ پر پہنچا دے جہاں ذکر تحقیقی پہنچاتا ہے۔ چنانچہ وہ تیر جو بازار میں فروخت ہوتے اور عام لوگ خرید کر استعمال کرتے ہیں، اگرچہ دشمن کو دفع کر سکتے ہیں مگر شاہی عہدہ دار نہیں بنا سکتے۔ بلکہ شاہی عہدہ تک پہنچنے کے لئے وہی تیر سزاوار ہے جو باضابطہ سلطان سے حاصل کرے۔

پس وہ ذکر جو ایسے صاحب تلقین و تصرف شیخ سے اخذ کیا جائے جس کا اخذ ذکر کا سلسلہ فخر عالم صلّی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم تک مسلسل ہو وہ تحقیقی ہے اور یہی ذکر مستعد مرید کے باطن میں تصرف کرتا اور اس ذکر کا درخت تلقین کے گُرپہ کے واسطے سے جب مُرید صادق کے قلب میں بیٹھ جاتا ہے تو اعمال صالح اور اتباع سنت کے پانی سے پرورش پاتا اور اس پر ولایت کے سورج کی دھوپ پڑتی ہے۔ اس وقت بحکم خداوندی مکاشفات اور مشاہدات کے اس پر پھل ہر دم لگتے ہیں اور بشرطِ اخلاص اور صدق ارادہ انشاء اللہ محبّت و معرفت کا ثمرہ حاصل ہو گا کیونکہ معرفت و محبت تک پہنچانے میں تلقین کو بڑا دخل ہے۔ اور اسی لئے حدیث شریف میں کھجور کے درخت کو مومن کے ساتھ تشبیہہ دی گئی ہے کہ جب تک کھجور کے درخت کو کش[1] نہ دیں گے وہ پھل نہ لائے گا۔ اسی طرح مرید جب تک شیخ کامل سے تلقین نہ پائے گا اس وقت تک اُس کے وجود کا درخت بھی معرفت کے پھل نہ دے گا۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم

---

[1] درخت کھجور کے پھول کی شاخوں کے مادہ کے پھول میں باندھنے کو فارسی میں کش، عربی میں تابیر اور ہندی میں درختوں کا بیاہ بولتے ہیں۔ ۱۲ منہ

نے فرمایا کہ ایک درخت ہے جس کے پتے جھڑتے ہی نہیں اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے بندۂ مسلمان، بتاؤ وہ کون سا درخت ہے؟ صحابہؓ نے صحرا کے درختوں کو فکر کو دوڑایا اور سوچنے لگے۔ میرے دل میں آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے۔ مگر بزرگوں کے لحاظ سے میں بول نہ سکا۔ آخر صحابہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ وہ کونسا درخت ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ کھجور کا درخت ہے کہ جب تک کش نہ دیا جائے گا پھل نہ لائے گا۔"

تلقین کی شرط یہ ہے کہ اوّل مرید اپنے شیخ کے حکم سے تین دن متواتر روزہ رکھے اور ان تین دنوں میں باوضو اور ہر وقت ذکر میں مشغول رہے۔ کھانا، کلام کرنا، سونا اور اختلاط کم رکھے اور تین دن گزرنے پر غفلت سے حضور و مراقبہ مع اللہ کی طرف نکلنے کی نیت سے غسل کرے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ ایک شخص مسلمان ہونے کو حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ فخر عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے اس کو ارشاد فرمایا کہ بہ نیت اسلام غسل کر۔ اس کے بعد آپؐ نے اس کو کلمۂ توحید تلقین فرمایا۔" اور غسل کے وقت کہے کہ الٰہی میں نے اپنے بدن کو تیری توفیق کی بدولت پاک کیا اور میرے اختیار میں اتنا ہی تھا۔ پس تو میرے قلب کو پاک کر اور نور معرفت سے منوّر فرمادے کہ تو مقلب القلوب ہے اور ہر چیز تیرے قبضۂ قدرت میں ہے۔ غسل کے بعد شیخ کی خدمت میں دوزانو بیٹھے اور ساکت ہو کر حضور قلب سے شیخ کے ساتھ مراقب ہو یہاں تک کہ شیخ آواز کھینچ کر کہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور مرید کو شیخ سے اپنے دل میں لے اور معنی سمجھے کہ لَآ اِلٰہ میں خواطر کی نفی کرے اور اِلَّا اللّٰہ سے موجود حقیقی کو ثابت کرے یعنی نہیں کوئی معبود اور مقصود اور مطلوب اور موجود اور محبوب بجز خدا تعالےٰ کے، اس کے بعد مرید آواز کھینچ کر بلند آواز اور معانی میں حضور قلب کے ساتھ یہی کلمہ کہے۔ پھر دوسری بار شیخ کہے اور پھر مرید کہے۔ اس کے بعد تیسری دفعہ شیخ کہے اور پھر مرید کہے اس کے بعد شیخ ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرے کہ الٰہی! اس کلمہ کو اس مرید سے قبول فرما اور جملہ خوبیوں کے دروازے جو انبیاء و اولیاء پر کھولے ہیں اس مرید پر بھی کھول دے۔ اس کے بعد مرید اس کلمہ پر مداومت کرتا رہے۔ یہاں تک

مقصود کو پہنچے ۔ بفضل اللہ و توفیقہ ۔

لسانی ذکر بھی بڑی دولت ہے

شیخ نجم الدین کبری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ذکر اگرچہ صرف زبانی ہو غلبۂ عظیم رکھتا ہے مگر پردۂ وجود کے کمال قوت کی وجہ سے ظاہر نہیں ہوتا اور جب سالک بحالتِ خواب یا ذکر کے کثرت کے سبب وجود کے مضمحل ہو جانے کی وجہ سے پردۂ وجود سے برہنہ ہو جاتا ہے تو غلبۂ ذکر ظاہر ہوتا ہے کہ ایک نور اُوپر کی جانب یا آگے یا پیچھے پیدا ہو کر سالک کو جگہ سے ہلا دیتا ہے اور یہ مرید اس وقت خوف کے سبب کلمہ پڑھتا ہے اور کلمہ پڑھنے سے زیادہ شدت پاتا ہے ۔ ناچار خدا تعالےٰ کی طرف متوجہ ہو کر سجدہ میں گر پڑتا اور مسلم و مومن بن جاتا ہے (کہ اپنے آپ کو خالق و برتر کے حوالے کر کے رضاء و تسلیم کی گردن جھکا لیتا ہے) اور یہ صورت خدمت ذکر کی مقدار پر ہوتی ہے (کہ جتنی خدمت زیادہ ہو گی اُتنا اثر زیادہ اور جلد ہو گا) ۔

فناء اور فناء الفناء

جان لے کہ حروف کا ذکر بغیر حضور قلب کے ذکر لسانی[1] ہے اور حضور و توجہ ذکر قلبی[2] ہے اور حضور سے بھی غائب ہو جانا اور مذکور (یعنی ذات حق) میں محو ہو جانا ذکر سِر[3] ہے ۔ پس ذکر کے وقت اگر ذکر کرنے والا شخص ذکر کو سمجھتا ہے تو ایک درجہ تنزّل رکھتا ہے اور اگر حضور بھی نہیں ہے تو دو درجہ نیچے ہے اور اس ذکر (بلا حضور) کو لقلقہ کہتے ہیں اور خلاصہ ذکر کا مذکور میں اتنا مستغرق ہو جانا ہے کہ اثناء ذکر میں اگر ذکر کو بھی سمجھے گا تو یہ بھی حجاب ہے اور اس مرتبۂ (محویت) کو فناء سے تعبیر کیا کرتے ہیں ۔ اور فناء یہ ہے کہ اپنے نفس سے اپنے اعضاء سے اپنے حواس باطنی سے نیز جملہ اشیاء خارجی سے غائب ہو جائے اور سب کو حق تعالےٰ میں فنا کر دے اور جب کبھی ہوش میں آوے اسی کو پاوے ۔ پس اس حالت میں اگر اتنا علم بھی باقی ہو گا کہ اس میں ہمہ تن فانی ہو گیا تو یہ بھی کدورت ہے بلکہ کمال یہ ہے کہ فنا سے بھی فانی ہو جائے کیونکہ فنا سے بھی فنا ہو جانا غایت فنا ہے ۔ حق تعالیٰ ہمیں اور جملہ طالبین کو یہ مرتبہ نصیب فرما وے ۔

ذاکر کے لئے چند امور کا لحاظ رکھنا

اور جاننا چاہیئے کہ کلمۂ طیّبہ کہنے والے کو چند امور کا لحاظ ضروری ہے کہ ان کے بغیر فائدہ نہیں ہوتا۔ ایکؔ یہ کہ اس کو سمجھے کہ مَیں کیا کہہ رہا ہوں؟ کس کی نفی کر رہا ہوں اور کس کا اثبات؟ پس نفی تو ان تمام چیزوں کی ہے جو رب ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ مثلاً نفس اور شیطان اور ہوائے نفسانی اور شہوت۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ۔ "(اے مخاطب) کیا تُو نے اُسے بھی دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا۔"

اور اثبات حق تعالےٰ کی ذات پاک کا ہے اور اسی کا نام ہے نفی اثبات۔

دوؔم یہ کہ ذکر کے وقت دل کو حق تعالےٰ کی عظمت و تعظیم سے پر کھے اور جانے کہ کوئی محبوب اور مطلوب نہیں بجز حق تعالےٰ کے۔

سوؔم یہ کہ سچے ارادہ اور سچی محبت کے ساتھ مولیٰ کے وصال اور اس کے مشاہدہ کا طلب گار ہو اور اگر ارادہ سُست رکھے گا اور سچی محبت سے اس کا خواہاں نہ بنے گا تو اس کو ہرگز نہ پائے گا۔ چنانچہ اگر کوئی شخص اس کا امتحان کرنا چاہے کہ مشائخ نے جو کچھ بھی بیان کیا ہے کہ فلاں شغل سے فتح یاب ہوتا ہے تو ہرگز نفع نہ ہوگا (کیونکہ شغل کرنے سے نیّت امتحان اور تجربہ کی ہوگی اخلاص و محبت نہ رہی)۔ چہارؔم یہ کہ کلمۂ توحید کو حسن ادب اور حرمت کے ساتھ کہے ورنہ سنگدل اور غوی ہوگا اور مشائخ کی محبت کے قابل نہ ہوگا اور اس پہ قرب و مشاہدہ کا دروازہ نہ کھُلے گا۔ اور کوئی شخص اپنے حسنِ خلق کی وجہ سے اعلیٰ علیین پر بھی پہنچا ہوگا تو بے ادبی کی وجہ سے اسفل السافلین میں جا پڑے گا۔

پنجمؔ یہ کہ پوری ہمت کے ساتھ خدا تعالےٰ کی طرف متوجہ رہے۔ چنانچہ حضرت صلّی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ تمہارے ایّامِ زمانہ میں خوشبو کی لپٹیں ہیں پس سُن لو اور ان لپٹوں کے سامنے آؤ اور یہ رحمتِ الٰہی کی خوشبو کی لپٹوں کے سامنے آنا بعینہٖ مراقبہ ہے اور صوفیہ رحمہم اللہ کی اصطلاح میں اس کا نام لمحہ اور لمعہ اور وجد اور

وجود ہے اور ان پانچوں صفات مذکورہ کے حصول کی علامت یہ ہے ذکر کرنے والا اپنے اندر خدا تعالےٰ کی طرف سے حلاوت و لذّت پائے اور بغیر ان پانچ باتوں کے حلاوت ہرگز نہ پائے گا۔ نیز ذکر کے لئے شرط ہے کہ ذاکر ہر وقت طہارت کاملہ رکھے اور ایک ساعت بھی حدث پر صبر نہ کر سکے اور جب حدث پیش آوے فوراً وضو کرے اور اگر غسل کرے تو افضل ہے کیونکہ اُمت کے اجماع سے ثابت ہے کہ غسل کرنا وضو سے اولیٰ ہے۔ نیز شرط ہے کہ فرائض اور سنن مؤکدہ کے ادا میں بال برابر بھی کوتاہی نہ کرے اور اس کے بعد نفی و اثبات میں مشغول ہو کہ یہ ذکر نفی اثبات جملہ اذکار و تسبیحات و نوافل کا قائم مقام ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مثل مشہور ہے کہ " تمام شکار گورخر[1] کے شکم میں ہے "۔ اور جملہ معاصی سے بچا رہے اور لوگوں کے پاس بیٹھنے اُٹھنے ملنے جلنے اور باتیں کرنے سے خصوصاً خلوت اور طریقت و حقیقت کے ابتدائی زمانہ میں دُور رہے۔ بس اگر مُرید صادق ان تمام شرائط پر متواتر چالیس روز عمل کرے گا تو ضرور اس پر مکاشفات و مشاہدات کا دروازہ عالم روحانیات سے کھل جائے گا۔ چنانچہ وارد ہے کہ جو شخص چالیس دن حق تعالےٰ کے لئے اخلاص کرے گا، حکمت کے چشمے اس کے دل سے اس کی زبان پر جاری ہو جائیں گے۔

فائدہ : ذکر کے مراتب حق تعالےٰ فرماتا ہے :- وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ- " خدا تعالےٰ کا ذکر کرو جس طرح میں نے تم کو راہنمائی فرمائی ہے "۔ اور جن امور کی حق تعالےٰ نے اپنے ذاکرین کو راہنمائی فرمائی ہے اُس کے چند مراتب ہیں۔ مرتبۂ اوّل[1] ذکر زبانی ہے کہ حروف اور آواز کے ساتھ ذکر ہو اور دل غافل ہو۔ اس کے بعد ذکر نفسی[2] کا مرتبہ ہے۔ یعنی دل میں حروف نفسی کا اس طرح سوچنا کہ نفس سُن لے۔ پھر مرتبۂ[3] ذکر قلب ہے یعنی دل کا ملاحظہ جو غفلت و نسیان کی ضد ہے۔

---

[1] عرب میں ضرب المثل ہے کہ كل الصيد في جوف الفرا کہ گورخر کا شکار جملہ شکاروں کے قائم مقام ہے کہ ایک ہی سے شکم سیر ہو کر دوسروں سے مستغنی ہو جاتا ہے۔ ۱۲

اس کے بعد مرتبہ ہے ذکر سرّ کا اور وہ مراقبہ ہے اسرار الٰہی کے مکاشفہ کے لئے۔ پھر مرتبہ ہے ذکر روح کا اور وہ نام ہے صفات پاک کی تجلیات و انوار کے مشاہدہ کا اور اس کے بعد مرتبہ ہے ذکر خفی کا اور وہ جمالِ ذات کے انوار کا معائنہ ہے۔

فائدہ: سات اطوار کا بیان

حق تعالےٰ فرماتا ہے :- قَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا۔ "ہم نے تم کو چند اطوار پہ پیدا فرمایا ہے" پس جان لے کہ وہ سات اطوار ہیں اور ہر طور کی طرف قرآن مجید میں اشارہ ہُوا ہے۔ ایکؔ بدن کہ زبان بھی اُسی کا ایک ٹکڑا ہے اور وہ مٹی کا بنا ہُوا جسم کثیف ہے۔ اور حق تعالےٰ فرماتا ہے :-

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۔ ۱۲ "بے شک ہم نے پیدا کیا انسان کو مٹی کے خلاصہ سے"

دومؔ نفس اور وہ ایسا جسم لطیف ہے جیسے ہَوا کہ اجزاء بدن کے اجزاء میں اس طرح سرایت کئے ہُوئے ہے جیسے دُودھ میں گھی اور بادام میں روغن ہے۔ حق تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے :-

يٰاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْٓ ۔ "اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف رجوع کر"

اور یہ اشارہ ہے اسی طور کی طرف۔ سومؔ قلب اور وہ نفس کا اندرون ہے اور لطافت و چمک میں نفس سے بھی زیادہ بڑھا ہُوا ہے۔ اور حق تعالےٰ کا ارشاد کہ :

يَعْلَمُ السِّرَّ وَ اَخْفٰى ۔ "اُن کے قلوب میں ایمان لکھ دیا گیا ہے"

اسی طور کی طرف اشارہ ہے۔ چہارمؔ سِرّ اور وہ روحانی نور اور نفس کا آلہ ہے کہ اس کے بغیر نفس اپنے کام سے عاجز ہے اور کوئی فائدہ اور کوئی عمل بدون سرّ کے جو نفس کا قصد و ارادہ ہے کر نہیں سکتا۔ پنجمؔ رُوح اور وہ بھی ایک روحانی روشنی اور نفس کا آلہ ہے کیونکہ عادتِ الٰہی اسی طرح ہے کہ حیات کا قیام نفس میں روح کے موجود ہونے پر ہے۔ ششمؔ رُوحِ خفی اور اکثر اس کا نام خفی رکھتے ہیں مگر صحیح یہ ہے کہ اس کا نام اخفیٰ رکھنا چاہیئے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اخفیٰ ہی کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے اور ان

تینوں طور پر حق تعالےٰ کے اس قول میں اشارہ ہے کہ اللہ جانتا ہے سر کو اور اخفیٰ کو اور فرمایا :۔
قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ ۔ "کہہ دو (اے محمدؐ!) رُوح میرے رب کے حکم سے ہے"۔
نیز جان لے کہ طور ششم یعنی اخفیٰ اس کو کہتے ہیں جو پوشیدگی و خفا میں رُوح اور سرّ اور قلب سے بھی بڑھا ہُوا ہے اور اخفیٰ ایک نُور ہے سب سے زیادہ لطیف اور عالمِ حقیقت کی جانب سب سے زیادہ قریب اور نفس کے لئے جو درگاہِ پاک پر بیٹھا ہے، مثل دربان کے ہے اور جب نفس اور قلب اور عقل اور سرّ اور رُوح اس بارگاہ عالی سے غفلت اختیار کرتی ہے تو اخفیٰ ایک لطیف اور خفیف نظر سے اس کو دیکھتا ہے۔ پس سب جاگ اُٹھتے ہیں اور اس تنبیہ کے لئے حق تعالےٰ نے رُوح کے وسیلہ سے اخفیٰ کو مقرر فرما دیا ہے اور یہ ذہول و غفلت (جس کے ہٹانے کو اخفیٰ کا تقرر ہے) عام مومنین اور عام اولیاء کو پیش آتی ہے۔ ورنہ کبار اولیاء اور حضرات انبیاء علیہم السّلام کو تو اس کا بھی کم اتفاق ہوتا ہے کہ ان کے سرّ اسفل کی جانب متوجہ ہوں چہ جائیکہ غفلت اور انہی کے بارے میں حق تعالےٰ کا ارشاد ہے :۔
یَخْشَوْنَہٗ وَلَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰہَ ۔ "وہ حق تعالےٰ سے ڈرتے ہیں اور بجز حق تعالیٰ کے کسی سے نہیں ڈرتے"۔
اور صوفیہ نے کہا ہے کہ اس جگہ ایک دوسری رُوح بھی ہوتی ہے جو سب سے زیادہ لطیف ہے اور وہ ایک لطیفہ ہے جو ان اطوار مذکورہ کو حق تعالےٰ کی طرف بُلاتا (اور رغبت دلاتا) ہے۔ مگر یہ روح ہر کسی کے لئے نہیں ہوتی بلکہ خاص بندوں کے لئے ہوتی ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے :۔
یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ ۔ "اللہ تعالیٰ رُوح ڈالتا ہے اپنے حکم سے جس پر بھی کہ چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے"۔
اور یہ رُوح عالمِ قدرت کی ملازم اور عالمِ حقیقت کا مشاہدہ کرنے والی ہوتی ہے اور خلق کی جانب ہرگز التفات نہیں کرتی اور بعض نے کہا ہے کہ نفس اور سرّ اور روح

اور قلب اور اخفی سب ایک ہی چیز ہیں۔ مگر یہ قول قابلِ التفات نہیں اس لئے کہ ہر طور میں حق تعالےٰ نے جداگانہ خاصیت رکھی ہے اور اس قول کی بنا پر ان کا معطل و بے کار ہونا لازم آتا ہے۔ پس ضرور ہے کہ تخصیص میں کوئی فائدہ ہونا چاہیئے اور یہ جو قلب کے لفظ سے کبھی نفس مراد لے لیتے ہیں اور کبھی عقل۔ پس مجاز ہے بایں اعتبار کہ نفس بھی بدن ہی کے اندر ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ "نفس بدن کا قلب ہے"، اور طور ہفتم عقل ہے اور وہ نور روحانی ہے اور اس کا مقام قلب کی بائیں جانب ہے۔ حضرت داؤد علیہ السّلام کے حالات میں لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے سلیمان علیہ السّلام سے پوچھا کہ تمہارے اندر عقل کی جگہ کونسی ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ قلب" اس لئے کہ قلب روح کا قالب ہے اور روح حیات کی قالب ہے۔

مکرِ شیطانی سے بچنے کی تدبیر

جاننا چاہیئے کہ شیطان اور اُس کے مکر کو مرید سے پھیرنے کے لئے ذکر سے بہتر کوئی تدبیر نہیں ہے۔ حق تعالےٰ فرماتا ہے :۔

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ؕ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ ۔

"نماز روکتی ہے بے حیائی و معصیت سے اور اللہ کا ذکر البتہ بہت بڑا ہے"

یعنی کبر و غرور کے کھونے اور اوصاف ذمیمہ کے دفع کرنے میں غایت مؤثر ہے خصوصاً کلمۂ طیّب کہ اس بارہ میں اس کی تاثیر بہت زیادہ ہے اور اکثر مشائخ نے آیت کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کا تم کو یاد کرنا بڑا ہے تمہارے اللہ کو یاد کرنے سے، اور یہ معنی بھی مناسب ہیں، کیونکہ خدا تعالےٰ کا ہم کو یاد فرمانا بہ نظر رحمت و قبولیت و عطا و فضل ہمارے تمام اوصافِ ذمیمہ کو دفع کرتا ہے۔ پس تزکیہ اور تطہیر کے بارے میں بہرحال نماز سے اکبر اور بڑا زبردست مؤثر ہُوا۔

قلب و نفس کو منور بنانے کا طریقہ

جاننا چاہیئے کہ قلب و نفس کے منور بنانے کو عبادت و تابعداری میں فرحت اور سرور بڑی شرط ہے اور اسی لئے حضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ

اخلاقِ الٰہی کے خوگر بنو کیونکہ خوش اخلاقی منجملہ اخلاقِ الٰہی کے ہے اور تقدیرِ الٰہی پر راضی و فرحاں رہنا خوش خلقی میں داخل ہے۔ اور جاننا چاہیئے کہ وصال اور مشاہدۂ الٰہی کے لئے راہِ مستقیم کے اتباع اور دوامِ ذکر کے سوا کوئی راستہ نہیں۔ حق تعالےٰ فرماتا ہے:

هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ
"کہہ دو (اے محمدؐ!) یہ میرا راستہ مستقیم ہے۔ پس اسی کے پیرو بن جاؤ اور دوسرے راستوں پر مت چلو ورنہ راہِ حق سے دُور جا پڑو گے"۔

نیز اپنے حبیب صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے فرمایا ہے:۔

فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۔
"جو کچھ تمہاری جانب وحی کی جاتی ہے اسی کو مضبوط تھامے رہو کہ تم البتہ راہِ راست پر ہو"۔

پس مراقبہ و خلوت و دوامِ ذکر سے حق کا طالب رہنا محبین و طالبین الٰہی پر فرض دائمی ہوا۔ حق تعالےٰ نے فرمایا ہے:۔

قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ ۔
"کہہ دو (اے محمدؐ!) میں بس اللہ تعالےٰ کا خواہاں ہوں اس کے علاوہ چھوڑ دو ان دوسروں کو"۔

یعنی میرا محبوب و مراد اور مطلوب بجز خدا تعالیٰ کے دوسرا نہیں ہے۔ ارشاد فرمایا ہے:۔

مجاہدہ کی ضرورت

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ ۔
"راہِ خدا میں مجاہدہ کرو جیسا کہ مجاہدہ کا حق ہے کہ حق تعالےٰ نے تم کو منتخب فرمایا ہے"۔

یعنی اپنی طرف کھینچ لیا اور پسند فرمایا۔ اور اسی نص سے معلوم ہو گیا کہ مجاہدہ سے مراد عالمِ حقیقت میں مجاہدہ کرنا ہے۔ کیونکہ کشش اور انتخاب کے بعد مجاہدہ طلب فرمایا ہے اور وہ عالمِ حقیقت کا ہی مجاہدہ ہے کہ سالکین اختیار کرتے ہیں اور یہی دلیل ہے اس پر کہ مبتدی و منتہی کسی کو بھی مجاہدہ کے بغیر چارہ نہیں یہی منشا ہے اس ارشادِ خداوندی کا کہ:۔

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۔ "اپنے رب کی عبادت کرو یہاں تک کہ تجھے یقین آجائے"۔

یعنی موت آجائے کیونکہ عارف کی قدر بقدر اس کی معرفت کے ہے اور قدر معرفت بقدر سیر فی اللہ کے ہے۔ اور مرتبۂ الٰہی کی کوئی انتہا نہیں۔ پس سیر کی بھی انتہا نہ ہوگی۔ پس جس کے لئے عالمِ اعلیٰ کا دروازہ مفتوح ہُوا اُس کے لئے جائز نہیں کہ ٹھہرے بلکہ زندگی بھر اُس کو مجاہدہ کرنا چاہیئے تاکہ اس کی معرفت اس کی سیر کے مقدار کے موافق بڑھتی رہے اور خود حق تعالےٰ وعدہ فرماتا ہے :-

اَلَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا ۔ ۱۲ "جو لوگ ہماری طلب کے راستہ میں مجاہدہ کرتے ہیں ہم ان کو اپنے راستوں کی ہدایت فرمادیتے ہیں"

پس منتہی اور واصل اپنے محبوب کے ساتھ مسرور رہے اور مبتدی و طالبِ وصال وصال کے کنارہ پر ہے (کہ عنقریب حصولِ مقصود کی توقع ہے) اور ان دو کے علاوہ سب بے قدر ہیں جن کی کچھ عزت نہیں اور مواصلت انہی کا حصہ ہے جو اپنے بدن کو مجاہدہ کے اور نفس کو ریاضت کے اور قلب کو مراقبہ کے اور سِر کو سیر کے اور روح کو طلبِ محبوب کے حوالے کر دیں۔ یہاں تک کہ سِر روح تک کہ خفی ہے پہنچ جائیں اور عالمِ حقیقت سے کامیاب ہوں کیونکہ خفی عالمِ حقیقت ہے اور جب سِر حقیقت پر مطلع ہو جاتا ہے تو اس کے واسطے سے نفس اور عقل اور قلب بھی مطلع ہو جاتے ہیں گویا سِر ایک چراغ ہے کہ نفس و عقل و قلب و حقیقت کو اسی چراغ کے واسطہ سے دیکھتے ہیں اور یہ حال ابتداء میں ہوتا ہے اور جس وقت مرید کو تمکین حاصل ہو جاتی ہے اور حقیقت سے اُونچے مقام پر پہنچ جاتا ہے تو نفس بہ نسبت سِر اور روح اور اخفیٰ کے مقدم و قوی اور لطیف تر بن جاتا ہے۔ پس اس وقت نفس اور قلب اور عقل مرید کے بدن کے اندر ہوتے ہیں مگر ان کی شعاعیں عالمِ جبروت میں اس اونچے سے اونچے مقام پر ہوتی ہیں کہ ملائکہ مقربین بھی وہاں نہیں پہنچ سکتے۔

حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ تعالےٰ کا ہو گیا۔ یعنی اس کی طلب میں اپنے اعمال کے اندر اخلاص پیدا کر لیا تو حق تعالےٰ اس کا ہو گیا یعنی اس کی تمام مشکلات کا کفیل بن گیا۔ چنانچہ حق تعالےٰ فرماتا ہے :-

اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ ۔ "کیا خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو کافی نہیں ہے ؟"
بلکہ وہ سب سے زیادہ کافی ہے ۔ اور وارد ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ یا
اللہ تو میرا کب ہوگا ؟ حکم ہُوا کہ اس وقت جب کہ تُو اپنے نفس کا نہ ہوگا ۔" موسیٰ علیہ السلام
نے کہا کہ میرا اپنے لئے نہ ہونا کس مرتبہ میں حاصل ہوگا ؟ حکم ہُوا کہ اس وقت جبکہ اپنے
آپ کو بالکل نسیًا منسیًا کردے گا ۔"

یعقوب سوسیؒ کہتے ہیں کہ صحیح محبّت اُس وقت ہوتی ہے جب کہ محب علم محبّت سے
(گزر کر) محبوب کے علم میں آتا اور علم محبّت کو بھی فنا کردیتا ہے (کہ بجز محبوب کے اپنی
محبت سے بھی آگاہی باقی نہ رہے) کہ جس طرح محبوب غیب میں تھا اور محبّت نہ تھی ۔
اسی طرح کمال مشاہدہ کے سبب ایسا بن جاتا ہے کہ محبّت کا علم بھی فنا ہوجاتا ہے اور جب
اس حالت پر پہنچ جاتا ہے تو محب بلا محبّت ہوجاتا ہے ۔

اللہ تعالےٰ کی طلب میں بے چین رہنا

جان لے کہ طالبِ حق کو چاہیئے کہ رنج ہو یا غم اور تنگی ہو یا فراخی
ہر حالت میں حق تعالےٰ کے وصال کا طلب گار اور اس کی لقاء کا مشتاق رہے چنانچہ
حدیث شریف میں آیا ہے کہ جنّت کی جانب اوّل وہ لوگ بلائے جائیں گے جو رنج و
راحت ہر حال میں حق تعالیٰ کی حمد و شکر کرتے تھے ۔ کیونکہ ہر حالت میں حق تعالےٰ
کا طالب رہنا محبّت کے سچے ہونے پر دلالت کرتا ہے ۔ حضرت صلی اللہ تعالےٰ
علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالےٰ اپنے کسی بندہ کو دوست بناتا ہے تو
اس کو مُبتلا فرماتا ہے ۔ پس اگر صابر رہا تو برگزیدہ کرلیتا ہے اور اگر راضی بنتا ہے (کہ
رضا کا درجہ صبر سے بھی اُونچا ہے) تو منتخب فرما کر اپنی طرف کھینچ لیتا ہے ۔ نیز آپؐ نے
فرمایا ہے کہ حق تعالےٰ کی عبادت رضا مندی کے ساتھ کرو (کہ دل بھی اندر سے
بشاش رہے) اور اگر رضا نہ ہو تو نفس کے خلاف باتوں میں صبر کرنا بھی بہت کچھ
بھلائی ہے ۔ نیز حضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم نے ایک جماعت سے دریافت
فرمایا کہ تم کون لوگ ہو ؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہم مومن ہیں ۔ فخرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم

نے فرمایا کہ تمہارے ایمان کی علامت کیا ہے ؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہم مصیبت میں صبر کرتے ہیں اور فراخی پر شکر کرتے ہیں اور قضاء الٰہی پر راضی رہتے ہیں۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم کھاتا ہوں رب کعبہ کی کہ بے شک تم مومن ہو" اور ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے اُن کو یوں ارشاد فرمایا کہ "یہ لوگ حکماء ہیں علماء ہیں اور قریب ہے کہ اپنے کمال فقاہت کے سبب انبیاء ہو جائیں"!

اور بعض اکابر کا قول ہے کہ اللہ تعالےٰ کا ذکر دل کی صفائی کے سبب مصیبت کی تلخی کو بھلا دیتا ہے اور یہ اس لئے کہ حق تعالےٰ اپنے ذاکرین بندوں کو اپنی قدرت کی نشانیاں دکھلاتا ہے یہاں تک کہ ان بندوں پر کھل جاتا ہے کہ حق تعالیٰ اپنی ذات پاک اور اپنی صفاتِ قدیمہ میں غیر سے بے نیاز ہے اور تمام اغنیاء اس کی قدرت کی وجہ سے قائم اور اسی کے محتاج ہیں اور جب اُن پر مشاہدہ کا غلبہ ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالےٰ کے ماسوی کو فناء پاتے ہیں تو بجز حق تعالےٰ کے دوسرے کو نہیں دیکھتے۔ پس مصیبت اور اس کی تلخی کہاں رہتی ہے! اور یہ معرفت عارفین وصدیقین کو حاصل ہوتی ہے جو اصحاب مشاہدہ ومکاشفہ ہوتے ہیں۔ اور اسی جگہ سے بعض صوفیہ کا یہ قول مستنبط ہے کہ "میں نے خدا تعالےٰ کو ہر شئے سے پہلے دیکھا" اور یہ دیکھنا یقین اور اخلاص کے ساتھ چشم سِر کا دیکھنا ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ مصیبت بارگاہِ حق تعالیٰ سے ایک عافیت ہے جو اس کی طرف سے بندوں کو پہنچتی ہے۔ اور سہیل تستری رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے کہ اگر بلاء وتکلیف حق تعالےٰ کی طرف سے نہ ہوتی تو بندوں کو حق تعالےٰ کی طرف راستہ نہ ہوتا"

اور ابوسعید خراز رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ بلاء محبین کے لئے حق تعالےٰ کا تحفہ اور ہدیہ ہے اور وصال کی مخفی زنجیر کا ہلانا ہے اور ذوالنون رحؒ نے فرمایا ہے کہ لوگوں میں بڑا صابر وہ شخص ہے جو بلاء کو چھپانے میں بڑھا ہوا ہو اور رویمؒ نے فرمایا ہے کہ بلاء کی وجہ سے بندوں کو حق تعالےٰ نے حرکت دی اور وہ متحرک ہو گئے

اور اگر ٹھہرے رہتے (اور صبر کرتے، اس کے آستانہ ہی پر پڑے رہتے) تو وصل سے کامیاب ہو جاتے۔ ابو یعقوب نہر پوری رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ دنیا بلاء سے فریاد مچاتی ہے اور اس کے دفع کی خواہاں ہوتی ہے۔ اور عارف بلاء میں لذت پاتا اور اُس کے ہٹنے کو ہرگز نہیں چاہتا۔ اور حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ بلاء عارفین کے لئے چراغ ہے اور مریدین کے لئے تنبیہ اور غافلین کے لئے تباہی۔ اور ابن عطاء رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ فرماتے ہیں کہ بندہ کا سچ اور جھوٹ مصیبت اور فراخی کے وقت معلوم ہوتا ہے کہ اگر فراخی میں ساکن رہا (اور شکر گزار ہو کر عبادت میں ترقی نہ کی) اور بلاء میں ہائے ہُو کرنے لگا تو جھوٹا ہے۔ اور علی بن بندار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہ دُنیا ایک مکان ہے جس کی بنیاد ہی بلاء اور محنت پر ہے۔ پس مشقت اور محنت کے بدوں اس کا رہنا محال ہے۔

الحاصل، ذکر پر مواظبت

طالب حق کو رضا و سرور وغیرہ آداب و شرائط پر قائم رہنا اور شیخ کی تلقین کے بغیر پوری مضبوطی کے ساتھ ذکر پر مواظبت رکھنا ضروری ہے تاکہ ذکر کا اثر باطن میں جاوے اور پٹھوں میں سرایت کرے اور وجود کی ظلمت و کثافت و کدورت ذکر کی آگ سے جل جاوے۔ اور ذکر کے نور سے دل کو قرار حاصل ہو۔ کیونکہ ذکر میں نور اور نار دونوں ہیں کہ اس کے نور سے تو دل کو ٹھنڈک و سکون پہنچتا ہے اور اس کی نار سے بشری اور وجودی کثافتیں جبلی اور اصلی خشونت و طبعی ببوت دفع ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ آثار بشریت سے نکل کر خاکی بوجھوں سے ہلکا ہو کر اپنے قلوب سے ملکوتی میدان کو بھی عبور کر کے ربوبیتِ اعلیٰ کے آسمان پر جا پہنچتا ہے اور ذکر کی پوری اور بڑی تاثیر اس وقت ہوتی ہے جب کہ خلوت خانہ تنگ ہو لوگوں سے اور تمام مشاغل سے خالی ہو۔ کیونکہ لوگوں کا دیکھنا اور ان کی باتوں کا سننا بھی مشغول کرنے والا ہے اور جگہ تنگ ہو اور ہمت جمع کر کے ذکر میں بہت مبالغہ کرے۔ چنانچہ ابو سعید خدری رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے روایت کی ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

سے کہ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا اتنی کثرت سے ذکر کرو کہ لوگ دیوانہ کہنے لگیں اور صدق واخلاص سے اللہ تعالےٰ کے ذکر کی علامت قلب کی رقت اور خوف ہے کہ حق تعالےٰ فرماتا ہے:

"مومنین وہ ہیں کہ جب خدا تعالےٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں"۔

اور یہ اس وجہ سے کہ ان کا ذکر عبودیت اور عبادت کا ذکر اور بیداری وجمعیت وانس کا ذکر ہوتا ہے۔ نہ کہ عادت یا غفلت اور تفرقہ ووحشت کا ذکر۔ اور ذاکر کو یہ اوصافِ حسنہ اس وجہ سے حاصل ہوتے ہیں کہ حق تعالےٰ اس ذکر کرنے والے کو اپنی عنایت ومہربانی سے ملائکہ مقربین کی جماعت میں فخر کے ساتھ یاد فرماتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص مجھ کو اپنے دل میں یاد کرتا ہے مَیں بھی اس کو اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور اگر مجمع میں یاد کرتا ہے تو مَیں بھی اس کو ایسے مجمع میں یاد کرتا ہوں جو اس کے مجمع سے بہتر ہے"۔

پس جس کو حق تعالےٰ نے یاد فرمایا اس کو ذکر قلب وسِر اور مذکور میں استغراق اور ذات بحت میں غائب ہو جانے کا مرتبہ نصیب ہو جاتا ہے اور اس کا قلب عمدہ احوال سے اور اس کا بدن اعمالِ صالحہ سے منصف بن جاتا ہے۔ سبحان اللہ حق تعالےٰ نے اپنے بندوں پر کس قدر لطفِ خاص اور رحم اتم نازل فرمایا کہ ذکر کا حکم فرمایا اور اس کے واسطے سے تزکیہ وتصفیہ اور نورانیت وپاکی مقرر فرمائی۔ بُرے بھلے کی پہچان، خوبیوں کا حصول، برائیوں سے بچاؤ، شیطان کی شناخت، قلب کی حیات وصفائی اور اپنی ذات پاک کا قرب اور ذکر کرنے والے کو نفس پر غلبہ اور نفس کو جھڑکنے، ڈانٹنے، دبانے اور حکم شرع میں اس کو داخل کرنے کی سبیل اور حکمت ومعرفت وعلم واحوال صافیہ کا قلب کے لئے حصول سب کچھ ذکر کے واسطے سے عطا فرمایا اور ان تمام عنایتوں کو بنی آدم کے لئے مخصوص کر دیا۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ شیطان باوجود اتنی طاعت کے بھی مشاہدہ کے درجہ کو نہ پہنچا اور (اسی لئے سجدہ کے حکم پر تکبّر ظاہر ہُوا) اور جناب آدم علیہ السّلام سے عین لغزش کے وقت بھی مشاہدہ فوت نہ ہُوا (اور اسی لئے خطاء پر ندامت اور عفو تقصیر

کی استدعا ہوئی)۔

جان لے کہ حق تعالٰے نے جس طرح آسمانوں کو فرشتوں اور آفتاب و ماہتاب کے نُور سے منوّر فرمایا ہے اسی طرح قلوب و ارواح کو اپنی ذات اور صفات کے انوار سے جو ذکر کے سبب ان میں حاصل ہو جاتا ہے منوّر فرمایا ہے اور اسم ذات یعنی اَللّٰہُ اور کلمۂ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا نور سب سے زیادہ روشن اور صاف ہے۔ پس جب ذکر کنندہ اس پر مداومت کرتا ہے تو اس ذکر کا نور قلب کے نور کے ساتھ جمع ہو کر قلب کے اندر ایسی جگہ پکڑ لیتا ہے کہ الگ نہیں ہو سکتا اور یہاں تک ہوتا ہے کہ قلب کی ذاتی صفت بن جاتا ہے اور یہی مطلب ہے صوفیہ کے اس قول کا کہ کلمہ طیب قلب اور سِرّ میں بیٹھ جاتا ہے یعنی اس کا نور متمکن ہو جاتا ہے۔ پس ذکر کی ابتداء سے علم حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ فخر عالم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے علم پر عمل کرتا ہے حق تعالٰے اُس کو اس عمل کے صلہ میں ایسا علم عطا فرماتا ہے جو اَب تک حاصل نہ ہُوا تھا اور ذکر کی انتہا سے حکمت حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ فخر پیغمبران صلی اللہ تعالٰے علیہ وعلیہم اجمعین نے فرمایا ہے کہ جو شخص اخلاص کے ساتھ چالیس ایام تک حق تعالٰے کی بارگاہ میں عمل کرتا ہے تو حکمت کے چشمے اس کے دل سے زبان پر جاری ہونے لگتے ہیں" اور صوفیہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ مذکور ایک ہے اور ذکر اگرچہ مختلف ہیں مگر ذکر کی اصل یعنی قبولیت حق منجملہ لوازم کے ہے (کہ ہر ذکر سے حاصل ہوتی ہے)۔

شبلی رحمۃ اللہ تعالٰے علیہ نے ایک جماعت سے فرمایا کہ تم لوگ ذاکر ہو اور اللہ تعالٰے فرماتا ہے کہ مَیں ذاکرین کا ہم نشین ہوں۔ پس تم حق تعالٰے کی ہم نشینی کا مرتبہ رکھتے ہو"

اسی طرح بعض بزرگوں سے بھی سوال کیا گیا کہ جنّت میں بھی ذکر ہو گا یا نہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ذکر تو غفلت کے دفع کرنے کو ہوتا ہے اور جب جنّت میں غفلت ہی نہ ہو گی تو وہاں ذکر ہونے کے معنی کیا؟ ؎

فصل ۹

خواطر کی نفی چھٹی شرط خواطر کی ہمیشہ نفی کرنا ہے اور یہ مضمون مجاہدہ والوں پر بہت دشوار ہے۔ اور خواطر کا پہچاننا بھی صوفیہ کے علوم میں داخل ہے تاکہ ان میں امتیاز کر کے خاطرِ حق کی موافقت کریں اور اس کے خلاف کی مخالفت (اس کی اس لئے تفصیل جاننا ضروری ہے)۔

وارد کی تعریف پس جاننا چاہیئے کہ وارد تو اس کو کہتے ہیں جو بندہ کے کسب کے بغیر قلب پر نازل ہو خواہ خطاب کی صورت میں ہو یا نہ ہو مثلاً حزن و قبض اور بسط وغیرہ (کہ بعض دفعہ سالک پر طاری ہوتا ہے اور سالک کو اس کی وجہ بھی معلوم نہیں ہوتی پھر کسب کو تو کیا دخل ہو۔

خواطر کی تعریف اور خاطر اس وارد کا نام ہے جو دل پر خطاب کی صورت میں آیا کرتا ہے۔

خواطر کی قسمیں اور اکثر صوفیہ کے نزدیک خواطر کی چار قسمیں ہیں۔ ایک خاطرِ حق جو حق تعالےٰ شانہٗ کی طرف سے ہو اور وہ ایک علم ہے جس کو حق تعالےٰ اہلِ قرب اور اہلِ حضور سالکوں کے قلب پر غیب سے بلا واسطہ القا فرماتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ حق تعالےٰ ہے :۔

قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ۔ "کہہ دو (اے محمدؐ!) میرا رب علام الغیوب حق کا القاء فرماتا ہے۔"

دوم خواطر ملکی۔ اور وہ ایک کیفیت ہے جس سے طاعات پر آمادگی اور نیکیوں کی رغبت اور معاصی و مکروہات سے بچاؤ اور گناہوں کے ارتکاب اور عبادت میں کاہلی پر ملامت ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ابن آدم کے ساتھ ایک اثر ہے شیطان کا اور ایک اثر ہے فرشتہ کا۔ پس شیطان کا اثر تو حق کو جھٹلانا اور گناہ پر لذت کی توقع دلانا ہے اور فرشتہ کا اثر نیکی پر جزا کا متوقع کرنا اور حق کی تصدیق ہوتا ہے۔
سوم خواطر نفسانی۔ یعنی دُنیا کی موجودہ لذتوں کا تقاضا اور باطل خواہشوں کی طلب کا

ظاہر ہونا - چنانچہ حق تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کا قول ذکر فرمایا ہے کہ :-

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا - "اے میرے بیٹو! تمہارے لئے آراستہ کر دکھایا اس (معاملہ گم کردگی یوسفؑ) کو تمہارے نفسوں نے"

نیز حضرت یوسف علیہ السلام کا قول ذکر فرمایا ہے :-

وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ - "میں اپنے نفس کو لغزش سے بری نہیں کرتا کیونکہ نفس تو بدی کا بہت ہی زیادہ حکم کرنے والا ہے"

(پس معلوم ہوا کہ بدی کی ترغیب اور معصیت کو زینت دینے میں نفس کو بہت کچھ دخل ہے اور یہی خواطر نفسانی ہے۔)

چہارم خواطر شیطانی - اور وہ گناہ و معصیت و مکروہات کی طرف بلاتا ہے - حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :-

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُمْ مُبْصِرُونَ وَإِخْوَانُهُمْ يَمُدُّونَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُونَ - "پرہیزگار بندوں کو جب کچھ شیطان چھوتا ہے تو اسی دم اللہ کے عذاب کو یاد کرتے اور فوراً حق و باطل میں امتیاز کرکے اس سے رُک جاتے ہیں اور کفار کو کہ شیطان کے بھائی ہیں یہ شیطان گمراہی میں کھینچتے ہیں اور ہرگز کوتاہی نہیں کرتے"

نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے :-

اَلشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ - "شیطان تمکو تنگدستی کا خوف دلاتا اور بدکاری کا حکم کرتا ہے اور حق تعالیٰ اپنے فضل اور مغفرت کا وعدہ فرماتا ہے"

نیز ارشاد فرمایا ہے :-

إِنَّ الَّذِينَ ارْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى الشَّيْطَانُ سَوَّلَ لَهُمْ وَأَمْلَىٰ لَهُمْ - "جو شخص مرتد ہوگیا ہدایت کے ظاہر ہوئے پیچھے تو شیطان اس کے لئے وسوسہ کو مزین و خوش منظر بنا کر کہتا ہے کہ دیکھئے یہ ثواب کے وعدے کب پورے ہوتے ہیں اور ہوتے بھی ہیں یا محض تسلی کے لئے قصے ہی بنائے گئے ہیں"

نیز فرمایا ہے کہ آخرت کے معاملات کا فیصلہ ہو جانے کے بعد شیطان اپنے رفیقوں سے کہے گا:۔ وَقَالَ الشَّیْطٰنُ لَمَّا قُضِیَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰہَ وَعَدَکُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّکُمْ فَاَخْلَفْتُکُمْ وَمَا کَانَ لِیَ عَلَیْکُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ۔ (حق تعالےٰ کے سارے وعدے سچے تھے اور میرے وعدے سارے خلاف اور بلا دلیل تھے۔" نیز فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے رفیقوں کی طرف وسوسے ڈالتا ہے۔" نیز فرمایا ہے کہ "اسی طرح تمام انبیاء کے لئے شیاطین انس وجن کو دشمن بنا دیا گیا تھا کہ ایک دوسرے کی طرف باطل اقوال کا وسوسہ ڈالتا تھا۔" نیز فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ تعالےٰ کی یاد سے روگردانی کرتا ہے ہم اُس پر شیطان مسلط کر دیتے ہیں۔ اور حدیث میں ہے کہ شیطان ابن آدم کے قلب پر زانو مارے ہُوئے (مستعد) بیٹھا رہتا ہے۔ پس جب ابن آدم ذکر کرتا ہے تو وہ بھاگ جاتا ہے اور جب وہ غافل ہوتا ہے تو اس کے دل کو لقمہ بنا کر مُنہ میں داب لیتا اور ابن آدم کے قلب کو) وسوسوں اور فاسد آرزوؤں میں مُبتلا کر دیتا ہے۔

خواطرِ حق اور خواطرِ مَلک میں فرق

اور خاطر حق اور خاطر ملک میں فرق یہ ہے کہ خاطر حقانی کا مقابلہ تو کوئی شئے نہیں کر سکتی اور جب اس کا غلبہ ظاہر ہوتا ہے تو بدن کے سارے اجزاء اس کے تابع ہو جاتے ہیں اور دوسرے سارے خطرات محو و مضمحل و نابود بن جاتے ہیں۔ چنانچہ اکابر سے لوگوں نے پُوچھا کہ خطرۂ حق کی دلیل کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ وہ ایک وارد ہے جو قلب پر آتا ہے اور نفوس کو جھٹلانے سے جھڑکتا اور منع کرتا ہے (پس نفس کی یا شیطان کی ہمت نہیں کہ اس کو جھٹلائے یا اس کا اثر قبول نہ کرے) اور خطرہ ملکی کا معارضہ خطرۂ نفسانی و خطرۂ شیطانی کر سکتا ہے اور خطرۂ نفسانی و شیطانی میں فرق یہ ہے کہ نفسانی خطرہ ذکر کرنے کے نور سے منقطع نہیں ہوتا اور باوجود ذکر کے بھی اپنے مطلوب کا تقاضا کرتا رہتا ہے۔ لیکن ہاں اگر توفیق ازلی اور دستگیری فرمائے اور اس کے تقاضہ کی رگ ہی کاٹ دے (تو دوسری بات ہے) اور خطرۂ شیطانی ذکر کے

نور سے منقطع ہو جاتا ہے تاہم ممکن ہے کہ پھر لوٹ کر آجاوے اور ذکر کو بھلا دے۔
چنانچہ حدیث گذشتہ میں تم نے سُن لیا کہ ذکر کے وقت یہ بھاگ جاتا اور غفلت کے
وقت پھر لوٹ آتا ہے۔

صوفیہ نے یہ فرق بھی بیان کیا ہے کہ خاطر ملکی کی حالت تو یہ ہے کہ بندہ کبھی اس کی
موافقت و تعمیل کرتا ہے اور کبھی نہیں کرتا مگر خاطر حق کی مخالفت کسی طرح نہیں کر سکتا۔
نیز کہا ہے کہ خاطر حقانی تو تنبیہ ہوتی ہے اور خاطر ملکی عبادت کا مطالبہ ہے اور خاطر
نفسانی لذتوں کی خواہش ہے اور خطرۂ شیطانی معصیتوں کا خوشنما بنا دینا ہے بس سالک
توحید کے نور سے بدولت واردات حقانی کو قبول کرتا ہے اور معرفت کے نور کی بدولت
خاطر ملکی کو قبول کرتا ہے اور نور ایمان سے نفس کو ڈانٹتا اور جھڑکتا ہے اور اسلام کے نور
سے دشمن یعنی شیطان کی تردید کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے خطرات کا
حال دریافت کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ خطرات چار ہیں۔ خطرۂ رحمانی کہ وہ ہدایت اور
اسرار کی راہنمائی فرماتا ہے۔ ملکی جو طاعات کا راستہ دکھاتا ہے نفسی جو دنیا اور جاہ
دنیا کی طرف کھینچتا ہے اور شیطانی جو معصیتوں اور شہوات کی طرف لے جاتا ہے اور
صوفیہ کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ چاروں خطرات خدا تعالےٰ ہی کی طرف سے ہیں۔ مگر
بعض بلاواسطہ اور بعض بواسطہ فرشتہ و نفس و شیطان۔ پس جو خطرہ محض خیر اور بلاواسطہ
ہو وہ ربانی کہلاتا ہے اور خیر کے علاوہ دوسرے خطرات کو ادب کے سبب حق تعالےٰ
کی طرف نسبت نہ کرنا چاہیئے اور جو خطرہ خیر ہو اور بواسطہ فرشتہ ہو اس کا نام
ملکی رکھ دیا گیا ہے اور شر اگر اسرار کے ساتھ اور ایسی شئے کی آمیزش سے ہو جس میں
نفس کو مزہ آتا ہے تو وہ نفسانی کہلاتا ہے ورنہ شیطانی۔

اور بعض صوفیہ نے یوں کہا ہے کہ اصل خواطر جو حق تعالےٰ کی طرف سے ہیں
چار ہیں۔ اور یہ اس طرح کہ حق سبحانہٗ جب چاہتا ہے کہ اپنے بندہ کو اپنی بارگاہ کے
قرب کا خلعت بخشے تو اوّلاً فرشتوں کی جماعت کو جو درحقیقت ارواح و قلوب کے
لشکر ہیں قلب کی مدد کے لئے اس پہ نازل فرماتا ہے تاکہ روح اور قلب قوی ہو کر ہمت

کے بازو سے قرب کے میدان میں پرواز کرنے اور خاطر حقانی کے ورود کی استعداد حاصل کرے۔ اور جب کسی کو دور فرمانا اور مُبتلا کرنا چاہتا ہے تو اُس پر گروہِ شیاطین کو بھیج دیتا ہے تاکہ وہ نفس کی مدد کریں اور نفس اپنی ہمت اور نیت میں (جو ہمیشہ پستی اور باطل کی جانب ہوتی ہے شیطانی گروہ کی اعانت سے اور زیادہ) زور پکڑ کر اپنے طبعی کرہ اور سفلی مرکز کی طرف جاتا ہے اور اس میں خطرات نفسانی ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور سب مُسلمانوں کو اس سے محفوظ رکھے۔

خواطر میں امتیاز

خواطر میں پُورا امتیاز اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ قلوب کے آئینہ کا طبعی زنگ زہد و پرہیزگاری اور ذکر کے آلۂ صیقل سے صاف کر لیا جائے اور اس میں کیفیات کی صورتیں اپنی اصلی حالتوں پر منکشف ہونے لگیں اور جو شخص زہد و تقویٰ کے سبب اس مرتبہ کو نہیں پہنچا اس کے لئے راہ سلوک کے خواطر میں تمیز کرنے کے لئے ضروری ہے کہ جو خطرہ قلب میں آوے اوّل اس کو شریعت کی ترازو میں تول لے۔ پس اگر فرض یا واجب یا سنت یا مستحب معلوم ہو تو اس کو جاری کرے اور اگر حرام یا مکروہ ہو تو دُور کرے اور اگر مباح ہو تو وہ جانب اختیار کرے جس میں نفس کی مخالفت زیادہ ہوتی ہو۔ کیونکہ نفس اپنی کدورت کے سبب اکثر دنیاوی چیزوں کی طرف رغبت و میلان کیا کرتا ہے (پس وہ جانب جو اس کے خلاف ہے دناءت میں ضرور کمزور ہوگی۔)

نیز جاننا چاہیئے کہ بعض ضروری حقوق بھی نفس کے مطالبات میں داخل ہیں اور ان کا پُورا کرنا ضروری ہے کیونکہ نفس کا قوام اور حیات کا بقا ان کے ساتھ وابستہ ہے (مثلاً نکاح کی خواہش یا پانی و غذا کا تقاضا) پس حقوق اور حظوظ میں امتیاز کرنا ضروری ہے تاکہ حظوظ کو جو حقوق سے زائد چیزوں کا نام ہے دفع کرتا رہے اور مبتدیوں کو حقوق اور حدِ ضرورت کا جاننا واجب ہے اور حدِ ضرورت سے آگے بڑھنا اُن کے لئے گناہ ہے۔ البتہ منتہیٰ کے لئے وسعت کا دروازہ کھل جاتا ہے کہ ضرورت کی تنگ گھاٹی سے باہر نکل کر سہولت کے میدان میں آجاتا ہے اور اب اس کو حظوظ کا پُورا کرنا

بھی باذن اللہ تعالےٰ نقصان نہیں دیتا اور بعض صُوفیہ نے اس خطرہ کو جو واجب و ضروری ہو خاطر حقانی کہا ہے اور وہ خطرہ جو حرام کا ہو خاطر شیطانی اور مستحب کا خطرہ خاطر مَلکی اور مکروہ کا خطرہ خاطر نفسانی نام رکھا ہے اور مباح کو جس کی دونوں جانبیں مساوی ہیں (کہ کرے تو اجر نہیں اور نہ کرے تو عتاب نہیں) خطرہ ہی نہیں کہا۔ کیونکہ خطرہ ہونے کے لئے ایک نہ ایک جانب کی ترجیح ضروری ہے۔

شیخ مجد الدین بغدادی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کا یہ مشرب ہے کہ مذکورہ چار خواطر پر خاطر روح اور خاطر قلب اور خاطر شیخ تین خواطر کا اضافہ ہونا چاہیئے۔ اور بعض مشائخ نے خاطر عقل اور خاطر یقین کو بھی زیادہ کیا ہے۔ مگر تحقیقی بات یہ ہے کہ یہ جملہ خطرات، انہی چار خواطر کے تحت میں داخل ہیں۔ کیونکہ خاطر روح و قلب تو خاطر مَلکی میں داخل ہیں اور خاطر عقل اگر روح و قلب کی امداد کے لئے ہے تب تو مَلکی ہے اور اگر نفس و شیطان کی مدد کرتا ہے تو شیطانی ہے اور خاطر شیخ ایک قسم کی اعانت ہے کہ شیخ اپنی ہمت کے واسطہ سے مرید کے قلب میں پہنچاتا ہے اور جب مرید کو کوئی مشکل پیش آتی اور مرید اس سے نجات پانے کا حاجت مند ہوتا ہے تو شیخ کی طرف توجہ کرتا ہے تو فوراً وہ مشکل بعونہٖ تعالیٰ حل ہو جاتی ہے۔

پس یہ خطرہ داخل ہے خطرۂ حقانی میں کیونکہ شیخ کا قلب مثل دروازہ کے ہے جو عالم غیب سے کھول دیا جاتا ہے (پس دروازہ سے آنے والی شئے درحقیقت عالم غیب سے آرہی ہے) اور حق تعالےٰ کے فیوض کی امداد جو ہر لحظہ مرید تک پہنچتی ہے وہ شیخ ہی کے واسطہ سے پہنچتی ہے۔ اور خاطر یقین اس وارد کا نام ہے جو دل میں آتا ہے اور ظن یا شک یا وہم کوئی چیز بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ پس وہ بھی خطرۂ ربانی میں داخل ہے اور صاحب "عوارف المعارف" نے خاطر عقل کو چاروں مذکورہ خواطر میں متوسط قرار دیا اور کہا ہے کہ خاطر عقل کبھی تو نفس و شیطان کے ساتھ ہوتا ہے اور دلائل عقلیہ پیش کر کے بندہ کو کسی لذت یا معصیت میں داخل کر دیتا ہے۔ کیونکہ اگر عقل نہ ہوتی تو عذاب و ثواب سے بری ہو جاتا (چنانچہ مجنون پر لذت و معصیت میں

پڑنے کا کچھ بھی گناہ نہیں۔ پس یہ عقل ہی کا کارنامہ ہے کہ لذت و معصیت میں لگا کر مستحق عذاب بنا دیا) اور کبھی خاطر عقل فرشتہ اور روح کا ساتھی ہوتا ہے تاکہ بندہ اپنے اختیار سے فعل مستحسن کرے اور ثواب پاوے (ورنہ بے عقل کو نیکو کاری پر ثواب بھی نہیں) اور خاطر یقین ایمان کی راحت اور علم کی زیادتی کا نام ہے (کوئی مستقل بالذات خاطر نہیں)۔

سالکین پر خطرات کا ہجوم

اور جان لے کہ اہل مجاہدہ سالکوں پر خطرات کا ورود سیل تند کی طرح آتا ہے۔ پس حالت ابتدا میں بجز اس کے کچھ چارہ نہیں کہ جملہ خطرات کو دُور کرے خواہ وہ خیر ہوں یا شر کیونکہ مبتدی کو تمیز کی اہلیت تو ہے نہیں (پس ممکن ہے کہ شر کو خیر سمجھ جائے اور جب سب کی نفی کرے گا تو خواطر محمود، یعنی خاطر ربانی و ملکی قلب میں جم جائیں گے اور اس کے دُور کرنے سے وہ دُور نہ ہوں گے اور شیطانی و نفسانی رفع ہو جائیں گے اور نفی خواطر کی تدبیر یہ ہے کہ ذکر کی صورت اور معنی میں اتنا خوص کرے کہ کسی چیز کی طرف التفات ہی نہ رہے بلکہ امتیاز کی طرف بھی ہرگز توجہ نہ کرے کہ ان میں بعض تو نفس اور شیطان کے ڈالے ہُوئے ہیں اور بعض مَلکی و الہام ربانی ہیں۔ کیونکہ خطرات اور ان میں امتیاز کی طرف مشغول ہونا بڑا اور صریح نقصان ہے۔ پس جملہ خطرات کی نفی کرے اور یہ مضمون بغیر اس کے حاصل نہ ہوگا کہ ذکر کے الفاظ اور معنی کی پوری رعایت کرے اور توجہ تام اسی طرف مبذول رکھے۔ حق تعالےٰ خود فرماتا ہے کہ "میں ذکر کرنے والے کا ہم نشین ہوں"۔

پس اثناءِ ذکر میں جناب حق تعالےٰ کی اتنی تعظیم ملحوظ رکھے کہ گویا وہ ایک شہنشاہ کے حضور میں بیٹھا ہُوا ہے کہ مرید صادق اور طالب واثق کو پلک جھپکتے درجۂ تجرید حاصل ہو جاتا ہے۔ البتہ درجۂ تفرید بڑی مُدت میں خواطر کی نفی کے بعد نصیب ہوتا ہے کیونکہ مبتدی جن خارجی چیزوں کا مشاہدہ کرتا ہے وہ اس کے مخیلہ میں نقش ہو جاتی ہیں اور جب وہ خلوت میں بیٹھ کر ذکر شروع کرتا ہے تو یہ محسوسات کبھی تو

اس کو خطرات دلاتے ہیں اور کبھی اس کے مشاہدات میں رَل ملکر سامنے آتے اور اس کے مزاحم ہوتے ہیں اور نفس کے عارضی خطرات جو ادھر آئیں اور ادھر نکل جائیں جن کو ہواجس کہتے ہیں اور خواہشات کا داعیہ اور شیطانی وسوسے طرح طرح کی آمیزش کے ساتھ اس پر خلوت کے مضمون کو مشوش اور چشمۂ قلب کو مکدر اور باطن کو پریشان بنا دیتے اور ذکر کی حلاوت اور مناجات کی لذت کو سلب کر لیتے ہیں (مثلاً مکان، بیوی، بچے، روپیہ پیسہ وغیرہ جن کو عمر بھر دیکھتا رہا چونکہ اس کے مخیلہ میں منقوش ہیں اس لئے ذکر کو مکدر اور باطن کو پریشان بنا دیتے اور ذکر کی حلاوت اور مناجات کی لذت کو سلب کا راغب بن جائے گا اور کبھی خواہ مخواہ توجہ کو ہٹا کر ذکر کی لذت و نورانیت سے باز رکھے گا۔ پس اس سے نجات پا جانا تفرید کہلاتا ہے اور اس کا حصول مدت ہائے بسیار کے بعد ہوتا ہے۔ البتہ تجرید یعنی یہ مضمون کہ حق تعالےٰ شانہٗ کے برابر کوئی باعظمت قابلِ محبت مطلوب و مقصودِ اعظم نہیں ہے جلد حاصل ہو جاتا ہے) پس جب جملہ خواطر کی نفی پر مداومت کرے گا کہ یہی سب سے بڑی شرط بلکہ خلوت کا مقصودِ اعظم ہے تو تفرید و انس کی حقیقت تک پہنچ جائے گا اور القاءِ شیطانی الہامِ ربانی سے بدل جائیگا اور حدیث نفس انشاء اللہ مکالمۂ روح و قلب سے مبدل ہو جائے گا۔

فصل ۷

ساتویں شرط شیخ کے ساتھ پوری ارادت سے ہمیشہ قلب کا مرتبط رکھنا ہے کیونکہ شیخ راستہ کا رفیق ہے۔ حق تعالےٰ فرماتا ہے :-

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۔ "اے ایمان والو! پرہیزگار بنو اور سچوں کے ساتھ (مرتبط) رہو"

نیز ارشاد فرمایا ہے :-

فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ "اگر تمکو کسی بات کا علم نہ ہو تو اہلِ ذکر سے پوچھ لیا کرو"

نیز ارشادِ حق تعالےٰ ہے :-

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ ۔ "اے ایمان والو تقویٰ اختیار کرو اور حق تعالیٰ کی طرف وسیلہ ڈھونڈو"

اور حضرت فخر عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ "میرے صحابہ ستاروں کی مثل ہیں تم جس کا بھی اقتداء کرلوگے راہ پاجاؤ گے۔" اور شیخ وہی ہے جو حق کا راستہ دیکھا بھالا اور ہلاکت و اندیشہ کے موقعوں سے آگاہ ہو تاکہ مریدوں کو ہدایت اور مفید و مضر سے واقف کر سکے۔ پس اس کی صحبت اس نیکوکار ہم نشین کی صحبت سے کس طرح کم ہوسکتی ہے۔ جس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ نیکوکار ہم نشین کی مثال عطر فروش کی سی ہے کہ اگر عطر نہ بھی ملے گا تو خوشبو ضرور سونگھائی دے گی۔ باقی اس فصل کے متعلق شرطیں وغیرہ فصل دوم میں گزر چکی ہیں۔

فصل ۱۱

ترکِ اعتراض آٹھویں شرط یہ ہے کہ حق تعالےٰ پر کبھی اعتراض نہ کرے۔ اور حق تعالےٰ فرماتا ہے :-

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ - "جب ابراہیم کو میں نے کہا کہ اپنا دین خالص کرو تو انھوں نے کہا کہ میں نے خالص کیا اور اپنی گردن رکھدی ربّ العٰلمین کے حکم پر۔"

نیز ارشاد فرمایا ہے :-

وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى۔ "جس نے تسلیم کی شان اختیار کی اور اپنے آپ کو طاعتِ الٰہی کے سپرد کردیا تو اُس نے مضبوط کڑا پکڑ لیا۔"

نیز صحابہ کی تعریف میں فرمایا ہے کہ (غزوۂ خندق کے دن) -

وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا۔ "کفار کے گروہ ہائے کثیرہ کے دیکھنے سے ان کا ایمان اور تسلیم ہی بڑھا۔"

پس مرید جب خلوت میں بیٹھے تو اس کے مناسب یہ حال ہے کہ اوّل غسل کرے اور اس میں موت کے غسل کی نیت کرے اور حق تعالےٰ شانہٗ کے سامنے ایسے بن جائے جیسے مُردہ اپنے نہلانے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور رضا و تسلیم اختیار کرکے اپنے آپ کو ہمہ تن حق تعالےٰ کے سپرد کردے اور پورا توکل اختیار کرے اور کسی حال میں بھی حق تعالےٰ پر اعتراض نہ کرے خواہ تنگی ہو یا فراخی۔ پس اگر

انشراح قلب وبسط عطا ہو تو شکر کرے اور بالیقین جانے کہ اس کا فیضان کرنے والا وہی حق تعالےٰ ہے اور مرید کو حق تعالےٰ کے حضور ایسا رہنا چاہیئے کہ جیسے بیمار اپنے طبیب کے سامنے ہوتا ہے کہ مریض جب جان لیتا ہے کہ طبیب اپنے فن کی باریکیوں سے خوب واقف اور میری حالت پر بہت مہربان ہے تو اپنی ساری حالتوں کو اُس کے حوالے کر دیتا ہے اور کسی حال میں بھی خواہ دوا و غذا مزہ دار میٹھی ہو یا بدمزہ وکڑوی اُس پر اعتراض نہیں کرتا بلکہ بہ جان و دل قبول کر کے پی جاتا اور کھا لیتا ہے اور اسی میں اپنی شفاء سمجھتا ہے۔ اسی طرح مرید نے جب جان لیا کہ اللہ جلّ شانہٗ اپنے بندوں پر مہربان ولطیف اور کریم وشفیق ہے اور ماں باپ بھائی وغیرہ سب سے زیادہ شفقت فرمانے والا ہے اور تمام آسمان و زمین کے ذرہ ذرہ کے نفع ونقصان کو اچھی طرح جانتا ہے اور ایک ذرہ بھی اس سے مخفی نہیں اور بندہ اپنے نفس پر ظلم کر رہا ہے اور اُس کی ساری کوشش روح وقلب کو برباد کرنے میں صرف ہو رہی ہے اور اپنی نجات و کامیابی سے ناواقف ہے کہ کس چیز سے ہو گی۔ پس اپنے سارے معاملہ کو سپردِ خدا کر کے اُس کے قضاء و قدر پر گردن رکھ دے گا اور جب حق تعالےٰ اس کو خوش وقتی اور بسط نصیب فرمائے گا تو وہ شکر کرے گا اور یقین کے ساتھ جان لے گا کہ اس کے قلب کی شفاء اور مرض کا علاج اسی کے ساتھ وابستہ ہے اور اگر اس پر تنگ وقتی اور قبض میں ابتلا واقع ہو گا تو سمجھے گا کہ میرے دل کی تندرستی اور بیماری کی تدبیر اسی صورت میں وابستہ ہے کیا اچھا کہا ہے کسی نے ؎

سپردم بہ تُو مایۂ خویش را　　　تو دانی حساب کم و بیش را

حق تعالےٰ جلّ شانہٗ فرماتا ہے :۔

عَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰۤى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ۔ ۱۲

"اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک چیز تم ناگوار سمجھتے ہو حالانکہ وہ چیز تمہارے حق میں بہتر ہوتی ہے اور بسا اوقات ایک شئے کو تم بہتر جانتے ہو اور وہ تمہارے لئے بدتر ہوتی ہے اور حق تعالےٰ ہر بہتری و بدتری کو جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

نیز ارشاد فرمایا ہے :۔

فَعَسٰی اَنْ تَکْرَهُوْا شَیْئًا وَّ یَجْعَلَ اللّٰهُ فِیْهِ خَیْرًا کَثِیْرًا ۔ ۱۲ "کیا بعید ہے کہ ایک چیز کو تم ناگوار سمجھو اور حق تعالیٰ نے اس میں تمہارے لئے کچھ بھلائی رکھ دی ہو۔"

اور جب مرید ابتداء میں تسلیم و تفویض کی بدولت استعداد پیدا کر لیتا ہے تو انجام کار کمال عبودیت تک پہنچ جاتا ہے اور اس بلند مرتبہ پر جو کوئی بھی پہنچتا ہے قدم قدم اور بتدریج پہنچتا ہے۔ پہلا قدم اور پہلی سیڑھی اعتراض کا چھوڑ دینا ہے اور جب شانِ تسلیم اس درجہ پر پہنچ جائے جیسی قیامت کے دن ظاہر ہوگی کہ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ خود ہی کہے اور خود ہی سُنے (کہ حکومت میں شریک تو کیا معنی اس کا جواب دینے والا بھی کہ آج ملک کس کا ہے؟ بجز حق تعالےٰ کے برائے نام بھی کوئی دوسرا نہ ہوگا) تو اس وقت شکوک و شبہات کے لشکر بھاگ جاویں گے اور گروہِ ملائکہ کا میدانِ قلب پہ نزول ہو گا اور ابرِ رحمت سے انوار و تجلیات کی بارش برسے گی اور اس درجہ سرور اور طرح طرح کی نعمتیں مالامال بنائیں گی کہ بجز حق تعالےٰ کے ان کو کوئی جانتا نہیں اور اس کی زبان حق تعالیٰ شانہٗ کی عظمت و جلال کا وصف بیان کرنے سے عاجز و گونگی بن جائے گی اور دل کی زبان سے کہے گا کہ لوگوں نے عظمتِ الٰہی کو پہچانا نہیں اور نہ اس کی تعظیم کا حق ادا کیا۔ یہی ہے کمال اور یہی ہے جمال۔

ترکِ اعتراض کے مزید احکام

ترکِ اعتراض کے احکامات میں سے یہ بھی ہے کہ تقدیرِ خداوندی اور قضاء مبرم پر راضی ہو اور فقر و غنا و حزن و خوف و قبض و بسط و انس و ہیبت و معرفت و محبت و محو و اثبات و حضور و شہود و قرب و بعد و ہوش و لاہوشی و مجاہدہ و مکاشفہ و مجالسہ و مناجات و مکالمہ اور آگے پیچھے کے خوف اور عنایت ازلی و کفایت ابدی اور احوال پر قہر و غلبہ اور کاہلی و سختدلی و عزت و کمال وغیرہ جملہ حالات کو بہ دل و جان قبول کرے۔ ربانیت کی روشنیوں اور وحدانیت کی چمک اور انوار کی بدولت رحمت و لطف الٰہی کے داموں میں پناہ پکڑے کہ حق تعالےٰ ہی ایسا رحیم و کریم ہے جس نے خود ہی اپنے

نبی صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم پر اخلاقِ برگزیدہ کا افاضہ فرمایا اور پھر خود ہی تعریف فرمائی کہ
اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ - "اے حبیب سلام اللہ علیہ تم بڑے خُلق پر ہو۔"

واسطی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ سے لوگوں نے سوال کیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ساری مخلوق سے زیادہ خُلقِ اعظم کیوں رکھتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ آپؐ کی رُوح شریف سب سے پہلے پیدا ہوئی تھی۔ پس جس قدر تمکین آپؐ کی روح پاک کو حاصل ہوئی اتنی کسی کو بھی حاصل نہیں ہوئی۔ اس لئے کہ سب آپؐ کے بعد پیدا ہوئے۔ چنانچہ آپؐ نے خود فرمایا ہے کہ "مَیں نبی تھا اور آدمؑ ہنوز روح وجسد ہی میں تھے۔"

اور بعض مشائخ نے کہا ہے کہ جب حق تعالےٰ نے مخلوق کے دلوں کا معائنہ فرمایا تو کسی کا دل فخرِ عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے دل سے زیادہ شائق نہ پایا اور یہی وجہ ہے کہ آپؐ کی معراج شریف میں عجلت فرمائی (کہ دُنیا ہی میں نبوّت کے دسویں سال نصیب ہوئی) اور آپؐ کے کمالِ شوق کے سبب آپؐ کو مکالمہ اور رویت کی طرف کھینچا۔ خود حضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "مَیں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ مکارمِ اخلاق کو پورا کروں۔" چنانچہ منقول ہے کسی نے پوچھا کہ دین کیا ہے؟ حضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "حسنِ خلق۔" نیز فرمایا کہ "حسنِ خلق خدائے تعالےٰ کا خلق ہے۔" نیز فرمایا ہے کہ "سب سے افضل مومن وہ ہے جس کا خلق سب سے بہتر ہو۔" نیز فرمایا کہ "اسلام بزرگ ترین اخلاق اور محاسن آداب سے گھِرا ہُوا ہے (کہ ان کو اختیار کئے بغیر کوئی اسلام میں پورا دخل نہیں پا سکتا) پس جب سالک شانِ تسلیم میں مستحکم ہو جائے گا تو اسلام اور حسنِ خلق سے متصف ہو گا اور انشاء اللہ تعالےٰ مراتبِ عالیہ پر پہنچ جائے گا۔

تتمہ: مذکورہ آٹھ شرائط کے فوائد کا بیان

جان لے کہ ان آٹھوں شرطوں کا فائدہ یہ ہے کہ جوہرِ انسانی کا تصفیہ ہو جائے اور وہ بارگاہِ بے نیاز تک پہنچنے کے قابل بن جائے اور تزکیہ و استعداد چونکہ اغیار یعنی وجود اور نفس و شیطان کو دفع کئے بدون حاصل نہیں

ہوسکتی۔ اس لئے یہ آٹھ شرطیں بیان کی گئیں کہ ان کے بغیر اغیار دفع نہیں ہوسکتے اور وجود[1] ایک گہری تاریکی ہے جو چار ارکان یعنی آب و خاک اور ہوا و آتش سے مرکب ہے کہ ان میں سے ہر ایک عنصر کی ظلمت اوپر تلے ہے اور اس کا تصفیہ بذریعۂ مجاہدہ کے ضروری ہے اور نفس[2] بدن میں ہوا کی طرح ایک لطیف شئے ہے اور وہ بھی تاریک و مکدر ہے اور تمام اجزاء بدن میں پھیلی ہوئی ہے اس کا تزکیہ بھی ریاضت سے لازمی ہے۔ اور شیطان[3] ایک مکدر آگ ہے جو مخلوط ہے کفر کی ظلمتوں سے کہ ابن آدم میں جہاں تک خون پہنچتا ہے وہ بھی سرایت کرتا ہے، پس اس کا نکالنا بھی ضروری ہے۔ اور یہ کیمیا کے طریق پر ہوتا ہے کہ ان تینوں ظلمتوں سے لطیفۂ نورانی کو نکالتے ہیں[1]۔ کیونکہ قلب نے جب سے کہ دنیا میں آکر ہوش پکڑا ہے طرح طرح کی شکلوں کے نقوش اس میں متمثل ہو گئے ہیں اور یہ شرطیں خود ظلمات اور مجسم تاریکیاں ہیں جن سے قلب زنگ پکڑ گیا ہے اور غفلت قبول کر بیٹھا ہے۔ پس خلوت و ذکر اور صوم و طہارت اور سکوت و نفی خواطر اور ربط و توحید مطلب سے آئینہ دل کا زنگ صاف کرنا چاہیئے کہ ذکر بمنزلہ آگ اور سوہان اور بھٹی کے ہے اور خلوت بمنزلہ کوزہ اور ظرف کے اور روزہ صیقل کا آلہ ہے اور سکوت و نفی خواطر اور ربط قلب، شاگرد پیشہ و کاریگر ہیں اور توحید مطلب گویا استاد ہے اور جب بندہ ان شرائط مذکورہ پر مواظبت کرتا ہے تو معیت و شہود کی روشنی قلب کو حاصل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ حق تعالٰے فرماتا ہے :-

هُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۔ "اللہ تعالٰے تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں بھی تم ہوؤ"

نیز ارشاد فرمایا ہے :-

أَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللهِ ۔ "جدھر بھی تم منہ پھیروگے اسی طرف اللہ تعالٰے کی ذات پاک ہے"

---

[1] جیسے تانبے کی کثافتوں کو دور کر کے کیمیاگر اکسیر بناتے ہیں۔

فصل ۱۲

مقاماتِ سلوک کا اجمالی بیان

جان لے کہ سالک کو چاہیئے کہ ہر حالت میں انواع عبادات میں کسی نہ کسی عبادت کو لازم پکڑے رہے اور جانتے رہے کہ حق تعالےٰ ذرا ذرا کا اس سے محاسبہ فرمائے گا۔ چنانچہ فرماتا ہے:۔

اِنْ کَانَ مِثْقَالَ حَبَّۃٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَیْنَا بِھَا۔ "اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی عمل ہو گا تو ہم اس کو حاضر کریں گے"

اور یہ مضمون چند مقامات سے حاصل ہوتا ہے۔ اوّل توبہ۔ اور وہ حق تعالےٰ کی طرف رجوع کا نام ہے۔ ہمیشہ نادم رہنے اور استغفار کی کثرت کے ساتھ۔ دوم[۲] انابت اور وہ غفلت سے ذکر کی جانب لوٹ آنے کا نام ہے۔ اور بعض صوفیہ کہتے ہیں کہ توبہ نام ہے ظاہری رجوع کا اور انابت نام ہے اس رجوع کا جو باطن سے ہوتا ہے اور انابت کے بعد عفت[۳] ہے اور وہ شہوات کے چھوڑنے کا نام ہے۔ اس کے بعد ورع[۴] ہے یعنی اس شغل سے بچنا جو حق تعالےٰ سے مشغول کرنے والا ہو۔ چنانچہ ابراہیم بن ادھمؒ نے فرمایا ہے کہ حرام سے زہد کرنا (اور بے رغبت ہو جانا) تو فرض ہے اور حلال سے زہد کرنا فضل ہے (کہ جس پر حق تعالےٰ رحم فرمائے مباحات کی رغبت بھی نکال لے) اور شبہات سے بے رغبت ہونا مکرمت ہے اور ورع کے بعد ارادہ[۵] ہے اور وہ ہمیشہ مشقت اٹھانے اور راحت کے چھوڑ دینے کا نام ہے۔ اس کے بعد فقر[۶] ہے یعنی کسی شئے کا بھی مالک نہ رہنا اور جو چیز پاس نہ ہو اس سے دل کو بھی فارغ کر لینا (کہ نہ ہاتھ میں کچھ ہو اور نہ دل میں تحصیل کی ہوس یا ناداری کا غم ہو) اس کے بعد صدق[۷] ہے جو ظاہر و باطن کے برابر ہو جانے کا نام ہے اور اس کے لئے لازم ہے کہ اللہ تعالےٰ کے ساتھ استقامت ہو ظاہر و باطن میں اور سرّ و علانیہ اس کے بعد تصبّر[۸] ہے اور وہ نام ہے نفس کو تلخ عیشی و مکروہات و ناگوار طبع امور کے خوگر بنانے کا اور اس کے بعد صبر[۹] ہے یعنی ماسوائے اللہ سے شکوہ چھوڑ دینا اور اس کے بعد رضا[۱۰] ہے۔ یعنی مصیبت میں لذت پانا۔ اس کے بعد اخلاص[۱۱] ہے اور وہ نام ہے خالق کے ساتھ معاملہ رکھنے کا کہ مخلوق کا

دخل ہی درمیان میں نہ رہے (کہ کوئی بُرا مانے یا بھلا مگر طاعت میں فرق نہ آئے) اس کے بعد توکل[۱۲] ہے۔ یعنی وعدہ و وعید میں حق تعالےٰ پر اعتماد رکھنا اور ما سوائے اللہ تعالےٰ سے طمع کا قطع کر دینا۔ رزقنا اللہ تعالےٰ وایاکم۔

فصل[۱۳]

کلام نافع کا بیان

جان لے کہ مشائخ رحمہم اللہ نے یوں ارشاد فرمایا ہے کہ جو کلام بھی کرے اس میں نصیحت و ہدایت کے قصد اور عوام کے نفع کی نیت رکھے اور مخاطب کے حوصلہ و فہم کے موافق بات کہے اور جس بات کا لوگ سوال نہ کریں اس کو نہ بیان کرے اور جب سوال کریں تو سائل کی استعداد کے موافق جواب دے۔

چنانچہ حضرت جنید رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ ایک شخص آپ سے ایک سوال کرتا ہے تو آپ ایک جواب دیتے ہیں اور اس کے بعد دوسرا شخص وہی سوال کرتا ہے تو آپ اس کو دوسرا جواب دیتے ہیں اس کی کیا وجہ؟ تو آپ نے فرمایا کہ عقل و فہم کے موافق جواب دینا چاہیئے (پس جس میں جتنی فہم دیکھی اس کے مطابق جواب دیا) اور سائل کو بھی چاہیئے کہ اپنے مرتبہ کے موافق سوال کرے اور جہاں تک رسائی نہ ہو وہاں کی بات ہی نہ کرے۔

اور بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ اپنے مرتبہ سے اونچی بات کا سوال کرنا بھی جائز ہے۔ کیونکہ حضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بہتیرے فقہ کے اُٹھانے والے اپنے سے زیادہ سمجھ داروں کو پہنچانے والے بنتے ہیں۔ پس وہ کلام گو سائل کے مرتبہ کا نہیں ہے مگر ہو سکتا ہے کہ (یہ جواب سُن کر دوسروں سے نقل کرے اور) دوسرے لوگ اس سے نفع اُٹھا دیں۔ اور چاہیئے کہ علم کو نااہل پر خرچ نہ کریں اور بعض کا قول ہے کہ اہل و نااہل دونوں پر خرچ کرے۔ کیونکہ خود علم اپنے آپ کو نااہل سے باز رکھے گا (پس نااہل قبول ہی نہ کرے گا) نیز چاہیئے کہ اپنے سے زیادہ جاننے والے کے سامنے کلام نہ کرے۔

چنانچہ ابن مبارک رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ سے کسی شخص نے سفیان ثوریؒ کے روبرو

کوئی مسئلہ پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ استادوں کے سامنے میں کلام نہیں کر سکتا"۔
اور بعض نے فرمایا ہے کہ اس علم تصوف کی گفتگو اسی شخص کو زیبا ہے جو صاحبِ حال ہو اور اپنے احوال و افعال بیان کرے اور محض نقل آثار نے والے کو زیبا نہیں کہ اس علم میں بحث کرنے لگے۔ نیز یہ بھی ادب ہے کہ قبل از وقت کوئی بات نہ کہے۔ کیونکہ اس سے اتنی آفتیں پیدا ہو جاتی ہیں کہ اس شخص کو فائدہ سے بالکل جُدا کر دیتی ہیں اور لوگوں اور دنیا والوں میں جاہ و منزلت کی طلب سے بہت ہی بچنا چاہیئے ورنہ اپنے علم سے ہرگز نفع نہ پائے گا۔

حضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ایسے علم سے پناہ مانگی ہے جو نفع نہ دے۔ نیز فرمایا ہے کہ جس شخص نے علماء میں نمائش پانے اور جہلاء و سفاء کو اپنے گرد جمع کرنے اور لوگوں کو اپنی طرف متوجہ بنانے کے لئے علم سیکھا تو اُس کو چاہیئے کہ دوزخ میں اپنا ٹھکانہ تلاش کرے۔ نیز چاہیئے کہ جو کچھ سُنے یا سیکھے اُس پر عمل کرنے میں بہت کوشش کرے۔ کیونکہ حکماء کا قول ہے کہ جس شخص نے کسی قوم کے علوم میں سے کچھ سیکھ کر عمل کیا تو یہ علم اس کے قلب میں حکمت بن جاتا ہے اور پھر جو شخص اس سے سُنتا ہے نفع پاتا ہے اور جو شخص اس پر عمل نہیں کرتا گویا ایک حکایت یاد کر لیتا ہے۔ آخر چند روز کے بعد بھول جاتا ہے اور مشائخ کا قول ہے کہ جو بات دل سے نکلتی ہے وہ دل میں سرایت کرتی ہے اور جو بات صرف زبان سے نکلتی ہے وہ دوسروں کے کان سے آگے نہیں بڑھتی۔

شیخ پر مکمل اعتماد و انقیاد کی ضرورت

نیز جاننا چاہیئے کہ جس کے دل میں سلوک الی اللہ کے ارادہ کا تخم قائم ہو تو اس کو اس کی بہت حفاظت کرنی چاہیئے کیونکہ یہ غیبی مہمان ہے (کہ ذرا بے توجہی میں خفا ہو کر چلا جائے گا اور پھر آنے کا نام نہ لے گا) پس اس کو غنیمت سمجھے اور اس کے مناسب غذائیں لاکر سامنے رکھے تاکہ پوری خوشی کے ساتھ ہضم کرے اور ایسی غذائیں درحقیقت سوائے شیخ طریقت کے کہیں نہیں ملتیں کیونکہ ارادت

کا تخم مُرید کے دل میں اس بچّہ کی مثل ہے جو عالمِ غیب سے پیدا ہو کر عالمِ شہادت یعنی دُنیا میں آوے۔ پس اس کی غذا بجز عالم غیب کے اس دُودھ کے جو اس کی ماں کے پستان سے نکلتا ہے دوسری نہیں بلکہ بازار کا دُودھ بھی نہیں ہے۔ اسی طرح ارادت کا نُور جو مُرید کے دل میں بتوفیقِ الہٰی عالمِ غیب سے پیدا ہُوا ہے اُس کی تربیت بھی بجز معرفت کے اس پانی کے جس کو فیاضِ باری عز اسمہ چشمۂ غیب سے اہلِ غیب کے دل پر پہنچائے دوسری شئے نہیں ہو سکتی اور اہلِ غیب وہ مشائخ ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی متابعت سے مشرّف ہوئے اور فیوض و اردات خداوندی کا ان پر فیضان ہُوا اور وہ اللہ والے ہو گئے۔

چنانچہ عوارف میں حضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم سے یہ روایت منقول ہے کہ جو کچھ حق تعالےٰ نے میرے سینے میں ڈالا تھا، صدیق اکبرؓ کے سینہ میں ڈال چکا"۔ پس جس شخص کو ارادت حاصل ہو تو اس کو اپنی رائے اور عقل پر قناعت نہ کرنی چاہیئے۔ بلکہ ایسے عارف شیخ کی تلاش میں کھڑا ہو جانا چاہیئے جو صفاتِ مذکورہ سے متصف ہو خواہ شرق میں ملے یا غرب میں کیونکہ بغیر اس کے چارہ نہیں اور اپنے آپ کو اس کے حوالہ کر کے اپنے تصرّفات سے خارج ہو جانا چاہیئے اور ہر چند کہ شیطان نفس کو موافق بنا کر یہ وسوسہ دل میں ڈالے کہ خدا جانے یہ شیخ کامل ہے یا نہیں؟ مگر چاہیئے کہ ایسے شیخ کے متعلق جس میں اوصافِ مذکورہ موجود ہوں اس وسوسہ کو قلب میں بالکل جگہ نہ دے اور قوتِ مردانہ سے بلند ہمّت بن کر اس کو دفع کرے اور اس حدیث کو یاد کرے کہ "سُننا اور اطاعت کرنا اپنے اُوپر لازم پکڑو، اگرچہ تمہارا حاکم حبشی غلام اور کم صُورت ہی کیوں نہ ہو"۔

پس بہر حال اپنے آپ کو اپنے تصرّف میں نہ چھوڑے بلکہ اس شیخ کا تابع بن جائے۔ کیونکہ صوفیہ نے کمال ارادت اور شیخ کی عدمِ مخالفت کے سبب یہاں تک مبالغہ کیا ہے کہ فرماتے ہیں مرید کو بلی کے تصرّف میں ہونا بھی اس سے بدرجہا بہتر ہے کہ وہ اپنے تصرّف میں رہے"۔ ہاں شیخ کی جو شرطیں ہم نے ذکر کی ہیں ان کا لحاظ رکھنا بھی واجب

ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو حق تعالےٰ نے اسی لئے بھیجا کہ اُمت کو دعوت دیں اور حق تعالےٰ کی طرف بلائیں اور آپ کو اپنے اذن سے راہِ مستقیم کا ہادی بنایا اور فرمایا :-

اِنَّكَ تَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۔ "(اے محمدؐ) واقعی تم راہِ مستقیم کی ہدایت کرتے ہو"

اور حکم فرمایا :-

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا۔ "اے ایمان والو! ہمارا رسول بلانے والا ہے ہماری طرف ہمارے اذن سے اور ہمارا رسول روشن چراغ ہے"

اور جب آپؐ کی عمر شریف تمام ہوگئی تو صحابہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم کو خلیفہ چھوڑا اور اسی طرح قیامت تک ہر زمانے میں ایسے لوگ رہیں گے جو اللہ تعالےٰ کی طرف بلائیں۔ چنانچہ آپؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میرے صحابہ ستاروں کے مثل ہیں جس سے بھی ہدایت چاہو گے راہ یاب ہو جاؤ گے"۔ مگر یہ ہدایت اسی شخص کے پاس ہو گی جس نے ظاہری و باطنی علم کی میراث اپنے واسطوں سے جناب سرورِ عالمؐ سے پائی ہو۔ پس جس شخص کو ایسا شیخ مل جائے اور وہ شیخ اس کو اپنی غلامی میں قبول بھی فرمالے تو چاہیئے کہ اس کے ظاہری و باطنی احترام میں کوتاہی نہ کرے۔

شیخ کا ظاہری و باطنی احترام کرنا

احترام ظاہری تو یہ ہے کہ اس کے ساتھ مناظرہ نہ کرے اور جو کچھ اس سے سُنے اگرچہ یقیناً جانتا ہو کہ غلط ہے تاہم اس کے ساتھ حُجت نہ کرے کیونکہ اُس کی نظر اس کی نظر سے اور اس کا علم اس کے علم سے بہرحال بڑھا ہوا ہے اور کامل ہے۔ نیز شیخ کے سامنے جانماز پر نہ بیٹھے مگر بضرورت نماز۔ اور نماز کے بعد فوراً جانماز اٹھالے اور زمین پر آبیٹھے اور نوافل بھی اس کے سامنے نہ پڑھے اور جو کچھ شیخ فرمائے اس کی تعمیل کرے اور حتی المقدور اُس میں کوتاہی نہ کرے اور شیخ کی جانماز پر قدم نہ رکھے۔ اور شیخ کے سامنے بلکہ دوسروں کے سامنے بھی ایسی حرکت نہ کرے جو اہلِ معرفت کی خصلتوں کے خلاف ہو اور مشائخ کے چہرہ پر بار بار نگاہ نہ ڈالے اور اُن کے ساتھ انبساط و

بے تکلفی کا برتاؤ نہ کرے مگر یہ کہ وہی اجازت دیں۔ اور کوئی کام ایسا نہ کرے جو شیخ کی گرانی طبع کا سبب ہو، بلکہ ہمیشہ گردن جھکائے رہے اور لوگوں کے منہ بھی نہ تکے کہ اس سے غفلت پیدا ہوتی ہے۔

باطنی احترام باطنی احترام یہ ہے کہ شیخ پر کسی امر میں انکار نہ کرے اور ظاہر کی طرح باطن میں قولاً و فعلاً اور حرکت و سکون ہر انداز سے لحاظ قائم رکھے ورنہ نفاق میں مبتلا ہو جائے گا اور اگر اپنے اندر کسی قسم کی خلش پا دے تو اس کو نکال دے تاکہ بتوفیق الہٰی ظاہر کے موافق ہو جائے۔

سالک کے لئے نوافل کی ضرورت اور ان کا بیان

نیز سالک کو ان اوقات کی جن کی فضیلت

حدیث سے ثابت ہے نوافل و اذکار سے ضرور معمور رکھنا چاہیئے جن میں ایک اشراق ہے جس کا وقت طلوع آفتاب سے لے کر آفتاب کے ایک نیزہ اونچے اٹھنے تک ہے اور اس میں چار رکعت (اور بروایتے دو رکعت) مستحب ہیں۔ دوم چاشت اور اس کا وقت طلوع سے لے کر زوال تک ہے اور بارہ رکعت (یا دو چار چھ آٹھ رکعت) اس میں مستحب ہیں۔ سوم فی الزوال۔ اس کا وقت زوال کے بعد ہے اور اس میں چار رکعت (و بروایتے دو رکعت) مسنون ہیں۔ چہارم مغرب و عشاء کے درمیان اور اس میں چھ رکعت ہیں اور اگر بیس رکعت پڑھے تو بہت اچھا ہے (اس کو صلوٰۃ الاوابین کہتے ہیں) اور یہ سب نوافل حدیث سے ثابت ہیں اور اس کے بعد ذکر خفی یا جلی میں بحضور قلب مشغول ہو۔ پنجم رات کے وقت تیرہ رکعت جن میں تین وتر ہیں اور اقل مرتبہ دو رکعت تہجد علاوہ وتر کے اس کے بعد صبح تک ذکر میں مشغول رہے اور صبح کی نماز پڑھ کر اشراق تک ذکر کرتا رہے۔ نیز تحیۃ الوضو دو رکعت اور دو رکعت تحیۃ المسجد پر بھی ضرور مواظبت کرے اور تحیۃ الوضو کا پڑھنا عصر کے بعد علماء نے مکروہ سمجھا ہے اور بعض مشائخ نے جائز رکھا ہے۔ پس جو شخص مذکورہ آٹھوں شرائط پر مواظبت کرے گا اور اوقاتِ مذکورہ کا لحاظ رکھے گا اور

آداب و محاورات مسطورہ کی حفاظت کرے گا وہ مخلص بن جائے گا اور شیطان کا اس پر غلبہ نہ ہوگا اور خاص اہل اللہ اور جنتی ہو جائے گا۔ کیونکہ جنت و دوزخ اہلِ سلوک کے نزدیک آج بھی موجود ہیں (یہ کہ کہ قیامت کو پیدا ہوں گی) چنانچہ حضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "میں جنت میں گیا اور بلال رضی اللہ عنہ کے جوتوں کی سرسراہٹ اپنے آگے آگے سنی" نیز فرمایا ہے کہ "میں جنت میں پہنچا اور ایک محل دیکھا میں نے پوچھا کہ یہ کس کا ہے؟ جواب ملا کہ عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا" پس مجھ کو عمرؓ کی غیرت یاد آئی اور اسی وجہ سے میں اُس کے اندر نہیں گیا" نیز فرمایا ہے کہ میں نے ابو طالب کو دوزخ کے ضحضاح[1] میں دیکھا۔ اور اگر میں اس کا بھتیجا نہ ہوتا تو اُس کا مقام وسط دوزخ میں ہوتا۔

فصل ۱۴

اولیاء اللہ کی سب سے بڑی کرامت جان لے کہ اولیاء کی بڑی کرامت یہ ہے کہ غیب جس کا ثبوت کتاب و سنّت سے ہے یعنی آخرت اور وعدۂ جنت و وعید جہنم اور حشر نشر وغیرہ پر اس کا ایمان شہودی ہوتا ہے کہ جس کا انکار نفس کسی طرح بھی نہیں کر سکتا اور نہ شیطان امر اخروی میں کسی قسم کا شبہ ڈال سکتا ہے اور یہ ایمان اس قدر مضبوط ہوتا ہے کہ اگر پردہ اُٹھ جائے (اور یہ واقعات غیبی کھل جائیں) تو اُن کے یقین میں کچھ بھی بیشی نہ ہوگی۔ نیز وہ یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اس کی قدرت خالی از حکمت نہیں ہے اور جان لے کہ بندہ جب تک تصدیق کے مرتبہ کو نہ پہنچے گا حقیقتِ ایمان تک نہیں پہنچے گا۔

چنانچہ حضرت حارثہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا قصہ منقول ہے کہ حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

---

[1] ضحضاح دریا کے درلے حصے کو کہتے ہیں جہاں ٹخنوں تک پانی ہو مطلب یہ ہے کہ ابو طالب کے قدم آگ میں ہیں جس کی حرارت سے دماغ تک اندر ہی اندر جھلس جاتا ہے اور یہ تخفیف اسلئے ہے کہ وہ میرا معاون رہا ہے۔ ۱۲

نے پوچھا کہ اے حارثہ! کس حال میں صبح کی ؟ انہوں نے عرض کیا کہ سچے مومن ہونے کی حالت میں صبح کی ۔ آپؐ نے فرمایا کہ ذرا سوچ کر کہو کیونکہ ہر دعوے کی ایک حقیقت ہوتی ہے ۔ پس بتاؤ تمہارے دعوے کی حقیقت کیا ہے ؟ انہوں نے عرض کیا کہ اپنے نفس کو میں نے دُنیا سے باز رکھا دنوں کو (روزہ کے سبب) پیاسا بنایا ۔ راتوں کو (تہجد کی وجہ سے) بیدار کیا اور گویا عرشِ الٰہی کی طرف ظاہراً دیکھ رہا ہوں (کہ درحقیقت وہ موجود ہے اور ایسا ہی ہے جیسا کہ شرع میں ثابت ہے) اور اہلِ جنت کو آپس میں ملاقات کرتے ہوئے اور دوزخیوں کو ایک دوسرے کو عار دلاتے ہوئے دیکھ رہا ہوں ۔ حضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ٹھیک جواب دیا تم نے" اور جب حارثہؓ وہاں سے اُٹھ کر چلے گئے تو حضرتؐ نے فرمایا کہ " یہ بندہ ہے جس کے دل کو حق تعالےٰ نے منوّر فرمادیا ہے ۔

فائدہ : ذکر کے اثرات اور مُرید کی ذمہ داریاں

جان لے کہ ذاکر کے قلب میں نور کے ڈال دیئے جانے کی علامت یہ ہے کہ ذکر کرنے والے کو انشراح صدر اور ذکر سے اطمینان حاصل ہونے لگتا ہے (گرانی و وحشت نہیں رہتی) اور انشراح صدر کی علامت یہ ہے کہ دُنیا چھوٹ جاتی اور دُنیا کے فنا ہونے والے ساز و سامان کی رغبت نہیں رہتی اور ذکر سے اطمینان حاصل ہونے کی علامت یہ ہے کہ دُنیا چھُوٹ جاتی اور دُنیا کے فناد سے خنکی حاصل ہوتی ہے جو غلبۂ ذکر کے وقت اس کے قلب میں ڈال دیا جاتا ہے ۔ اور سُننا چاہیئے کہ ہر صورت کے ایک معنیٰ ہیں اور ہر محسوس شئے کا ایک عقلی وجود ہوتا ہے اور ہر ظاہر کے لئے عالمِ غیب میں ایک صورتِ مثالیہ ہے ۔ پس جو شخص معنیٰ کے لئے صورت کے ثبوت کا معتقد نہ ہوگا وہ ملحد اور باطنی معاند ہے اور جو شخص صُورت کے لئے معنیٰ کا منکر ہوگا اس کا ظاہر پلید ہے اور جو شخص ظاہر و باطن کا جامع بنے گا اور محسوسات کے لئے وجود عقلی کو ثابت مان کر عالمِ دنیا میں عالمِ غیب کا مطالعہ کرے گا وہ صوفی سنی سعادتمند و صاحبِ رشد ہوگا ۔ اور ائمۂ مسلمین کے بارے میں متعصب نہ ہونا چاہیئے بلکہ سب

کو برحق سمجھے گو عمل ایک مذہب پر کرے) اور کلمۂ توحید کے قائل اور رسالت کے قائل پر جب تک بھی اُس کے کسی بُرے کلام کی مناسب تاویل ہو سکے طعن نہ کرے۔

شیخ بننے کے لائق کون ہے؟ جاننا چاہیئے کہ شیخ بننے کے لائق وہی ہے جو اپنے نفس کو مجاہدوں سے ادب دے چکا اور مشقت و سختی و تلخ کشی کا عادی و خوگر اور متحمل بنا چکا ہو اور ادب کا زانو صلحاء و مقتداء مشائخ کی خدمت میں تہہ کر چکا ہو اور سچوں کی صحبت میں رہ چکا ہو اور دین کے احکام و حدود اور مذہب کے اصول و فروغ کو پہچان کر مقاماتِ علیہ سے بھی آگے بڑھ چکا ہو اور جو شخص ان اوصاف سے متصف نہ ہو اسے شیخ بننا حرام ہے اور بعض نے کہا ہے کہ جو شخص اپنے افعال کے عیوب اور اپنے نفس کی سرکشی کو نہ سمجھے اور ان عیوب کا ازالہ کرنا اجتہاد سے نہ سیکھے اور اس راستہ (سلوک) کے آداب حاصل نہ کرلے اس کا اقتداء جائز نہیں ہے۔ پس مرید اول ان امور کو معلوم کرے اس کے بعد اپنے نفس کو مجاہدہ میں ڈال کر زیادتی وکمی اور نفع و نقصان کی تلاش میں لگے اور جو کچھ بھی حالات پیش آتے جائیں ہر دم شیخ کی خدمت میں پیش کرے۔ کیونکہ مشہور ہے کہ جس نے اپنا حال طبیب تک نہ پہنچایا وہ عاقل نہیں ہے۔ اس کے بعد اپنے لئے مقامات و منازل کا ترتیب وار طالب ہو اور ایک مقام سے اس کی تکمیل و تصحیح ادب سے پہلے دوسرے مقام کی طرف منتقل نہ ہو مثلاً زہد میں اس وقت مشغول ہو جبکہ مقام ورع سے فارغ ہو چکا ہو وعلیٰ ہذا یہاں تک کہ اس کے دل پر معاملات بفضلِ اللہ وارد ہونے لگیں اور بعض صوفیہ نے فرمایا ہے کہ قلب کی حرکتوں سے عمل اعضاء کی حرکتوں کے عمل سے بدرجہا بہتر ہے۔"

چنانچہ فخر عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "اگر ابوبکرؓ کے ایمان کو وزن کیا جائے تو تمام اہلِ زمین کے ایمان پر غالب آجائے۔" نیز فرمایا ہے کہ "ابوبکرؓ نے کثرتِ صوم و صلوٰۃ کے سبب سب پر فوقیت نہیں پائی بلکہ ایک چیز کی وجہ سے پائی ہے جو اس کے قلب میں ہے۔" اور یہی وجہ ہے کہ آنحضرتؐ کی وفات شریف کے بعد جو استقلال و کمال متانت صدیق اکبرؓ کو حاصل رہی وہ کسی صحابی کو بھی نہ تھی کہ ممبر پر چڑھ گئے اور

حمد و صلوٰۃ کے بعد فرمایا کہ جو شخص محمد کی پرستش کرتا تھا سو پھر جاوے کہ آنجناب والا تو وفات پا گئے اور جو شخص خدا تعالےٰ کی پرستش کرتا تھا وہ جمارہے کیونکہ حق تعالیٰ زندہ و قائم ہے۔" نیز آپ نے مرتد لوگوں سے مقاتلہ کیا۔ اور حضرت اسامہؓ کے لشکر کو بھی (جو مرض نبوی کے سبب روانہ ہو نہ سکا تھا) اسی وقت روانہ کیا۔ اور گو سارے صحابہ منع فرماتے تھے (کہ عجلت میں انتشار و تفریق کا اندیشہ ہے) مگر آپ نے کچھ بھی اندیشہ نہ فرمایا۔ آخر حق تعالےٰ نے آپ کے ہاتھوں دین کی حفاظت فرمائی۔

مُرید کے دو فرائض نیز مرید کو واجب ہے کہ اپنے ظاہر کو وظیفہ سے اور باطن کو ارادت سے خالی نہ رکھے۔ یہاں تک کہ اس پر واردات کا ورود ہونے لگے۔ پس اس وقت ارادت سے یکسو ہو کر بتوفیقِ خداوندی واردات مشغول ہو جائے گا۔ چنانچہ ابو سلیمان دُرانی فرماتے ہیں کہ جب معاملاتِ قلب کی جانب پہنچ جاتے ہیں تو اعضاء بدن آرام اختیار کرتے ہیں۔" پس باطن کو آباد کرنے اور احوال کے مباشر رہنے اور اسرار کی رعایت رکھنے اور اپنے سانسوں کی شمار رکھنے میں مشغول رہنا چاہیئے۔

چنانچہ صوفیہ کا ارشاد ہے کہ فقیر کی عبادت خواطر کی منتفی کرنا ہے (جو امر باطنی اور محافظت دائمی ہے) اور بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ جب تو مرید کو اس حال میں دیکھے کہ وہ شہواتِ نفسانیہ کے ساتھ قائم اور نفس کے حظ و لذت میں مُبتلا ہے تو اُس کو جھُوٹا سمجھ اور اگر مدح و ذم اور ردّ و قبول میں تمیز نہ کرے تو اس کو بھی جھوٹا سمجھ (کہ پہلی بد حال کا تعلق بدن سے ہے اور دوسری کا قلب سے) جنید رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ علامتیں نہ ہوتیں تو ہر شخص سلوک کا دعویٰ کرنے لگتا۔" حق تعالےٰ فرماتا ہے وَ لَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ۔ (البتہ اے محمدؐ! تم پہچان لوگے منافقوں کو ان کی پیشانی سے اور پہچان لوگے ان کو آواز سے) کہ اُن کا طرزِ عمل اور لہجۂ گفتگو ہی علامت کفر و نفاق بنی ہُوئی ہے۔ نیز مرید کو واجب ہے کہ یقین کے ساتھ جان لے کہ کوئی مقام اور کوئی حال اور کوئی عبادت اخلاص کے بدوں اور ریاء کے دُور کئے بغیر درست نہیں ہوتی۔

نیز واجب ہے کہ نفس کی ہر آن نگہداشت رکھے اور اس کے اخلاق کو اچھی طرح جانچے کہ وہ بجز بدی کے دوسرا حکم نہیں کرتا اگرچہ درجۂ معرفت کی انتہا کو پہنچ جائے پھر بھی اس سے غافل نہ بیٹھے کہ حضرت صلّی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم (باایں عظمت و معرفت) نفس کی نگہداشت فرماتے اور اُس کے شر سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ میں اپنے نفس کے لئے ایسا ہوں جیسا بکریوں کے لئے چرواہا کہ جب ایک طرف سے اکٹھا کرتا ہوں تو دوسری طرف سے بھاگنے لگتی ہیں اور ابو بکر وراق رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ فرماتے ہیں کہ نفس ہر حالت میں ریاء کار ہے اور اکثر حالتوں میں منافق ہے اور بعض حالتوں میں مشرک بھی ہے کہ اپنی خواہش اور دعوے میں اپنے آپ کو حق تعالےٰ کی ضد و شریک کہتا ہے۔ کیونکہ حق تعالےٰ اپنے بندوں سے اپنی ثناء اور حمد و مدح طلب فرماتا ہے تو نفس بھی اپنی مدح چاہتا ہے اور حق تعالےٰ فرماتا ہے کہ "میرے اوامر و نواہی کی مخالفت نہ کرو"۔ اور نفس بھی یہی کہتا ہے۔ اور حق تعالےٰ اپنی ذات کو مرہوب و مرغوب جاننے کا حکم فرماتا ہے اور نفس بھی چاہتا ہے کہ اس کی رغبت کی جائے اور اسی سے ڈرا جائے۔ یہی اس کا شرک ہے اور اس کا نفاق و ریاء تو بہت ہی کھلا ہُوا ہے۔

مشائخ نے کہا ہے کہ نفس ایک لطیفہ ہے قالب کے اندر جو اخلاقِ ذمیمہ کا محل ہے۔ اور روح بھی اسی قالب میں ایک لطیفہ ہے مگر وہ اخلاقِ حمیدہ کا محل ہے جیسا کہ ناک اور کان اور نفس شر کی کان ہے اور عقل رُوح کا لشکر ہے اور توفیقِ الٰہی روح کی مدد ہے۔ اور خذلان (یعنی توفیق کا اُٹھ جانا) نفس کی مدد ہے اور قلب لشکر غالب کا تابع ہے (کہ شر نے غلبہ پایا تو وہ بھی شر ہو گیا اور خیر نے فتح پائی تو قلب بھی سنور گیا) واللہ تعالےٰ اعلم۔

فصل ۱۵

خرقۂ صُوفیاء کا ادب جب مرید توبہ کے مقام کو صحیح کر چکے اور ورع و تقوےٰ کے مقام میں قدم مضبوط جما کر زہد کے مقام میں قدم رکھے اور اپنے نفس کو ریاضت و مجاہدہ سے ادب دے چکے تو اس کو خرقہ پہننا جائز

ہو جاتا ہے اگر اس کو رغبت ہو۔ لیکن خرقہ کی ادب کی نگہداشت رکھنی بھی لازمی ہے۔
پس جان لے کہ انسان نام ہے ظاہر و باطن کے مجموعہ کا اور ان میں ہر ایک کا لباس جُدا ہے۔
چنانچہ حق تعالےٰ فرماتا ہے :۔

وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ۔ "اور تقویٰ کا لباس بہتر ہے"

ظاہر انسان اور باطن انسان

الحاصل ظاہر انسان یعنی بدن کا لباس تو وہ ہے جس کی شریعت نے اجازت دے رکھی ہے اور جو کچھ حق تعالےٰ نے اسے میسّر فرمایا ہے۔ چنانچہ فخر عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کبھی بیش قیمت بڑی آستین کا جُبّہ پہنتے تھے اور کبھی تنگ آستین کا اور کبھی بیش قیمت قمیص و چادر پہنتے اور کبھی کھردرے اور موٹے۔ باطنِ انسان میں یہ چند چیزیں داخل ہیں۔

نفس[۱]۔ اس کا لباس شریعت ہے (کہ جملہ حلال و حرام میں شرع کا تابع رہے) اور قلب[۲]۔ اس کا لباس طریقت ہے اور سِرّ[۳] اس کا لباس حقیقت ہے اور روح[۴] اور اس کا لباس عبودیت ہے اور خفی[۵] اور اس کا لباس محبوبیت ہے اور پردوں کی تفصیل جن سے انسان مستور ہے پہلے گزر چکی ہے۔ پس جس کو حق تعالےٰ نے اتباع شریعت کی توفیق بخشی وہ کمال عبودیت تک پہنچ جاتا ہے اور عبودیت کے سبب حق تعالےٰ اس کو نور روح کے حجاب سے نجات بخشتا ہے یہاں تک کہ وہ کمال محبوبیت تک پہنچ جاتا ہے۔ حق تعالےٰ فرماتا ہے :۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ (اے محمدؐ!) کہدو ان لوگوں سے کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو کہ خدا تعالیٰ تمکو محبوب بنائیگا"

اور ظلمت کے پردے بھی شریعت کی متابعت سے باذن اللہ اُٹھ جاتے ہیں اور جب سارے پردے دُور ہوجاتے ہیں تو اللہ والا اور مخلص بن جاتا ہے اور جسم کی ارضیت اور روح کی سماویت دونوں سے خلاصی پاکر بلند سے بلند مرتبہ پر پہنچتا اور مقعد صدق عند ملیک مقتدر پر قرار پکڑتا ہے اور یہی مطلب ہے حضرت خضر کے اس قول کا کہ

"صوفی کے لئے نہ زمین میں گنجائش ہوتی ہے اور نہ اُس کو آسمان چھپا سکتا ہے۔" پس متابعت شریعت تو صورت ہے اور عبودیت اس کی حقیقت ہے اور متابعت سے جو بمنزلہ صورت کے ہے اور عبودیت سے جو بمنزلہ مغز کے ہے منقطع ہونا کسی حالت میں بھی ممکن نہیں نہ دنیا میں نہ آخرت میں اور شریعت کی مخالفت بجز مردود بارگاہِ الٰہی کے کوئی نہیں کرتا اور تباہی و روسیاہی میں وہی گرتا ہے جو شرع شریف کا مخالف ہو۔ چنانچہ بلعم اور برصیصا وغیرہ کے قصے سُن چکے ہیں (یا اللہ ترقی کے بعد تنزل سے محفوظ رکھیو) پس چاہیئے کہ طبیعت اور عادت کے تصرفات سے ظاہر و باطن کو محفوظ رکھے اور جادۂ شریعت سے بال برابر بھی تجاوز نہ کرے (یا اللہ اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی متابعت ہم کو نصیب فرما ظاہر میں بھی اور باطن میں بھی اور قول میں بھی فعل میں بھی اور عبادت میں بھی عادت میں بھی۔ آمین)۔

حجاب کا بیان جان لے کہ باطنی مدرکات کے لئے ایک پردہ اور بھی ہے یعنی نفس کے لئے شہوتیں اور لذتیں پردہ ہیں اور قلب کے لئے بجز حق کے دوسرے کا دھیان اور ملاحظہ حجاب ہے اور عقل کے لئے معانی معقولہ میں فکر کرنا اور سر کے لئے اسرار میں توقف کرنا اور روح کے لئے مکاشفات اور خفی کے لئے حجاب عظمت و کبریا۔ اور دراصل کامل وہی شخص ہے جو اُن میں سے کسی ایک چیز کی طرف بھی توجہ نہ کرے۔ چنانچہ محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے معراج میں ان دفینوں خزانوں وغیرہ پر جو سدرہ مقام پر آپ کے سامنے موجود تھے کچھ بھی التفات نہ فرمایا۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے :۔

إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَىٰ ۝ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ ۝ "جبکہ سدرہ کو ڈھانپے ہوا تھا جو کچھ بھی ڈھانپے ہوئے تھا ہمارے حبیب نے اپنی نگاہ کو منظورِ حقیقی سے ہرگز بھی نہ ہٹایا۔"

اور عقلمند صاحبِ توفیق شخص جب تک ذرہ برابر بھی دُنیا کا خیال رکھے گا اور پردہ ہائے مذکورہ بھی دُنیا ہی میں داخل ہیں، شیطان سے امن نہ پائے گا۔

نقل ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام مٹی کی اینٹ پر سر رکھ کر سو گئے جب بیدار ہوئے تو شیطان

کو اپنے سر کے پاس دیکھا۔ فرمایا کہ میرے پاس کیوں آیا؟ اس نے کہا کہ آپ میں وسوسہ ڈالنے کی طمع مجھ کو لاحق ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ اے ملعون میں تو روح اللہ ہوں، تیری طمع خام میرے بارے میں کس طرح صحیح ہو سکتی ہے؟ اس نے کہا کہ آپ کے متعلق مجھ کو طمع اس لئے پیدا ہوئی کہ میری متاع آپ کے پاس موجود ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ کیا؟ اس نے کہا کہ یہی اینٹ جو آپ کے سر کے نیچے ہے۔ پس عیسیٰ علیہ السلام نے اس اینٹ کو دور پھینک دیا اس وقت شیطان بھی بھاگ گیا۔ خدا ہم کو اس سے محفوظ رکھے (کہ ذرا سا تعلق دُنیا بھی اس کی طمع اور جرأت بڑھا کر ہماری طرف متوجہ کر دیتا ہے)۔

فصل ۱۶

تصوف کے ظاہری و باطنی ارکان

جان لے کہ تصوف کے ظاہری ارکان پانچ ہیں۔ خدمتؔ، حرمتؔ، خلوتؔ، صحبتؔ، اور جوانمردیؔ۔ نیز باطنی ارکان پانچ ہیں۔ عملؔ، علمؔ، حالؔ، قلبؔ، معرفتؔ۔ اور بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ تصوف کا اوّل حصّہ علم ہے اور اوسط عمل اور آخری عطا الٰہی۔ پس علم نام ہے پردہ اُٹھ جانے کا اور سالک کی مراد ظاہر ہو جانے کا۔ اور عمل اعانت ہے مراد کی طلب پر اور عطاء الٰہی عمل کا انجام تک پہنچ جانا ہے اور راہِ حق کی سیر کرنے والے بھی تین قسم کے ہیں یعنی مریدؔ طالب، متوسّطؔ سائر اور منتہیؔ واصل۔ اور مرید کا مرتبہ تو یہ ہے کہ مجاہدہ و ریاضت اور نفس کشی لازم پکڑے اور حظوظ نفسانیہ سے بالکلیہ اجتناب کرے اور بجز ضروری حقوق کے بالکل الگ رہے اور متوسّطؔ کا مقام یہ ہے کہ طلب مقصود میں ہولناک امور کو اختیار کرے اور ہر حال میں سچی طلب کا لحاظ رکھے۔ اور ہر مقام کا ادب بجالائے۔ اور منتہیؔ کا مقام یہ ہے کہ ہوش اور استقامت میں رہ کر تعمیلِ حق کا حق ادا کرے اور سختی و وسعت و تنگ دستی و فراغ اور وفا و جفا ہر صورت میں یکساں حالت میں رہے کہ اس کا کھانا اور بھوکا رہنا برابر ہو اور بیداری و خواب یکساں اور حظوظ نفسانی مٹ مٹا کر فقط حقوقِ ربانی رہ جاویں۔ بظاہر خلق کے ساتھ ہو اور بہ باطن خالق کے ساتھ اور یہ ساری حالتیں فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ سے منقول ہیں

کہ آنجناب والا نے اوّل غارِ حراء میں خلوت فرمائی اور انجام کار مخلوق کے داعی بنے اور گو خلق کے ساتھ مشغول نظر آتے تھے مگر ایک لمحہ کے لئے بھی حق تعالےٰ سے جُدا نہ تھے آپؐ کی جلوت و خلوت برابر تھی اور اہلِ صفہ بھی حالتِ تمکین میں امراء و وزراء بنے کہ مخلوق سے میل جول ان کے اندر بھی کوئی اثر یا ضرر پیدا نہیں کر سکا۔

ادب تصوف کا رکنِ اعظم ہے

اور ادب تصوف کا رکنِ اعظم ہے۔ ابو عبداللہ بن خفیف رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے اویم رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ نے نصیحت کی کہ صاحبزادہ اپنے عمل کو نمک کی مثل بناؤ اور ادب کو مثل آٹے کے (کہ آٹا اصل غذا ہے مگر نمک کے بغیر کھانا مشکل ہے) اسی طرح ادب سلوک کی اصل ہے مگر عمل اس کے لئے لازم) اسی لئے کہا جاتا ہے کہ سارا تصوف بس ادب ہے اور ہر وقت اور ہر مرتبہ کا ایک ادب جدا ہے۔ پس جس نے ادب کو لازم پکڑا وہ مردانِ خدا کے مرتبہ پر پہنچ گیا۔ اور جو ادب سے محروم رہا وہ جہاں قرب یقینی ہو وہاں سے بھی دُور جا پڑے گا اور جہاں قبولیت کی توقع ہو وہ وہاں بھی مردود بن جائے گا۔ اور یہی مطلب ہے اس قول کا کہ جو شخص ادب سے محروم رہا وہ ہر قسم کی بھلائی سے محروم رہا اور راہِ تصوف کا راستہ بڑا خطرناک ہے۔ اگر ادب ذرا بھی ہاتھ سے جاتا رہے گا خسران میں آجائے گا۔ اسی لئے صوفیہ کرام دُنیا اور مخلوق بلکہ نفس اور اپنے بی بی بچّوں کی طرف بھی توجہ نہیں کرتے۔ کیونکہ اگر ان کا خیال کریں گے تو رغبت پیدا ہو گی اور جب ماسوائے اللہ کی رغبت ہوئی تو بھلائیوں سے محروم رہ جائیں گے۔

تصوّف کیا ہے؟ اور صوفیہ کون ہیں

حضرت جنید رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ سے پوچھا گیا کہ صوفیہ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ایک گروہ ہے جس کو حق تعالےٰ نے ساری مخلوق پر برگزیدہ بنایا ہے کہ مخفی رکھتا ہے تب بھی ان کو دوست رکھتا ہے اور ظاہر فرماتا ہے تب بھی دوست رکھتا ہے۔ اور ابن عطار رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ سے سوال کیا گیا کہ تصوف کس چیز کا نام ہے؟

تو آپ نے فرمایا ہے کہ طبیعت کی پاکیزگی ہے کہ انسان میں چھپی رہتی ہے اور خوش
اخلاقی ہے کہ ظاہر انسان کو گھیرے ہوئے ہے اور اویم رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ نے
جنید رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ سے پوچھا کہ صوفی کی صفت ذاتی کیا ہے؟ تو آپ نے
فرمایا کہ بچو بچو اے ابا محمد ظاہر کو لو اور صفت ذاتی مت پوچھو۔ مگر جب انہوں نے
زیادہ اصرار کیا تو فرمایا کہ وہ ایسا گروہ ہے جس کو حق تعالےٰ کی معیت حاصل ہے۔
اور ان کی معیت کی حقیقت کو بجز حق تعالےٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ اور سہیل تستری رح
نے فرمایا ہے کہ تصوّف نام ہے خدا تعالےٰ کے ساتھ ہونے کا۔ مگر اس طرح کہ اس
معیت کو بجز حق تعالےٰ کے کوئی نہیں جان سکتا۔

صوفیاء کے اخلاق

صوفیاء کے اخلاق یہ ہیں: بُردباری، تواضع، خیرخواہی و
شفقت ایذاء کا برداشت کرنا اور نرمی احسان اور
دوسروں کے نفع کو اپنے نفس کے نفع پر ترجیح دینا، خدمت و اُلفت اور بشاشت و
کرم اور جاہ و مال کو خیرباد کہہ دینا اور مروّت و مردانگی، محبت و سخاوت، عفو و
صلح اور سخا و وفا، حیاء و تلطف، ہنس مکھ ہونا اور سکینہ و وقار و دعا و ثناء
اور خوش خلقی اور اپنے آپ کو چھوٹا سمجھنا اور اپنے بھائیوں کی توقیر کرنا، مشائخ
کی عظمت رکھنا، چھوٹوں پر مہربانی کرنا، دوسروں کے احسان کو بڑا اور اپنے
احسان کو کم سمجھنا۔

سہیل تستری رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ سے لوگوں نے سوال کیا کہ خوش خلقی کیا
ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ادنیٰ درجہ خوش خلقی کا یہ ہے کہ ایذاء برداشت کرے
اور انتقام کا ارادہ نہ کرے اور ظالم پر ترس کھائے اور اس کے لئے دعا کرے
(کہ اس کو ظلم سے باز آنے کی توفیق نصیب ہو)۔

حضرت ابن مبارک رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ حسن خلق
کشادہ رو اور ہنس مکھ رہنا ہے اور کسی کو ایذاء نہ پہنچانا اور کمال درجہ
بخشش کرنا ہے۔

معرفت کا بیان

معرفت ہدایت ہے حق تعالےٰ کی طرف سے اور اس کی دو قسمیں ہیں ایک استدلالی دوم شہودی ۔ استدلالی تو یہ ہے کہ دُنیا کی چیزوں کو دیکھ کر واجب الوجود تک رسائی ہو ۔ چنانچہ حق تعالےٰ فرماتا ہے :۔

سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَ فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ ۔ " عنقریب میں اُن کو دکھاؤں گا اپنی قدرت کی نشانیاں اطراف زمین و آسمان میں اور خود ان کے نفسوں میں ۔"

اور یہ درجہ علماء راسخین کا ہے کہ نشانیوں سے اُن کے خالق کی طرف راستہ پاتے ہیں اور درحقیقت یہ معرفت بھی اس کو حاصل ہوتی ہے جس پر کچھ غیبی امور کا کشف ہو چکا ہو تاکہ اشیاء ظاہری و باطنی دونوں سے وجود پاک پر استدلال قائم کر سکے ۔ کیونکہ حق تعالےٰ نے جس طرح عالم ظاہر کو معرفت کی دلیل بنایا ہے عالم باطن کو بھی اسی (دلیل) معرفت بننے کے لئے پیدا فرمایا ہے ۔ پس جو شخص فقط عالم ظاہر سے استدلال کر سکتا ہے اور عالم باطن سے نہیں کر سکتا ہے اس کا استدلال ناقص ہے ۔ مثلاً نفس کہ اس کی ایک طرف ظاہر ہے اور دوسری باطن ۔ پس جو شخص ظاہر نفس سے استدلال کرے اور باطن نفس سے نہ لا سکے اس کی دلیل دونوں شق میں ناتمام رہی بلکہ باطن نفس میں بے کار و معطل رہی اور وہ دلیل جس میں تعطل ہو واقع میں دلیل ہی نہیں ۔ اگرچہ ظاہر نفس سے ہر ایک استدلال ہو سکتا ہو ۔ پس چاہیئے کہ ظاہر سے تو دلیل لاوے اور اخلاق کے مہذب بنانے میں کوشش کرے تاکہ عالم ملکوت اس پر کھل جاوے ۔ حضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر بنی آدم کے قلب کے گرد شیطان نہ گھومتے تو بنی آدم ملکوت سماوات میں نظر کرتے ۔"

پس خوب سمجھ لو کہ جس کا باطن نورِ معرفت اور مشاہدہ سے مفتوح و منور نہیں ہُوا وہ اندھا ہے ۔ اگرچہ اس کی ظاہری دونوں آنکھیں کھلی ہوں ۔ چنانچہ حق تعالےٰ نے ارشاد فرمایا ہے :۔

مَنْ کَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰی فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی وَ اَضَلُّ سَبِیْلًا ۔ " جو دُنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہے بلکہ زیادہ گمراہ ۔"

پس جو شخص غیر مفید کاموں میں مشغول ہُوا توفیقِ الٰہی اس کی توفیق نہیں رہی اور معرفتِ الٰہی اُس کے نصیب میں نہیں۔ چونکہ وہ حظوظِ نفس میں کمربستہ ہے اس لئے حق تعالےٰ نے اس کو دُور ڈال دیا اور اپنے اوصافِ قدیمہ کے مشاہدہ سے محروم بنا دیا۔ دوسری قسم معرفت شہودی بدیہی ہے کہ فکر کے بغیر پہلی ہی نظر میں حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ حق تعالےٰ فرماتا ہے :-

اَوَلَمْ یَکْفِ بِرَبِّکَ اَنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَھِیْدًا۔ "کیا تیرا رب کافی نہیں کہ وہ ہر چیز پر شاہد ہے"

اور یہ درجہ اہلِ مشاہدہ صدیقین کی معرفت کا ہے اور اس میں آثارِ قدرت کے باطن سے اشیاء پر استدلال ہوتا ہے۔ چنانچہ بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ ہر چیز سے پہلے مَیں نے حق تعالےٰ کو دیکھا اور اس معرفت کا نام یقین اور احسان ہے کہ اشیاء کا علم خالق سے حاصل کرتے ہیں نہ کہ خالق کا علم اشیاء مخلوقہ سے۔

مروی ہے کہ حضرت داوٗد علیہ السّلام پر وحی آئی کہ اے داوٗد جانتے بھی ہو میری معرفت کیا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ اے رب نہیں جانتا۔ حکم ہُوا کہ وہ قلب کی حیات ہے ہمارے مشاہدہ میں۔ احمد بن عاصم انطاکی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ مجھے کسی پر رشک نہیں آتا بجز اس کے جس نے اپنے رب کی معرفت حاصل کر لی اور میری کمال درجہ خواہش ہے کہ جب تک عارفین و محبّین کی معرفت مُجھ کو حاصل نہ ہو جائے موت نہ آئے اور مَیں معرفت تصدیق کی تمنّا میں رہتا ہوں۔

معرفت باری تعالےٰ کے بارے میں صوفیاء کے اقوال

واسطیؒ نے فرمایا ہے کہ معرفت اس کا نام ہے کہ اپنے حس سے مشاہدہ ہو جائے اور علم اس کا نام ہے کہ خبر سے حاصل ہو۔ اور بعض کہتے ہیں کہ معرفت اس علم کا نام ہے جو غفلت کے بعد حاصل ہو اور اسی وجہ سے حق تعالےٰ پر معرفت کا اطلاق نہیں ہو سکتا اور نہ اس کو عارف کہہ سکتے ہیں کیونکہ وہ ازل و ابد میں علم قدیم سے عالم ہے (غفلت کا وہاں وجود ہی نہیں)۔ تستری رحمۃ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ عارف کا راستہ یہی ہے کہ اپنے نفس کو گندگیوں سے پاک کر کے اوامر و

نواہی کی پابندی اپنے اُوپر لازم کرلے اور سُنت کی پوری اقتداء اور آداب کی پوری رعایت رکھ کر قصد کرے اور صاف ستھرے نفس کو بارگاہِ الٰہی کا مقرب بنائے۔

ابن عطاء رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حق تعالےٰ سے ایسا معاملہ رکھے کہ جو کچھ انعام وعنایتیں اس کی پہلے ہو چکی ہیں ان میں غور کرنے سے پانی پر چلنا اور ہوا میں اُڑنا بھی عجیب بات نہ معلوم ہو۔ کیونکہ حق تعالےٰ کا ہر کام اتنا عجیب ہے کہ کوئی چیز بھی اس سے زیادہ عجیب نہیں۔

شبلی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ سے پوچھا گیا کہ معرفت کیا چیز ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ جب تُو حق تعالےٰ سے ایسا معاملہ رکھے گا کہ نہ اپنے اعمال پر نظر کرے گا اور نہ ماسویٰ اللہ پر نگاہ ڈالے گا تو اس وقت کامل المعرفت بن جائے گا۔ مشائخ نے فرمایا ہے کہ آخرت میں حق تعالےٰ کا دیدار ایسا ہی ہو گا جیسا کہ دُنیا میں معرفت ہے کہ یہاں دنیا میں ذات پاک اور وجود حق کی کنہ کا احاطہ حاصل نہیں۔ کیونکہ حق تعالےٰ اطراف وجوانب اور حدود تناہی سے منزہ ہے۔ اسی طرح آخرت میں (رویت بلااحاطہ ذات) حاصل ہو گی۔ اور ادراک کنہ کے معلوم کرنے کا نام ہے اور اسی کو حق تعالےٰ نے فرمایا ہے:۔

لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ ۔ "میری ذات پاک کو آنکھیں کسی کی بھی ادراک نہیں کرسکتیں۔"

اور مشائخ نے فرمایا ہے کہ جس کو معرفتِ الٰہی حاصل نہیں ہوئی اس کو واجب ہے کہ چُپ رہے (مبادا کہ خلافِ ادب کلمہ ناواقفیت کے سبب زبان سے نہ نکل جائے) اور جس کو معرفت حاصل ہو گئی اس پر خود بخود سکوت لازم آجاتا ہے (کہ بے کیف ذات کا کچھ حال ہی بیان نہیں کرسکتا) اور اسی سے مشائخ کا قول ہے کہ جس نے اپنے رب کو پہچان لیا اس کی زبان گنگ ہو گئی۔ بعض مشائخ سے کسی نے پوچھا کہ معرفت کا مقصود کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ خدا تعالےٰ کے ساتھ ہونا۔

حضرت صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سُن لو جس نے حق تعالےٰ کو پہچان لیا اس کو فاقہ اور وحشت ہرگز نہ پہنچے گی۔ اس لئے کہ وہ ہر دم خدا تعالےٰ کے ساتھ ہے۔

اوراسی میں محو ہے۔ اور بعض صوفیاء نے فرمایا ہے کہ عارف اس شخص کو کہتے ہیں جس کے دل پر معلوم حقیقی جل شانہٗ کے علوم پے در پے وارد ہوں اور اس کی غفلتیں بالکل زائل ہو جائیں اور ان علوم کے آثار و علامات اس پر ظاہر ہونے لگیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر چیز کی معدن ہوتی ہے اور تقویٰ کی معدن صاحبِ معرفت کا دل ہے" اور اسی وجہ سے ان کا نام عارف رکھا ہے کہ معدن کی طرح ان کی معرفتیں غیر محدود ہیں۔

فصل ۲۰

اصول دین کا بیان جان لے کہ سالک پر واجب ہے کہ دین کے اصول سے بخوبی واقف ہو تاکہ اس کی معرفت اور عبودیت و عبادت درست ہو جائے۔

چنانچہ حدیث قدسی ہے :

"اے میرے بندہ پرہیز گار بن تاکہ مجھ کو پہچانے اور بھوکا رہ تاکہ مجھ کو دیکھے اور آزاد ہو تاکہ معرفت و عبودیت اور میری عبادت تک پہنچ جائے"

اور دین کے اصول اسلام[۱] اور اعتقادِ حق[۲] اور ایمان[۳] اور ایقان[۴] اور معرفت[۵] اور توحید[۶] ہیں۔

ظاہر اسلام پس ظاہر اسلام پانچ چیزیں ہیں۔ چنانچہ فخر عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ گواہی دینا کہ کوئی معبود نہیں بجز اللہ تعالےٰ کے اور محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور قائم رکھنا نماز کا اور زکواۃ دینا۔ رمضان کے روزے رکھنا اور بشرطِ قدرت حج کرنا ہے۔

حقیقت اسلام اور حقیقتِ اسلام ایک نور ہے جو مومنین کے سینہ میں ڈال دیا جاتا ہے۔ چنانچہ حق تعالےٰ فرماتا ہے :۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۔	"جس کا سینہ حق تعالےٰ نے کھول دیا اسلام کے لئے وہ اللہ کے نور پر (قائم) ہے"

اور جب اسلام کی حقیقت ڈالا ہوا نور ہوا اور ظاہر اسلام پنج ارکان مذکورہ تو اس حدیث کا مطلب کہ مسلمان وہ ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ کے شر سے مسلمان بھی محفوظ رہیں۔ یہ ہوا کہ اسلام کا کمال اور ثمرہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنے شرور سے امن میں رکھے۔

اعتقاد | مغیبات (جنت و دوزخ وغیرہ) کے موجود ہونے کے علم کا نام ہے جو قلب میں راسخ ہو جاتا ہے۔

حقیقت اعتقاد | قلب میں ایک نور ہے جو شک اور شبہ کو مٹاتا رہتا ہے۔ اور

اعتقاد صحیح | وہ ہے جو صحابۂ کرام اور تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ تعالےٰ عنہم کے عقائد کے مطابق ہو اور حق تعالےٰ کے نعوذ باللہ معطل ہونے اور الحاد اور تشبہ اور جسمیت وحلول اور اتحاد و اباحت وغیرہ ان خرافات سے خالی ہو جو بدعتیوں اور اہل ہویٰ کی من گھڑت ہیں پس جو عقیدہ کتاب وسنت اور تینوں قرون کی اجماع کے موافق ہو گا وہ صحیح ہے ورنہ فاسد۔ چنانچہ مخبر عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ان ہی کی مدح فرمائی ہے کہ سب سے بہتر قرن (زمانہ) میرا قرن ہے۔ اس کے بعد وہ جو اس کے متصل ہے اور اس کے بعد وہ زمانہ ہے جو ان سے متصل ہے۔

علم راجح | اس اعتقاد کا نام ہے جو واقع کے مطابق ہو اور زوال قبول نہ کرے اور حقیقت اس علم کی وہی نور ہے جو قلب میں نازل ہوتا ہے اور اس نور کی شعاعیں معلوم کے ساتھ اس طرح متعلق ہوتی ہیں جیسے آنکھ کی شعاعیں اس چیز کے ساتھ جس کو دیکھتا ہے تعلق رکھتی ہیں اور یہ علم بواسطہ مشکوٰۃ نبوت حق تعالےٰ سے بندوں کے قلوب پر وارد ہوتا ہے اور یہ نور اپنی قوت اور مرتبہ کے موافق بندہ کو حق تعالیٰ کی طرف کہ معرفت ذاتی ہے یا حق تعالےٰ کے امر کی طرف کہ معرفت صفاتی ہے یا حکم الٰہی یعنی شریعت کی طرف کھینچتا ہے۔ پس اس علم کے بھی تین مراتب ہیں :-

علم الیقین : جو دلیل سے حاصل ہو۔ عین الیقین جو معائنہ اور مشاہدہ سے میتسر ہو۔
حق الیقین : کہ دیکھ بھال کے علاوہ مباشرۃ بھی حاصل ہو جاوے۔ چنانچہ مثلاً دریا میں پانی ہونے کا علم (جو علم الیقین کہلاتا ہے) عادۃً ہر شخص کو حاصل ہے۔ مگر دریا کے کنارہ پر گزرنے اور پانی کے دیکھنے کا اتفاق (جس کا نام عین الیقین ہے) کم لوگوں کو حاصل ہے اور وہ لوگ تو بہت ہی کم ہیں جن کو دریا میں غوطہ مارنے اور نہانے کا اتفاق ہُوا ہو (اور ایسے شخص کو پانی کا جو علم ہُوا وہ حق الیقین کہلاتا ہے) اور علم لدنی جس کے متعلق حق تعالےٰ نے خضر علیہ السلام کی شان میں فرمایا ہے کہ ہم نے ان کو اپنے پاس سے علم عطا فرمایا یہ ہے کہ حق تعالےٰ کی ذات وصفات کی معرفت علم الیقینی کے درجہ میں ایسی حاصل ہو جائے کہ قلب کے مشاہدہ کا مذاق پائے اور علم صحیح یقینی ایمان صحیح کا ثمرہ ہوتا ہے اور ایمان کی صحت اور درستی کے بغیر اس علم کے درجہ تک ہرگز نہیں پہنچ سکتا اور جب تک ثمرۂ ایمان قلب کی منزل میں نزول نہیں فرماتا اس وقت تک علم یقین سینہ کے میدان میں جلوہ افروز ہرگز نہیں ہوتا۔

ایمان | اور ایمان اس کا نام ہے کہ رسولؐ کو ان تمام باتوں میں جو حق تعالےٰ کی طرف سے وہ لائے ہیں سچا سمجھے اور حق تعالےٰ کی وحدانیت کا پوری طرح سے یقین رکھے۔

حقیقتِ ایمان | اور حقیقتِ ایمان وہ نور ہے جو صاحبِ ایمان کے قلب میں ہوتا ہے۔ چنانچہ حق تعالےٰ فرماتا ہے :۔

كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ ۔ "ان کے دلوں میں ایمان لکھ دیا"

اور یہ جو حضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مومن وہ ہے جو اپنی ایذاؤں سے اپنے ہمسایہ کو امن میں رکھے"۔ اور مثل اس کے دوسری احادیث پس اس سے مراد ثمرۂ ایمان و کمال ایمان ہے۔ اور ایمان ایک تو عطاء خداوندی ہے۔ چنانچہ دل میں ایمان کے لکھ دینے سے حق تعالےٰ نے اس کی جانب اشارہ فرمادیا اور دوسرے کسبی ہے جو بندہ کے اکتساب سے حاصل ہوتا ہے اور ایمان عطائی اس کی وجہ سے قوت پکڑتا ہے یعنی

توحید و رسالت کی گواہی دینا (جو فعل ہے بندہ کا) اور ایمان کامل وہی ہے جو جامع ہو توحید اور تعظیم کا۔ چنانچہ لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ (کہ حق تعالےٰ کے مثل کوئی چیز نہیں) اشارہ ہے توحید کی طرف اور وَھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (کہ وہی سُننے دیکھنے والا ہے) اشارہ ہے تعظیم کی طرف کہ جب بندہ جانے گا کہ حق تعالےٰ یگانہ ہے اور ذات و صفات میں یکتا ہے اور بندے ہر وقت اس کے حضور حاضر ہیں اور کوئی ذرّہ بھی اس سے پوشیدہ نہیں تو تعظیم پیدا ہوگی اور اس کی رضاء کے خلاف کا شائبہ بھی صادر نہ ہو اور یہی ایمان کا کمال ہے۔

کُفر

اور کُفر نام ہے رسول و رسالت اور رُسل کے جھٹلانے کا۔ اگر رسول کی لائی ہوئی ایک چیز کا بھی منکر ہوگا تو کافر بن جائے گا۔ اگر یہ انکار کُھلم کُھلا ہوگا تو کفر کہلائے گا اور اگر باطن میں ہوگا تو نفاق کہلائے گا اور کفر و نفاق سے نجات اس وقت ملے گی جب کہ دل سے بھی اس کا معتقد ہو کہ حق تعالےٰ ایک ہے اور فرشتے اور انبیاء اور آسمانی کتابیں اور روز آخرت اور مرنے کے بعد زندہ ہونا اور محشر میں حساب کتاب کے لئے جمع ہونا اور جنت و دوزخ وغیرہ سب حق ہیں اور نیکی و بدی اور فراخی و تنگی سب کا اندازہ (جس کو تقدیر کہتے ہیں) خدا تعالےٰ کی طرف سے ہے اور زبان سے بھی اس عقیدہ کو ظاہر کرے اور اسلام کے ارکان کو سچّا سمجھے اور عمل کرے اور قرآن پاک کی تمام آیتوں کو حق تعالےٰ کا کلام اور کعبہ کو قبلہ جانے اور کتابؔ و سُنّت و اجماع اُمّت کے موافق جملہ امور میں راسخ عقیدہ رکھے اور شریعتِ نبویہ کو قیامت تک قائم رہنے والا سمجھے اور اگر مذاہب باطلہ میں کسی مذہب سے تائب ہُوا ہو تو اس سے بیزاری کا اظہار بھی کرے اور اجماع کے خلاف کوئی عقیدہ رکھا ہو تو اس سے صراحۃً براءت ظاہر کرے۔ مثلاً کوئی شخص یہودی ہو اور اسلام اختیار کرے تو اقرار توحید و رسالت محمدیہ کے بعد یہ بھی کہے کہ مَیں یہودیت سے بیزار ہوں۔ حق تعالےٰ فرماتا ہے:۔

فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ ۔ "جو شخص شیطان (و مذہب باطل) کا منکر ہوا اور ایمان لایا اُس نے مضبوط کڑا پکڑ لیا"

معرفت کا بیان اور اس کی اقسام

اور معرفت حق تعالےٰ کی ہدایت ہے چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا قول قرآن مجید میں مذکور ہے :۔

لَئِنْ لَّمْ یَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الضَّآلِّیْنَ ۔ "اگر مجھ کو میرا رب ہدایت نہ فرمائے گا تو البتہ میں گمراہوں کے گروہ میں ہو جاؤں گا "

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے روایت کی ہے کہ حضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مکان کا ستون بمنزلہ بنیاد کے ہے اور دین کا ستون حق تعالےٰ کی معرفت اور یقین ہے اور عقل وہی ہے جو قامع (یعنی روکنے والی ہو) عائشہؓ نے عرض کیا کہ آپؐ پر میرے ماں باپ قربان ہوں عقل قامع سے کیا مراد ہے ؟ آپؐ نے فرمایا کہ معصیتوں سے روکنے والی اور اطاعتِ الٰہی پر اُبھارنے والی " اور معرفتِ الٰہی دین کی جڑ ہے اور استغفار و عبادات اس کی شاخیں ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جڑ شاخوں سے مقدم ہوتی ہے چنانچہ حق تعالےٰ نے فرمایا ہے :۔

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ ۔ "جان لو کہ اے حبیبؐ بجز حق تعالیٰ کے کوئی معبود نہیں اور استغفار کرو اپنے گناہوں کا "

نیز فرمایا ہے :۔

اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ ۔ "واقعی میں ہی معبود ہوں بجز میرے کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں بس میری ہی عبادت کرو "

ان دونوں آیتوں میں معرفت و توحید کو استغفار و عبادت پر مقدم فرمایا اور معرفت لغت میں تو مطلق علم کا نام ہے اور عرف میں اس علم کا جو غفلت کے بعد حاصل ہو اور صُوفیہ کے نزدیک معرفت خاص اس علم کا نام ہے جس کو حق تعالیٰ کی ذات و صفات کے ساتھ تعلق ہو اور شک و شبہ میں اس میں مطلق گنجائش نہ ہو اور معرفت ذاتی اس کا نام ہے کہ حق تعالےٰ کو موجود یکتا یگانہ و بے نیاز قائم بذاتہ جانے نہ کسی کو اس کے مثل سمجھے اور نہ اس کو کسی کے مشابہ اور معرفت صفاتی یہ ہے کہ حق تعالےٰ کو

زندہ صاحبِ علم، سُننے والا، دیکھنے والا، صاحبِ قُدرت، مشیّت والا، جُملہ صفات کمال سے متصف اور زوال وعیوب سے مبرا سمجھے اور توحید معرفت کی رُوح ہے کہ جب تک موحد نہ ہو گا اس کی معرفت جہل سے بھی بدتر ہے اور معرفت کی علامت یہ ہے کہ مشاہدۂ حق تعالٰی اُس کے قلب کی حیات بن جائے جیسا کہ قصۂ داؤدی میں بیان ہو چکا۔ اور معرفت شہودی تصدیق سے بہت زیادہ قوی ہوتی ہے۔ چنانچہ ابن عاصم انطاکی کا قول گزر چکا اور معرفت شہودی اس وقت صحیح ہوتی ہے جب کہ سرّ قلب سے رویت و مشاہدہ کے مرتبہ تک پہنچ جائے۔ کیونکہ معرفت حقیقی رویت کے درمیان ہی ہُوا کرتی ہے کہ حق تعالٰی بعض پردے اُٹھا کر اپنی صفات و ذات کی روشنی حجاب سے ورے دکھاتا ہے تاکہ معرفت حاصل ہو جائے۔ یہ نہیں کہ سارے پردے اُٹھ جائیں۔ کیونکہ اگر سارے پردے اُٹھ جائیں تو حق تعالٰے کے سوا سب کچھ جل جائے۔ کیا خوب کہا ہے ؎

بے پردہ اگر ظہور فرمائے | بے شُبہ تمام خلق جل جائے
یہ پردہ مگر لطیف شئے ہے | ہوتے ہیں قلوب زندہ جس سے

توحید توحید لغت میں کسی چیز کو ایک جاننے کا نام ہے اور علماء کے نزدیک حق تعالٰے کی وحدانیت ظاہر کرنے کو کہتے ہیں اور صوفیاء کے نزدیک وحدانیت حق کو مشاہدہ کرنے کا نام توحید ہے۔

اصل توحید یہ ہے کہ معدوم و فانی ساقط کر دے اور باقی و لایزال کا اثبات کرے۔ جنید رحمۃ اللہ تعالٰے علیہ سے کسی نے کہا کہ حق تعالٰے کی صفت بیان کیجئے تو آپ نے فرمایا کہ ھو بلا ھو لا ھوا لا ھو (یعنی وہ ہے بغیر اُس کے (کہ اشارہ کو بھی دخل نہیں) اور نہیں ہے وہ مگر وہی۔ یہ سُن کر سائل نے چیخ ماری اور مر گیا۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ تعالٰے علیہ نے فرمایا کہ اپنی طرف سے بہت کوشش کرتا ہوں کہ کلام توحید زبانِ تجرید سے نہ نکالوں۔ اور بعض نے فرمایا ہے کہ توحید نام ہے قدیم اور حادث میں تمیز کرنے اور حادث سے منہ پھیرنے اور قدیم کی طرف ہمہ تن اتنا متوجہ ہو جانے کا کہ اپنی توجہ میں اپنے آپ کو بھی موجود نہ پائے اور اگر حالتِ توحید

میں اپنے نفس کو بھی سمجھا تو وہ صاحب توحید کہاں رہا صاحب تثنیہ ہوا۔

جان لے کہ حق تعالےٰ ازل ہی میں یکتا و یگانہ تھا اور بجز اس کے کچھ نہ تھا۔ چنانچہ عمران ابن حصین کی حدیث میں ہے کہ حق تعالےٰ تھا اور اس کے ساتھ کوئی چیز بھی نہ تھی اور اس کا عرش پانی پہ تھا۔ اس کے بعد اس نے تمام چیزوں کو پیدا فرمایا۔ پس جب تم کو معلوم ہو گیا کہ حق تعالےٰ خلق سے پہلے اور خلق کے بعد واحد ہے تو اس کو ہرگز حاجت نہیں کہ کوئی اس کو واحد بنائے اور اس کی توحید جملہ توحید کے درار ہے کہ قائم بذات اور اپنے ماسوی سے بے نیاز و پس بندہ کے اس کو واحد کہنے کے یہ معنی ہیں کہ اس وحدانیت کو جو ازل سے اس کے لئے ثابت ہے اس طرح مشاہدہ کرے کہ مشاہدہ کے وقت اس کی ذات پاک کے علاوہ کسی چیز کا فہم بھی نہ رہے اور اس کی تنزیہ و تعظیم کو کتاب و سُنّت کے موافق بجالائے کہ حق تعالےٰ فی ذاتہٖ واحد ہے اور کسی کے ساتھ بھی ذات اور صفات میں مشابہت یا مشارکت نہیں رکھتا، مکان اور زمان سے بری ہے اور زمانی و مکانی مماثلت سے عالی ہے اور ہر شخص کے علم و فہم کے احاطہ سے بلند تر ہے۔ چنانچہ حق تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا ۔ "لوگ حق تعالےٰ کو علم سے احاطہ نہیں کر سکتے"

نیز فرمایا ہے:۔

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۔ "اس کی مثل کوئی چیز نہیں"

پس بندہ کی توحید نے نعوذ باللہ حق تعالےٰ کو وحدانیت کی صفت نہیں دی بلکہ موحدیت کی صفت دی ہے (کہ خدا کو ایک کہہ کر خود موحد بن گیا) اور حق تعالیٰ جیسا ازل سے واحد تھا ویسا ہی اب بھی ہے اور ابد تک رہے گا۔ اور

حقیقتِ توحید وہ نور ہے جس کی وجہ سے خالق کے وجود اور مخلوق کے عدم کا مشاہدہ ہوتا ہے اور یہ توحید توحید علمی و بیانی سے بہت دُور ہے اس لئے کہ علم سے شک اور غیر کا وجود محو نہیں ہوتا (پس توحید علمی میں شک کا شبہ قائم رہا) اور ظاہر ہے کہ خبر مثل معائنہ کے نہیں (پس توحید بیانی کو توحید مشاہدہ

سے کیا مناسبت؟) اور جو شخص توحید کے ساتھ اپنے رب کی لقاء سے مشرّف ہو گیا اُس کی خطائیں بھی نیکیاں بن گئیں اور جس شخص کو توحید سچّے دل سے نصیب ہو گئی حق تعالےٰ نے اُس پر آگ کو حرام فرما دیا۔ چنانچہ متواتر حدیثیں گواہ ہیں اور توحید کے عقلی ونقلی دلائل بے شمار ہیں۔ ازاں جملہ یہ کہ حق تعالےٰ فرماتا ہے :۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ "اللہ گواہ ہے کہ بجز اسکے کوئی بھی عبادت کے قابل نہیں"

نیز فرماتا ہے :۔

وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ج لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ "تمہارا معبود ایک ہے کہ بجز اسکے کوئی معبود نہیں"

نیز ارشاد فرمایا ہے :۔

اِنَّنِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا۔ "بیشک میں ہوں اللہ کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں"

نیز ارشادِ حق تعالےٰ ہے :۔

لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ "دو معبود مت قرار دو کہ بے شک معبود وہ ایک ہی ہے"

نیز ارشاد فرمایا ہے :۔

ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ۔ "کیا کوئی دوسرا معبود بجز معبود حقیقی کے بھی ہے؟"

یعنی کوئی نہیں۔ و نیز فرمایا ہے :۔

هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ۔ "حق تعالیٰ کے سوا کیا کوئی بھی خالق ہے؟"

یعنی نہیں ہے۔ نیز ارشاد فرمایا ہے :۔

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ۔ "اللہ ہی خالق ہے ہر چیز کا"

اور حضرت صلّی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عبادت کے لئے توحید کافی ہے اور ثواب کے لئے جنت کافی ہے۔

الغرض توحید کی عقلی ونقلی دلیلیں تو بیش از بیش ہیں مگر ان میں چار یعنی پیدا کرنا، پرورش کرنا، مارنا اور جلانا سب میں زیادہ ظاہر ہیں کہ اس کے سوا کسی میں بھی ان امور کی لیاقت نہیں ہے۔ چنانچہ حق تعالےٰ فرماتا ہے :۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ ثُمَّ رَزَقَکُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ۔ "حق تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر تمکو رزق دیا پھر تمکو موت دیگا اور پھر اسکے بعد تم کو زندہ کرے گا"

پس یکتائی حق تعالیٰ کی صفتوں میں خاص الخاص صفت ہے اور اسی وجہ سے تمام عُلماء اور صُوفیاء اور جُملہ مذاہب کے ائمہ اس پر متفق و یک زبان ہیں اور اپنے عقیدۂ صحیحہ میں توحید کے متعلق کسی کی مشابہت یا معطّل ہونے کا شائبہ بھی جائز نہیں سمجھتے اور واقع میں توحید وہی ہے کہ جناب پاک عزاسمہ کو ایسا یگانہ جانے کہ توحید کی حالت میں غیر کو حتیٰ کہ اپنے نفس کے علم کو بھی موجود نہ پائے۔

اور صوفیہ کے نزدیک توحید وہ ہے کہ توحید کی حالت میں توحید کو بھی ترک کرے۔ کیونکہ غیر کی طرف توجہ حتیٰ کہ توحید کی طرف بھی (جو ذاتِ حق تعالیٰ کی غیر ہے) تشبیہ میں داخل ہے۔ واللہ اعلم۔

یقین اور یقین اس کا نام ہے کہ مومن کے قلب میں حقیقت کا نُور ایسی حالت میں ظاہر ہو جائے کہ بشریت کے پردے اُٹھ جائیں اور وجد و ذوق پیدا ہو جائے نہ یہ کہ صرف عقل و نقل کی دلالت سے یقین حاصل ہو۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ اگر پردہ اٹھ جائے تب بھی میرے مشاہدہ اور وضاحت میں کوئی زیادتی نہ ہوگی (کیونکہ اب بھی بدرجۂ کمال بے نہایت وضوح حاصل ہے) اور ایمان کے نور اور یقین کے نور میں یہ فرق ہے کہ ایمان کا نور تو پسِ پردہ ہوتا ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے :-

يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ ۔ "غیب پر ایمان لاتے ہیں"

اور یقین اس نور کا نام ہے جو پردہ کھلنے کے بعد مومن کے قلب پر جلوہ افروز ہوتا ہے ورنہ حقیقت میں تو دونوں نور ایک ہی ہیں جیسے صبح صادق کہ ذات کے اجزاء کی کچھ سیاہی مٹا کر آفتاب کے وجود کی دلیل بن جاتا ہے اور ایمان کی ایسی ہی مثال ہے (کہ آفتاب کا یقین ہو گیا حالانکہ ابھی آفتاب پردہ میں ہے) اور جب آفتاب نکل آیا اور اس کا جسم ظاہری آنکھوں سے دیکھنے لگا تو یہ مثال یقین کے نور

کی بن گئی۔ پس ایمان یقین کی جڑ ہے اور علم الیقین و عین الیقین و حق الیقین اس کی شاخیں ہیں۔ حدیث میں ہے کہ ایمان بالکل یقین ہی ہے اور علم الیقین کتاب اللہ کے معانی کا ادراک ہے جو حق تعالےٰ کے سمجھانے اور پڑھانے سے حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ حق تعالےٰ نے فرمایا ہے:- فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمٰنَ (پس ہم نے سمجھا دیا سلیمان کو وہ مقدمہ[۱]) پس یہ علم جو حق تعالےٰ کے سمجھانے سے حاصل ہوا علم الیقین کہلاتا ہے۔ اور یہ بھی رحمت ہے کہ بلا کسب و بلا قصد بندہ کو بلطف الٰہی حاصل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

وَ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا۔ "خضر علیہ السلام کو ہم نے اپنے پاس سے رحمت دی"

یعنی نور اور بصیرت عطا فرمائی اور وہ علم خضری مروت اور مخلوق پر شفقت کا علم تھا کہ محتاجوں کی کشتی کا توڑ دینا (کہ ظالم بادشاہ اس کو عیب دار پاکر غصب نہ کرے) اور نابالغ بچہ کا مار ڈالنا (کہ ایمان دار والدین کو کافر بنا کر گمراہ نہ کرے) اور دیوار کا درست کر دینا (کہ نیکو کار بندہ کے یتیم بچوں کا خزانہ جو اس کے نیچے مدفون تھا ان کے بلوغ تک محفوظ رہے) اس کے آثار تھے۔

الغرض جس کو صحیح علم حاصل ہوا اس کا عقیدہ راست اور ایمان صحیح ہو گیا۔ پس معرفت اور توحید بھی راست آگئی اور جس کے لئے دنیا میں توحید راست آگئی آخرت میں اس کو دیدارِ حق نصیب ہوا۔ اور یقین جہل اور شک کے مرض سے دل کا تندرست ہونا ہے اور ظاہر ہے کہ دل کی تندرستی بدن کی تندرستی سے برتر ہے اور بعض نے کہا ہے کہ ایمان اور یقین کے درمیان فرق ایسا ہے جیسے اندھا اور سوانکھا کہ اندھے کو آفتاب کے نکلنے کا علم مشاہدہ سے نہیں ہوتا بلکہ خبروں کے تواتر سے ہوتا ہے اور سوانکھا مشاہدہ اور آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے اور اسی کا نام یقین ہے جو مشاہدہ سے سوانکھے کو حاصل ہوتا ہے۔

---

[۱] ایک زمیندار کے کھیت میں شب کے وقت کسی شخص کی بکریاں گھس آئیں اور نقصان کر گئیں اس نے داؤد علیہ السلام کی عدالت میں کہ بادشاہ بھی تھے اور پیغمبر بھی استغاثہ دائر کیا۔ انھوں نے اپنی شریعت کے مطابق فیصلہ دیا کہ اسکی بکریاں تاوان میں زمیندار کو دلا دی جائیں۔ سلیمانؑ نے جنکی عمر اسوقت تیرہ سال تھی فرمایا کہ کھیت بکریوں والے کے حوالہ کیا جائے اور جب تک کھیت اپنی پہلی حالت میں درست نہ ہو جائے اس وقت تک بکریوں سے زمیندار نفع اٹھاتا رہے اس کے بعد کھیت کھیت والے کا اور بکریاں، بکریوں والے کی۔ ۱۲ منہ

عبادت کے تین درجے

عبادت کے تین درجے ہیں۔ ایک ثواب حاصل کرنے اور عذاب سے ڈر کر اس سے بچنے کے لئے ہوتی ہے اور یہ تو مشہور ہے۔ دوم حق تعالیٰ کی غلامی کا شرف اور عبدیت کا خلعت حاصل کرنے کے لئے ہوتی ہے اور بعض صوفیہ نے اس کا نام عبودیت رکھا ہے۔ چنانچہ ایک کہنے والا کہتا ہے ؂

"اے ہمارے بندہ" کہہ کر بس پکار　　　سب سے پیارا نام ہے میرا یہی

اور اسی لئے سرورِ عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم تمام ناموں میں عبد اللہ کا نام بہت محبوب سمجھتے تھے۔ سوم وہ عبادت ہے جو حق تعالےٰ کی محض تعلیم و اجلال و ہیبت و حیاء و محبت کے سبب ہو اور یہی وجہ سب میں بالا ہے اور اس کا نام بعض صوفیہ نے عبودت رکھا ہے۔ پس محل عبادت بدن ہے کہ اسی کے ساتھ حق تعالےٰ کے اوامر (نماز، روزہ وغیرہ) قائم ہیں اور محل عبودیت روح ہے۔ کیونکہ عبودیت نام ہے حق تعالےٰ کے حکم پر راضی ہونے کا (اور رضا کو تعلق روح سے ہے) اور عبودیت جو ان دونوں سے اشرف ہے اس کا محل ستر ہے اور یہ عبادت حالی اور اصل عبادت ہے اور عبودیت فرع ہے اور فرع بغیر اصل کے ممکن نہیں اور عبادت و عبودیت دونوں مجاہدہ و ریاضت ہیں۔ جن میں بندہ کے کسب کو دخل ہے۔ اور عبودیت رہنمائی و محض عطاء حق ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے :-

اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ۝　　"میں اپنے پروردگار کی طرف جاتا ہوں قریب ہے کہ وہ مجھ کو ہدایت فرمائے"

(یعنی درجہ عبودیت نصیب فرمائے) اور محققین نے بیان کیا ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تعظیم و اجلال و حیاء و محبت ہی کے لئے عبادت فرماتے تھے اور اسی کی طرف جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے اس قول میں اشارہ ہے کہ "ابوبکر تم پر نماز اور روزہ کی کثرت کے سبب فضیلت نہیں رکھتا بلکہ وہ اس چیز کی وجہ سے سب میں افضل ہے جو اس کے قلب میں ہے (یعنی عبادت کی کیفیت خاصہ جو عبودت کہلاتی ہے) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ

خوف وہیبتِ خداوندی کے سبب عبادت کرتے تھے اور اسی وجہ سے ان کی خاص ہیبت تھی کہ جو شخص خدا سے ڈرتا ہے اس کی مخلوق اس سے ڈرتی ہے۔ چنانچہ وارد ہے کہ عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے سایہ سے شیطان بھی بھاگتا ہے۔" اور عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ حیاء و عظمتِ الٰہی سے عبادت کرتے تھے (اور اسی لئے حیاء کی خصلت سے بدرجۂ کمال نوازے گئے تھے۔ حضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کیا میں حیاء نہ کروں اُس شخص سے جس سے آسمان کے فرشتے بھی حیاء کرتے ہیں۔" اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ حق تعالےٰ کی محبت و تعظیم سے عبادت کرتے تھے۔ چنانچہ انہی کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی :۔

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝ "وہ کھانا کھلاتے ہیں خدا کی محبت سے مسکین اور یتیم اور قیدی کو۔"

اسی طرح تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم کا حال ہے کہ خاص کیفیتوں سے ان کی عبادت تھی اور اسی کے آثار ان سے ظاہر ہوتے تھے۔ پس جس کو عبودت کا مرتبہ حاصل ہوگیا وہ رویت کے مقام پر پہنچ گیا (کہ گویا معبود کو دیکھ رہا ہے) اور اب اس کے لئے حق تعالےٰ کے خلاف کرنا عذاب سے بھی زیادہ سخت بن جائے گا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ جس نے مخالفت کی وہ ضرور محجوب ہوگیا اور اس کے نزدیک محجوبیت سے زیادہ کوئی سزا نہیں (اس لئے مخالفت کی ہمت ہی نہیں ہوسکتی۔

"حق" وہی ہے

جان لے کہ حق نام ہے اس کا جو موجود ہو، ثابت ہو، دائم ہو، نافع ہو، ضرر پہنچا سکتا ہو، وسیع رحمت والا ہو۔ اور وہ حق تعالیٰ شانہٗ ہی ہے۔ پس حق کے لفظ کا استعمال حقیقتاً تو حق تعالےٰ کے لئے ہے اور ماسوی کو حق مجازاً کہہ دیتے ہیں۔ کیونکہ حق تعالےٰ کا وجود تو بالذات ہے اور دوسروں کا وجود اسی کے موجود کرنے کی وجہ سے ہوا ہے۔ پس لفظ حق بھی اسی وجود کے لئے جو ثابت بالذات ہو خاص ہوگا۔ حق تعالےٰ فرماتا ہے :۔

وَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۔ "اور ہے کیا بعد حق کے بجز گمراہی کے ؟"

اور فخر عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ بہت ہی سچا ہے لبید کا قول

کہ وہ کہتا ہے " الا کل شئ ما خلا اللہ باطل " یعنی در حقیقت اللہ تعالےٰ کے سوا ہر چیز باطل ہے " اور جب غیر اللہ باطل ہے تو ضرور ہے کہ حق تعالےٰ حق ہوا کیونکہ باطل کی ضد ہی کا نام حق ہے اور حق باطل کو محو کر دیتا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے :-

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۔ " ہم ڈالتے ہیں حق کو باطل پر۔ پس حق باطل کو لے جاتا ہے "

حقیقت کیا ہے ؟ اور حقیقت لغت میں درایۃ اور علم کو کہتے ہیں اور اہلِ معانی و اصول کی اصطلاح میں کسی لفظ کو اس کے موضوع لہٗ میں استعمال کرنے کو کہتے ہیں اور مشائخ صوفیہ رحمہم اللہ کی اصطلاح میں حق تو ذات ہے اور حقیقت صفات اور اس سے مراد ذات و صفات حق تعالےٰ لیتے ہیں۔ چنانچہ مرید جب دنیا کو چھوڑ کر اور خواہشاتِ نفسی کی حدود سے نکل کر عالمِ احسان میں پہنچتا ہے تو کہتے ہیں کہ عالمِ حقیقت میں پہنچ گیا اور حقیقتوں کا عالم اور واصل بن گیا۔ اگرچہ وہ ابھی عالمِ صفات و اسمائ میں ہوتا ہے اور جب مرید اور ذات تک پہنچ جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ تک رسائی پا گیا اور حق اور حقیقت کو حق تعالےٰ کے غیر کی ذات یا صفات میں بہت ہی کم بطور مجاز کے استعمال کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کا مقصود کلی توحید ہے اور وہ دوسرے سے کچھ سروکار نہیں رکھتے۔ ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ " ہر شئے کی ایک حقیقت ہوتی ہے " (یہاں حقیقت کا استعمال غیر اللہ کے لئے ہوا مگر مجازاً) یعنی ہر ذات کے لئے ایک صفت ہوتی ہے جو اسی ذات کے لئے خاص ہوتی ہے۔ پہلے بیان ہو چکا کہ حضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت حارثہؓ سے پوچھا کہ کس حال میں صبح کی ؟ انہوں نے جواب دیا کہ حق پر ایمان کی حالت میں۔ حضرتؐ نے پوچھا کہ اے حارثہ ہر چیز کی حقیقت ہوتی ہے۔ پس تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے ؟ ضروری بات ہے کہ جناب رسول اللہ صلعم کی مراد اس کلام سے اس وصف خاص کا دریافت فرمانا تھا جو ایمان کے لئے لازم ہے اور جب حارثہؓ نے اس صفت خاصہ کو بیان کر دیا تو جواب ٹھیک ہو گیا اور حق الیقین کا اطلاق حق تعالےٰ کی

ذات پاک ہی پر ہوتا ہے اور غیراللہ کو مجازاً کہہ دیتے ہیں کہ صوفیائے کے نزدیک مشہور ہے کہ ہر شئے خدا تعالےٰ کے ساتھ ہے اور ہر چیز اسی کی طرف سے ہے اور ہر چیز اسی کی جانب جائے گی اور تمام چیزیں اسی کے لئے ہیں۔

فصل ۱۸

ایمان، عمل اور تقویٰ کی ضرورت

حق تعالےٰ نے ارشاد فرمایا ہے :-

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۔ "ایکدوسرے کی نیکوکاری وتقویٰ پر اعانت کرو۔"

نیز فرمایا ہے :-

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۔ "باہم حق اور صبر کی وصیت کرو۔"

ایک جگہ اور ارشاد فرمایا ہے :

وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۔ "ایک دوسرے کو مہربانی وشفقت کی وصیت کرو۔"

حضرت سید المرسلین صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دین نام ہے نصیحت و خیر خواہی کا۔ پس اس بنا پر میں وصیت کرتا ہوں کہ صحیح علم اور نیک عمل کے بغیر قرب و وصال الٰہی کی توقع ہرگز نہ رکھنی چاہیئے۔ ان دونوں کے بغیر مغفرت و وصال کی توقع بے عقلی وحماقت ہے اور یہ دونوں باتیں اللہ تعالیٰ کی کتاب سے لینی چاہیئں۔ کیونکہ قرآن مجید عقائد اعمال احوال توحید اور معرفت وغیرہ جملہ امور میں راہبر اور پیشوا ہے اور اعمال کی درستی صحیح علم کے بغیر ممکن نہیں ہے اور حالات چونکہ اعمال ہی کے ثمرات ہیں اس لئے اعمال کی درستی کے بغیر حالات کا پایا جانا دشوار ہے اور حق تعالےٰ صحیح اور خالص عمل کو قبول فرماتا ہے اور صحیح عمل وہ ہے جو شریعت کے موافق ہو اور خالص وہ ہے جو خاص اللہ تعالیٰ کے لئے ہو۔ نیز عمل بغیر تقویٰ کے ہرگز قبول نہیں ہوتا۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے :-

اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۔ "بس اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں ہی سے قبول فرماتا ہے۔"

اور تقوے کے بغیر کسی کی بھی نجات نہ ہوگی۔ مگر یہ کہ کسی پر خاص فضل ہی فرما دے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۔ "اللہ نجات بخشے گا پرہیز گاروں کو"

بہر حال ایمان اور تقویٰ ضروری ہے۔

ایمان اور تقویٰ کے درجات

ایمان و تقویٰ کے چار درجے ہیں کہ بعض بعض سے بالا ہیں۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے:۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

"کچھ گناہ نہیں ان پر جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کھائی ہوئی چیزوں کے متعلق جن کو اس کے حرام ہونے سے پہلے وہ کھا چکے بشرطیکہ تقویٰ کریں اور ایمان لائیں اور نیک عمل کریں پھر تقویٰ اختیار کریں اور ایمان لاویں پھر تقویٰ کریں اور احسان کریں اور حق تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے"

پس اس آیت میں ایمان کے تین درجے فرمائے اور چوتھے درجے کا نام احسان رکھا۔ پہلا درجہ ایمان اور شریعتوں کا قبول کرنا۔ بغیر پوری پرہیز گاری کے فسق و فجور بھی ہوتا رہا۔ دوسرا درجہ ایمان اور نیکوکاری تمام محرمات سے تقویٰ اختیار کرنے اور سہولتوں کو لے لینے کے ساتھ (کہ جو صریح حرام ہے اس سے بچے اور جس میں گنجائش پائی اس کو کر بیٹھے) اور یہ درجہ پہلے سے بڑھا ہوا ہے۔ تیسرا درجہ وہ ایمان جو محرمات اور سہولتوں سب سے تقویٰ اختیار کرنے کے ساتھ ہو کہ مباحات سے بھی (اس اندیشہ سے) عذر کرے (کہ کہیں حرام میں نہ جا پڑوں) اور یہ دوسرے درجہ سے بھی کامل تر ہے اور چوتھا درجہ اس ایمان اور تقوے کا ہے جو احسان کے ساتھ ہو اور ایمان بالغیب سے اوپر ہو اور اس شخص کو یقین کا علم (دلیل سے نہیں ہوتا جیسا کہ پہلے تینوں درجوں میں ہے بلکہ) مشاہدوں کے واسطہ سے ہوتا ہے اور مقام کا تقویٰ یہ ہے کہ ماسوی اللہ کو چھوڑ دے۔ الغرض کتاب اللہ ایسا راستہ ہے کہ سالک کو اس پر چلنے سے قرب و وصال نصیب ہوتا ہے اور اس کے چھوڑ

دینے والے گمراہ کو خسران و ذلت حاصل ہوتی ہے۔

وصول کسے کہتے ہیں؟

وصول اس کا نام ہے کہ حق تعالیٰ اپنے بندہ کے قلب پر اپنے نور سے نظر فرماوے۔ اور یہ نور جو بندہ پر غلبہ پالیتا ہے۔ حق تعالیٰ سے جُدا نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ نور بھی ایک صفت ہے، حق تعالیٰ کی صفتوں میں سے اور بندہ اس کو نورالٰہی کی طاقت سے دیکھتا ہے۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ کی صفات سے متصف ہونا بشر کی طاقت سے بالکل باہر ہے۔ پس وصال کے معنی بجز اس کے کچھ نہیں کہ دُنیا میں سِرّ اور قلب سے مشاہدہ ہو اور آخرت میں آنکھ سے اور یہ جو وصال کے معنی بعض نے سمجھ لئے کہ بندوں کی ذات حق تعالیٰ کی ذات سے متصل ہو جائے تو یہ زندقہ و الحاد ہے حق تعالیٰ پناہ میں رکھے۔ وہ اس اتصال سے بہت بالاتر ہے۔ اور جان لینا چاہیئے کہ آخرت کی رویت بھی بلاکیف ہوگی جیسا کہ دُنیا کی توحید و معرفت اور علم و ایمان بلاکیف ہے اور جب تک دُنیا میں ایمان کتاب و سنت اور اجماع اُمّت کے موافق صحیح نہ ہوگا۔ آخرت کی رویت ہرگز نصیب نہ ہوگی اور جو شخص دنیا میں ایمان کی درستی سے محروم رہا اس کا آخرت میں بھی بجز خسران کے کوئی حصّہ نہیں۔

تقویٰ کی ضرورت اور اس کے دلائل

خلاصہ یہ ہے کہ ایمان صحیح اور تقویٰ وصال کے رکن ہیں اور کسی حال میں بھی ان دونوں سے جُدا ہونا درست نہیں ہے اور دین کے اصول معلوم کر لینے کے بعد جُملہ مقامات میں ایمان اور تقویٰ قائم رکھنا واجب ہے۔ کیونکہ تقویٰ راستہ کا توشہ ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے :- فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی "بہترین توشہ تقویٰ ہے"

تقویٰ قلب کا لباس ہے کہ اس کو شیطان کے اغواء سے چھپائے رکھتا ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِكَ خَيْرٌ۔ "وہ تقویٰ کا لباس سب میں بہتر لباس ہے"

لباس اور توشہ کے بغیر کسی منزل میں بھی چارہ نہیں ہے۔ نیز فرمایا ہے :-

وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى ۔ "ان پر تقویٰ کا کلمہ ہم نے لازم کر دیا اور وہ لائق بھی اس کے تھے"

اور صدق جو وصال کا رُکن ہے وہ بھی تقویٰ ہی کا ثمرہ ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے :۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ۔ "یہی لوگ ہیں اہلِ صدق اور یہی لوگ ہیں پرہیزگار"

اور جو علم کہ حق تعالیٰ نے اپنی کتاب میں نازل فرمایا ہے، متقیوں ہی کی ہدایت کے لئے نازل فرمایا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے :۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۔ "یہ کتاب جس میں کوئی شک نہیں ہدایت ہے متقیوں کے لئے"

اور علم بھی تقویٰ ہی کے ساتھ سیکھنا چاہیئے۔ حق تعالےٰ فرماتا ہے :۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْا ۔ "تقویٰ کرو اور جانو"

نیز فرمایا ہے :۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ يُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ۔ "خدا سے تقویٰ کرو وہ تم کو سکھائے گا"

(پس طلب علم کے زمانے میں بھی تقوے سے بے پروائی جائز نہیں) اسی طرح تمام اقوال افعال اور حرکات و سکنات میں تقویٰ مطلوب ہے کہ ارشاد باری تعالےٰ ہے :۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ ۔ "گذشتہ امتوں کی طرح تم پر بھی ہم نے روزے فرض کر دیئے شاید تم متقی ہو جاؤ"

اور ارشاد فرمایا ہے :۔

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۔ "حج کے لئے زادِ راہ لے جاؤ اور بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے"

نیز فرمایا ہے :۔

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاۤؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ۔ "حق تعالیٰ کے پاس قربانی کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا بلکہ تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے"

مزید ارشاد فرمایا :۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ ۔

"جنگ بدر میں ہم نے تمہاری مدد کی پس تقوے اختیار کرو۔"

اور فرمایا ہے :۔

وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ۔

"اور روزی حلال ستھری کھاؤ اور تقویٰ رکھو۔"

مزید ارشاد فرمایا ہے :۔

وَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاتَّقُوا اللّٰهَ

"مالِ غنیمت کہ حلال وستھرا مال ہے کھاؤ اور تقویٰ کرو۔"

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا ۔

"اے ایمان والو تقویٰ اختیار کرو اور کچھ سود کسی کے ذمہ باقی رہ گیا ہو وہ چھوڑ دو۔"

اور ارشادِ باری تعالےٰ ہے :۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۔

"جو شخص خدا تعالیٰ سے تقویٰ کریگا حق تعالیٰ اس کو خلاصی عطا فرمائیگا ایسی جگہ سے کہ اس کا گمان بھی نہ جائے گا اور روزی پہنچائے گا۔"

اور فرمایا :۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۔

"جس نے تقویٰ کیا اسکے لئے اللہ تعالےٰ سہولت پیدا فرما دیتا ہے۔"

نیز ارشاد فرمایا :۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ ۔

"جس نے تقویٰ کیا حق تعالےٰ اس کے گناہ دُور فرما دیتا ہے۔"

اور فرمایا ہے کہ :۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا ۔

"تقویٰ کرو اور سنو۔"

مزید ارشادِ خداوندی ہے :۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَ "اے ایمان والو! تقویٰ کرو جیسا کہ تقویٰ کا حق ہے
لَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۔ اور نہ مرو مگر مسلمان "

علیٰ ہذا القیاس آیات و روایات بے شمار ہیں ۔ نیز حق تعالیٰ نے ولایت و محبت کے لئے پرہیزگار مومنین کو خاص فرمایا ہے ۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے :۔

اَللهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ ۔ "اللہ دلی و کارساز ہے مومنین کا"

اور صابرین کو دوست رکھتا ہے اور پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے اور محسنین کو محبوب سمجھتا ہے اور پوری طہارت والوں کو دوست رکھتا ہے اور متوکلین کو دوست رکھتا ہے اور علیٰ ہذا اور بہتیری نصوص ہیں جن میں کامل الایمان بندوں سے محبت کا ذکر فرمایا ہے ۔ خصوصًا حق تعالےٰ کا یہ ارشاد کہ إِنْ أَوْلِيَاؤُهُ إِلَّا الْمُتَّقُونَ ۔ (خدا تعالیٰ کا کوئی ولی نہیں بجز پرہیزگاروں کے ") کہ صاف الفاظ میں دوپہر کے آفتاب کی طرح صریح حکم فرما دیا کہ بجز پرہیزگاروں کے کوئی بھی اس کا ولی نہیں اور غیر متقی اس کا ہرگز بھی ولی نہیں ہو سکتا ۔

تقویٰ اسلام کا رکن اعظم ہے

غرض یہ آیت اور دوسری آیتیں جن کا ذکر طوالت کے اندیشہ سے ہم نے نہیں کیا صاف دلالت کر رہی ہیں کہ تقویٰ اسلام کا رکن اعظم اور دین کے مقاصد میں سب سے زیادہ اہم ہے ۔ ابلیس[1] اور بلعم اور برصیصا کے حال میں تم غور کر لو کہ کیا کچھ کمالات اور

---

[1] ابلیس یعنی شیطان کا قصہ تو مشہور ہے کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے میں سرتابی کی اور خوفِ خدا کو چھوڑا ۔ بلعم باعور زمانہ موسیٰ میں ایک مستجاب الدعوات عالم عابد تھا کہ اسم اعظم جانتا تھا ۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے کفارِ شام پر جہاد کیا تو وہ لوگ بلعم کے پاس آکر فریادی ہوئے کہ موسیٰ لشکرِ جرار کے ساتھ ہمارا خون بہانا چاہتے ہیں ان پر بددعا کرو ۔ اس نے کہا کہ پیغمبر اور مومنین پر بددعا کر کے دونوں جہان میں اپنے آپ کو روسیاہ کرنا مجھے پسند نہیں ۔ آخر لوگوں نے اصرار کیا تو اس نے کہا کہ بہتر ہے مگر میں استخارہ کر لوں ۔ آخر جب استخارہ میں بھی ممانعت آئی تو لوگوں نے بہت

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ ۱۷۹ پر)

حالات اور کرامات رکھتے تھے۔ مگر باوجود اس کے چونکہ تقویٰ کو چھوڑ بیٹھے اور خواہش نفس کے پیچھے پڑے اس لئے سب کچھ ہوا ہو گیا اور اسفل السافلین میں جا پڑے سبحانا اللہ منہا کیا خوب کسی نے کہا ہے ؎

لو کان فی العلم من دون التقی شرف ۔۔۔ لکان اشرف خلق اللہ ابلیس

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۸ سے آگے) کچھ مال و دولت دے کر خوشامدیں کیں وہ راضی ہو گیا اور گدھے پر سوار ہو کر بددُعا کرنے کے لئے پہاڑ پر چڑھا اور بددُعا کی۔ خدا کی شان کہ بددُعا میں بنی اسرائیل کی جگہ اپنا ہی نام اسکی زبان پر جاری ہُوا اور بددُعا کا اسی پر اثر پڑ کر یہ نتیجہ ہُوا کہ اُس کی زبان مُنہ سے باہر نکل کر سینہ پر آپڑی اور دین و دنیا میں برباد و خوار ہُوا۔ برصیصا ایک زاہد تھا جس نے ستر برس عبادت میں گزارے اور شیاطین سارے اُس کو گمراہ کرنے سے عاجز آ گئے تھے۔ آخر ایک شیطان نے جس کا نام ابیض تھا اس کو برباد کرنے کا بیڑہ اٹھایا اور عابد بن کر اُس کے قریب ایک گرجا میں آبیٹھا۔ برصیصا اس کا مجاہدہ دیکھ کر اس کا مرید ہو گیا۔ آخر ابیض نے چند کلمے اس کو تعلیم کئے کہ جب بیمار پر پڑھے جائیں گے اس کو شفا ہو جائے گی۔ اس کے بعد ابیض شہر میں طبیب بن کر آیا اور ایک مریض کو دیکھ کر کہا کہ اس کا علاج بس برصیصا کر سکتا ہے۔ چنانچہ مریض برصیصا کے پاس پہنچا اور شفایاب ہُوا۔ اسی طرح ابیض نے متعدد بیمار اُس کے پاس بھیجے یہاں تک کہ اس کی شہرت ہو گئی کہ برصیصا کے پاس عجیب عمل ہے۔ بادشاہ وقت کی بیٹی اتفاق سے بیمار ہوئی اور وہ بھی برصیصا کے پاس بھیجی گئی۔ برصیصا نے عمل پڑھا اور اس کو بھی آرام ہو گیا۔ آخر بادشاہ نے شہزادی کو وہیں چھوڑا کہ چند روز یہاں رہے کہ کامل شفا حاصل ہو۔ شہزادی کا برصیصا کے پاس رہنا آگ کے پاس پھوس کا کام دے گیا۔ اور اس نے شیطانی وسوسہ سے اس کے ساتھ زنا کیا۔ زنا کے بعد برصیصا کو بدنامی کا اندیشہ ہُوا اور اُس نے ہزادی کو قتل کر دیا۔ ابیض نے یہ خبر شہر میں جا اُڑائی اور برصیصا کو سُولی چڑھانے کا حکم صادر ہُوا اس وقت ابیض پھر آیا اور کہا کہ مجھے سجدہ کرے تو نجات پائے۔ چونکہ جان بڑی پیاری چیز ہے، آخر اُس نے سجدہ کیا۔ مگر پھر بھی نہ بچ سکا۔ زنا، قتل اور شرک تینوں معصیتیں لے کر سولی پر جان دی۔ اور صرف اتنی بات میں کہ غیر مشروع منتر اور عمل سیکھا اور بلا تحقیق نااہل سے مصاحبت اختیار کی، دُنیا و آخرت کی رُسوائی کا انجام ملا۔

اگر بدوں تقویٰ کے صرف علم میں کوئی فضیلت ہوتی تو خدا تعالےٰ کی ساری مخلوق میں ابلیس سب سے افضل ہوتا ؎

شرافت علم گر تقویٰ نبودے	زشیطاں ہیچ کس اعلیٰ نبودے

مبارک و مژدہ ہو عالم متقی کو کہ باقی اور شئے میں جان لڑا دیتا ہے اور فنا ہونے والی رذیل تر (دنیا و مال کو) چھوڑ کر فارغ ہو بیٹھتا ہے اور ایسے شخص کی صحبت سے تیر کی طرح بھاگتا ہے جس کے قول یا فعل یا خورد و نوش یا لباس یا معاملہ میں تقویٰ نہیں ہے اور متقی چونکہ جانتا ہے کہ بدوں کی مصاحبت سے دُنیا کا نقصان اور آخرت کی فضیحت و رسوائی ہے اس لئے بالضرور ان کے پاس بیٹھنے سے بھاگ کر آستانۂ خداوندی پر پناہ ڈھونڈتا ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے :- فَفِرُّوْا اِلَی اللہ (بھاگو حق تعالیٰ کی طرف") اور حق تعالیٰ خود فرماتا ہے :-

اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ ۔ "قیامت کے دن سب دوست آشنا ایکدوسرے کے دشمن ہو جائیں گے مگر پرہیزگار کہ وہ ایکدوسرے کی مدد میں کوشش کرینگے"

اور بدکاروں کی ہم نشینی کا انجام بجز اس آواز کے کچھ نہیں ہو گا کہ "[1] اے کاش ! فلاں (نیک) شخص سے میں نے کیوں نہ دوستی کی اور اس (بدشخص کے ساتھ) کیوں رہا - اے کاش میرے اور تیرے درمیان اتنا فاصلہ ہوتا جتنا مشرق کو مغرب سے ہے" اور بدکار ہم نشینوں سے مراد کفار اور ظالم اور متکبر اور مفسد اور خائن اور فضول خرچ اور حد سے بڑھنے والے وغیرہ لوگ ہیں۔ چنانچہ حق تعالےٰ جگہ جگہ اُن کا تذکرہ فرماتا ہے۔

ایک جگہ ارشاد ہے :-

فَاِنَّ اللہَ لَا یُحِبُّ الْکٰفِرِیْنَ ۔ "کافروں کو میں دوست نہیں رکھتا"

دوسری جگہ فرمایا :-

وَاللہُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ۔ "ظالموں کو میں دوست نہیں رکھتا"

اسی طرح دوسری بدخصلتوں والوں کے متعلق مذکور ہے اور سب میں مضمون مشترک

---

[1] حَتّٰی اِذَا جَآءَنَا قَالَ یٰلَیْتَ بَیْنِیْ وَبَیْنَکَ بُعْدَ الْمَشْرِقَیْنِ فَبِئْسَ الْقَرِیْنُ ۔

یہی ہے کہ جو متقی نہیں ہے اُس کو میں پسند نہیں کرتا۔ پس ہرگز کسی کے لئے مناسب نہیں کہ شریعت سے اعراض کرے اور جاہلوں کی خرافات پر مائل ہو جنہوں نے صوفیاء کے لباس میں آکر شیاطین کی خدمت کا انجام دینا اپنا شیوہ قرار دے رکھا ہے۔ ایسا کریگا تو بجز خذلان اور خسران کے کچھ بھی حاصل نہ ہوگا۔ بس عاقل کو اشارہ ہی کافی ہے۔

یااللہ! تُو ہم کو اپنے حبیب صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا اتباع نصیب فرمائیو اور اے سب مہربانوں سے زیادہ مہربان اُن کاموں کی توفیق دیجیؤ جن کو تُو محبوب سمجھتا اور پسند کرتا ہے۔ آمین!

فصل ۱۹

خلوت والوں کے بعض واقعات میں

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

إِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِي سَاجِدِينَ ۝

"جب انہوں نے اپنے والد یعقوب علیہ السلام سے کہا کہ اے میرے باپ! میں نے گیارہ ستاروں اور آفتاب و ماہتاب کو دیکھا، خواب میں ان کو دیکھا کہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں"

اور حضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اچھی خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔ پس معلوم کر جب سالک مجاہدہ اور ریاضت شروع کرتا ہے اور نفس و قلب کے تزکیہ و تصفیہ اور مراقبہ میں کوشش کرتا ہے تو اُس کا عالم ملکوت پر گزر ہوتا ہے اور اسی لئے ہر مقام پر اس کی حالت کے مناسب واقعات کا کشف ہونے لگتا ہے۔ کبھی بطریق مکاشفہ اور کبھی صالح خواب میں اور کبھی بطریق واقعہ پس ذکر اور استغراق کی حالت میں کہ سارے محسوسات اس سے غائب ہو جاتے ہیں جب غیبی معاملات کے حقائق میں کسی مضمون کے منکشف ہونے کا اتفاق ہوتا ہے تو اس وقت سالک اگر سونے اور جاگنے کی بین بین حالت میں ہوتا ہے تو صوفیاء کرام کی اصطلاح میں اس کشف کو "واقعہ" کہتے ہیں اور عین بیداری اور حضور میں ہوتا ہے تو اسے "مکاشفہ"

کہتے ہیں اور اگر سویا ہوا ہوتا ہے تو رویاء صالحہ کہتے ہیں اور خواب کبھی تو سچی ہوتی اور واقع کے مطابق ہوتی ہے اور کبھی جھوٹی، مگر مکاشفہ ہمیشہ سچا ہوتا ہے اس لئے کہ حق تعالٰے روح کے بدنی پردوں سے مجرد ہونے کی حالت میں دکھلاتا ہے اور اکثر مقامات میں نفس روح کے ساتھ شریک ہو جاتا اور سچ جھوٹ کے ساتھ مخلوط ہو جاتا ہے۔ پس جو کچھ سچ ہو وہ تو روح کا معلوم کیا ہوا ہے اور جو جھوٹ ہے وہ نفس کا معلوم کیا ہوا ہے کیونکہ سچ روح کی صفت ہے اور جھوٹ نفس کی صفت ہے اور سچی خواب نبوت کا جزو ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ کی روایت سے ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی وحی کا ابتدائی حصہ سچی خوابیں تھیں اور اُن کی تعبیر صبح صادق کے موافق (فوراً اور مطابق واقع) ہوتی تھی۔ پس جب مرید عالمِ واقعہ میں دیکھے کہ درندوں، چوپایوں اور سانپ بچھو وغیرہ کے ساتھ مقابلہ کر رہا ہے یا کافروں اور ملحدوں کے ساتھ جھگڑ رہا ہے تو شیخ سمجھ لیتا ہے کہ مرید نفس کے مجاہدہ میں مشغول ہے۔ پس چاہیئے کہ صدق اور جماؤ کا اُس کو حکم دے تاکہ مرید مجاہدہ اور نفس کے مکر سے غافل نہ ہو بیٹھے۔

عناصر اربعہ کی صفات

جان لے کہ چاروں عناصر میں سے ہر جزو کے لئے ایک صفت لازمہ ہے اور جزو خاکی کی صفت لازمہ کثافت وکدورت اور ظلمت وجہالت اور گرانی وسخت دلی ہے۔ جب صاحبِ خلوت شخص مجاہدہ کرتا ہے تو یہ کثافت وگرانی لطافت وصفائی کے ساتھ بدل جاتی ہے اور جب سالک کو خاکی صفت پر عبور ہوتا ہے تو بیابان وجنگل اور ویران مقامات عالم واقعہ میں نظر آتے ہیں اور جزءِ آبی کی صفت لازمہ لوگوں سے ملنے جلنے کی رغبت اور تلون مزاجی واثر کا جلد قبول کرنا بھولنا اور زیادہ سونے کی طرف میلان کرتا ہے اور سالک کے اس پر عبور کرنے کے وقت نہریں، سمندر، حوضیں اور سبزے نظر آیا کرتے ہیں اور جزءِ ہوائی کی صفت لازمہ شہوات کی رغبت کثرتِ ملال اور ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف جلد متغیر ہو جانا ہے اور اس پر عبور

کے وقت ایسا معلوم ہوتا ہے گویا اُوپر کو جارہا اور ہَوا میں اُڑ رہا ہے اور جزء ناری کی صفت لازمہ غصہ تکبّر، بڑائی کی خواہش، طلب جاہ و ریاست اور رفعت ہے اور جب اس پر عبور ہوتا ہے تو چراغ، مشعل اور بجلی وغیرہ جلانے والی چیزیں دکھائی دیتی ہیں اور یہ جزء سارے عنصروں کے بعد میں ہے اور یہ جو حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ صدیقین کے قلب سے سب کے بعد جاہ و ریاست کی محبت نکال لی جاتی ہے اسی کی طرف اشارہ ہے کہ وہ جزء ناری کے لوازمات سے نجات پاجاتے ہیں کہ یہ وصف اکثر نفوس پر غالب ہوتا ہے۔

مکاشفہ اور خواب میں احتیاط

جاننا چاہیئے کہ مکاشفہ جب حقیقت روح سے ہوتا ہے تو آفتاب کی صُورت دکھائی دیتی ہے اور اگر حقیقت قلب سے ہوتا ہے تو ماہتاب کی شکل نظر آتی ہے اور اگر سالک پر صفات قلبی تجلی ڈالتی ہیں تو ستاروں کی صُورت میں مشاہدہ ہوتا ہے اور اس آخری قسم میں کذب کا بھی دخل ممکن ہے۔ مگر محض کذب نہیں ہوتا کہ سارا جھوٹ ہی جھوٹ ہو) کیونکہ روح کے ادراک سے خالی نہیں ہوتا اور روح کا خاصہ صدق ہے اس لئے سچ اس مشاہدہ میں ضرور شامل ہوتا ہے) پس تعبیر دینے والے کو مناسب ہے کہ روح کی معلومات کو نفسانی خطرات کی آمیزش سے جُدا کر کے معلوماتِ روحی کی تو تعبیر دے اور خطراتِ نفسانی کی طرف التفات نہ کرے اور خیال مجرد بھی خطرۂ نفسانی ہی ہے کہ قوتِ متخیلہ ہر خیالی صورت کو ایک لباس پہنا کر نفس کے سامنے کر دیتی ہے۔ پس وہ خطرۂ نفسانی اسی صورت سے موافقت پیدا کر لیتا ہے (اور سوتے میں خواب بن کر نظر آجاتا ہے) مثلاً کوئی شخص نفس کی خواہش سے اس لئے مجاہدہ کرتا ہے کہ مخلوق میں مقبولیت و شہرت حاصل ہو اور وہ شخص عالم واقعہ میں دیکھے کہ ساری مخلوق اس کی تعظیم اور اس کو سجدہ کر رہی ہے تو معبر کو چاہیئے کہ اس کی تعبیر نہ بیان کرے اور خیال باطل سمجھے اور جانے کہ یہ اس کے اشتیاق نفس اور ہوائے نفسانی کا نتیجہ ہے کہ اپنی مراد کے موافق نظر آیا ہے اور اگر خواب میں ایسی باتیں دکھائی دیں تو ان کو

اضغاث احلام قرار دے (کہ قوت متخیلہ نے نفس کے خیال کو حسبِ منشاء جسمانی لباس پہنا کر نفس کے سامنے پیش کیا اور نظر آگیا) غرض ایسا واقعہ اور خواب دونوں جھوٹے ہوتے ہیں کہ تعبیر کے قابل نہیں ہوتے۔

جان لے کہ عالمِ غیب کی بعض چیزیں ایسی ہیں کہ ان کا ظہور اس عالم میں عارضی صُورت میں ہو سکتا ہے۔ اصلی صورت میں جو اُن کی ذات اور حقیقت ہے عالمِ غیب کے سوا دوسری جگہ نہیں ہو سکتا جیسے فرشتے اور ارواح مجردہ۔ چنانچہ جبرائیل علیہ السّلام جنابِ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کی خدمت میں کبھی تو حضرت دحیہ کلبیؓ کی صورت بن کر آتے تھے اور کبھی کبھی دیہاتی شخص کی اور تمام حاضرینِ مجلس ان کو اسی صورت میں دیکھتے تھے اور ظاہر ہے کہ یہ اُن کی اصلی صورت نہ تھی بلکہ عارضی تھی) اور یہ صورت کچھ دیکھنے والے لوگوں کی قوت خیالیہ کا نتیجہ نہ تھا کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو ہر شخص اپنے متخیلہ کے موافق جُدا صورت میں دیکھتا نہ یہ کہ سب ان کو ایک ہی شکل میں دیکھتے اس لئے کہ سارے لوگوں کا متخیلہ ایک صفت پر نہیں ہُوا کرتا۔ پس یہ بات کہ جس شکل میں چاہیں آجائیں تصرف کی اس قوت کے سبب سے ہے جو حق تعالےٰ نے ان کو عطا فرمادی ہے (کہ جو صورت چاہیں بدل لیں) اور بعض مکاشفے ایسے ہوتے ہیں کہ دُنیا ہی کی مسافت بعیدہ والی چیزوں کو دیکھ لیتے ہیں۔ چنانچہ سرورِ عالم صلّی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم نے جب اپنی معراج کی خبر دی تو کفارِ مکّہ نے انکار کیا اور کہا کہ اگر سچے ہو تو بتاؤ مسجدِ اقصیٰ کے ستون کتنے ہیں؟ اسی وقت پردے اُٹھ گئے اور مسجدِ اقصیٰ مکشوف ہوگئی اور آپؐ نے شمار کر کے سارے ستون بتا دیئے۔ اسی طرح ایک بار آپؐ سے لوگوں نے سوال کیا کہ وہ قافلہ جو ملک شام کو گیا تھا آج کہاں ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ مکّہ اور قافلہ کے درمیان ایک منزل باقی ہے چنانچہ دوسرے دن صبح کے وقت قافلہ مکّہ میں داخل ہُوا اور اسی قسم میں یہ مکاشفہ داخل ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا "مجھے یوں القاء ہُوا ہے کہ بنت خارجہ (زوجۂ خود) کے شکم میں لڑکی ہے۔ چنانچہ لڑکی ہی پیدا ہوئی اور ایسا

ہی یہ مکاشفۂ فاروقی ہے کہ حضرت ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عمرؓ نے لشکر کا سپہ سالار بنا کر نہاوند کی طرف بھیجا تھا۔ اتفاق سے جمعہ کے دن کافروں سے جنگ ہوئی۔ کفار کی فوج کا ایک دستہ پہاڑ کے پیچھے چھپا ہوا گھات میں بیٹھا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ مدینہ منوّرہ میں منبر پر کھڑے خطبہ پڑھ رہے تھے کہ (یہ معاملہ باوجود مسافت بعیدہ آپ کو مکشوف ہوا) اسی وقت آپ نے فرمایا کہ "اے ساریہ پہاڑ" یعنی پہاڑ کی طرف سے اپنی حفاظت کرو۔ حضرت ساریہؓ نے حضرت عمرؓ کی یہ آواز سنی اور چھپے ہوئے کافر دستہ کو ٹھکانے لگایا اور اس قسم کے مکاشفات مشائخ کرام کے واقعات میں بکثرت اور اتنے مشہور ہیں کہ بیان سے باہر ہیں۔

مکاشفات کا فائدہ

جاننا چاہیئے کہ عالم واقعہ کے مکاشفات کا فائدہ سالک کے لئے یہ ہے کہ ان کی وجہ سے نفس کی بُرائی بھلائی اور سیر و سلوک کے زمانہ میں اپنے حال کی ترقی و نقصان سے آگاہ ہو جاتا ہے اور مکاشفات اُس کے دل کے لئے آرام کا سبب بن جاتے ہیں اور حق و باطل اور واقعات نفسانی اور شیطانی اور حیوانی اور سبعی اور ملکی اور قلبی اور روحی اور رحمانی میں فرق و تمیز حاصل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ نفس پر جب حرص و بخل اور حسد وغیرہ کی مذموم صفتوں کا غلبہ ہوتا ہے تو قوت متخیلہ ان صفات ذمیمہ میں سے ہر ایک کو ایسے حیوان کی صورت میں ڈھال کر دکھاتی ہے جس سے وہ مذموم صفت غالب ہوتی ہے۔ چنانچہ حرص کی خصلت کو چوہے اور چیونٹی کی شکل میں اور بدنیتی کو خنزیر کی شکل میں اور تکبّر کو خرس کی شکل میں اور بخل کو کُتّے اور بندر کی صُورت میں اور کینہ کو سانپ کی شکل میں اور تکبّر کو چیتے کی صورت میں اور غصّہ کو بھی بندر کی صورت میں اور درندوں کی خصلت مثلاً ظلم و زیادتی کو شیر یا کسی دوسرے درندے کی صورت میں اور شہوت کو گدھے کی صُورت میں اور حیوانیت کو بکری کی شکل میں اور شیطانی صفت مثلاً گمراہ کرنے، فریب دینے اور خداع کو شیطانوں اور جنات اور غول بیابانی کی صُورت میں اور مکر و حیلہ کو لومڑی اور خرگوش کی شکل میں لا کر دکھاتی ہے اور جب یہ شکلیں نظر

آویں تو جان لینا چاہیئے کہ ان خصلتوں کا سالک پر غلبہ ہے۔ پس ان سے پاک صاف بننے کی کوشش کرے اور ان کو دُور کرنے میں سعی کرے۔ اور اگر ان صورتوں کو اس طرح دیکھے کہ اس کی مطیع ہیں تو جان لے کہ ان صفات سے عبور ہو رہا ہے۔ اور اگر دیکھے کہ ان جانوروں کو قید اور قتل کر رہا ہے تو سمجھ لے کہ ان خصائل سے نجات حاصل ہو گی اور جب ان کے ساتھ لڑتا جھگڑتا دیکھے تو غفلت و کاہلی نہ کرے اور مطمئن نہ بیٹھے جب تک کہ ان شکلوں اور خیالات سے پوری طرح صفائی نہ پالے۔

امورِ غیبیہ اطفالِ طریقت کی غذا ہیں

سلوک کے بعض مقامات میں یہ امور غیبیہ طریقت کے بچوں کی غذا ہوتے ہیں۔ کہ ان کے ذریعہ سے اطفالِ طریقت کی تربیت کی جاتی ہے (کہ بشاش و مانوس رہیں اور آگے قدم بڑھائیں) اور بعض مقاماتِ سلوک سے عبور کرنا ناممکن ہو جاتا ہے جب تک کہ غیبی واقعات اپنا تصرّف نہ کریں (پس ان کے لئے واقعات غیبی کی تربیت ظاہر ہے) اور اس جگہ سے یہ مضمون سمجھ میں آتا ہے کہ مرید کے لئے شیخ کا ہونا لازمی ہے۔ کیونکہ سالک جب تک وجود اور نفس کی صفات کے سلوک میں رہتا ہے تو اس کو چلتا رہنا ممکن ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک کے لئے علامات و نشانات ہیں کہ ان سے راستہ ملتا رہتا ہے۔ مگر جب روحانیات کے مقام میں پہنچ جاتا ہے تو تصرف کے بغیر چلنا ممکن نہیں پس اس مقام پر اگر واقعات غیبی شیخ کی ولایت کے فیضان سے یا بارگاہِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یا صفات خداوندی کی تجلیات سے مدد کر دیں تو البتہ سالک درجۂ فنا پر پہنچ سکتا ہے اور جب تک فنا اور فنا ء الفنا حاصل نہ ہو گی بقاء اور بقاء البقا اور تمکین تک جو سلوک سے مقصود ہے کبھی نہ پہنچ سکے گا۔

واقعات غیبیہ میں شیطان کا دخل

تجھ کو جاننا چاہیئے کہ قلبی و روحی و ملکی اور رحمانی واقعات غیبیہ میں ہر واقعہ کے لئے ایک ذائقہ ہے کہ نفس اس سے لذت لیتا ہے اور جب اس کو نوش کرتا ہے تو ایسی قوت اور ذوق و شوق پاتا ہے کہ طبعی مرغوبات اور لذت دہندہ اشیاء سے نرالی

ہوتی ہے۔ پس عالم غیب اور روحانیت اور لطائف و اسرار و حقائق سے مانوس بن جاتا اور عالم طلب کی جانب بالکلیہ متوجہ ہو جاتا اور اپنے کھانے پینے کا مقام عالم غیب ہی کو تجویز کر لیتا ہے قَدْ عَلِمَ کُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ (کہ ہر ایک نے اپنا گھاٹ معلوم کر لیا اسی کی اطلاع ہے) اور بعض اکابر نے فرمایا ہے کہ جب شیطان جان لیتا ہے کہ سالک جاہل ہے اور دین کے علوم سے واقف نہیں ہے اور اس کو غیبی امور میں سے کسی چیز کا مکاشفہ ہونے لگتا ہے تو اس کا مضحکہ اور تمسخر کرتا اور بے عقلی کا مذاق اڑاتا اور عجیب و غریب حرکتوں سے اس کا مخول بناتا ہے کہ اس پر پیشاب کی دھار مارتا اور ایسا معائنہ کراتا ہے کہ گویا کوئی شخص اس پر شیشہ سے گلاب چھڑک رہا ہے۔ شیطان لعین اس جاہل کو بہتیری مخلوق کے گمراہ کرنے کا وسیلہ قرار دیتا اور جم غفیر کو اس گمراہ کے واسطہ سے گمراہی کے راستہ پر چلانے لگتا ہے اور اسی راز کی وجہ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "البتہ ایک تنہا فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ سخت اور گراں ہے"

قطع نظر حدیث سے عقل بھی اس کی گواہ ہے کیونکہ فقیہ عالم اگرچہ طاعت و عبادت میں کاہل ہو اور اپنے علم پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے بے وقوف کہلائے مگر تاہم اپنے علم و فقہ کے سبب بہتیری اُمت کو ہدایت کر دے گا اور دین کے مسائل سکھاوے گا۔ اور یہ جاہل اپنے جہل کے سبب جو اس کی فاسد عبادتوں اور مزخرف و بے ہودہ مکاشفوں سے ملا ہوا ہے ایک جہان کو گمراہ کر دے گا اور ایسے جاہلوں کے ساتھ شیطان کا ادنیٰ معاملہ یہ ہوتا ہے کہ اول اس کو القاء کرتا ہے کہ حق تعالےٰ جس صورت میں بھی تجلی فرمائے در حقیقت حق تعالےٰ کی وہی صورت ہے اور جب یہ جاہل اس عقیدہ میں راسخ ہو گیا تو فرقۂ مجسمہ میں داخل ہو کر ہلاک ہوا (کہ خدا کے لئے جسم کا قائل ہو کر کافر بن گیا) اس کے بعد اگر کبھی عالم واقعہ میں دیکھ بھی لے کہ حق تعالےٰ نے اس پر کسی صورت میں تجلی فرمائی تو اس کا عقیدہ خوب مضبوط ہو جاتا اور تجسم و تشبہ کا معتقد بننے کے سبب مستحق جہنم قرار پاتا ہے اور اب شیطان اس کو علماء دین اور مشائخ

ابرار کی صحبت سے جو حق کے راہنما اور باطل کو حق سے جدا کرنے والے ہیں منع کرتا اور یوں کہتا ہے کہ تجھ جیسا دُنیا میں ہے کون کہ تجھ کو اس کے پاس جانے اور اس کا اقتداء کرنے کی حاجت ہو بلکہ تیری سی صفائی اور جلاء تو انبیاء علیہم السلام کو بھی حاصل نہیں ہوئی کیونکہ اللہ جل شانہٗ نے تجھ پر تیرے سوال اور درخواست کے بغیر تجلّیات فرمائیں اور موسیٰ علیہ السلام نے باوجودیکہ رؤیت کا سوال بھی کیا پھر بھی لن ترانی کا جواب ملا۔ اور فرمایا کہ تم مجھ کو ہرگز نہ دیکھ سکو گے" نیز شیطان اس جاہل سے کہتا ہے کہ "تو کسی عالم یا عارف شیخ کے پاس کس لئے جاتا ہے کہ اللہ جل شانہٗ سے زیادہ تو کوئی عالم ہی نہیں اور وہ خود ہی تجھ پر اپنی کثیر نعمتیں نازل کر رہا ہے اور اپنے وجود کے فضل سے تیری تربیت فرما رہا ہے۔ شاید تُو یوں گمان کرتا ہو گا کہ شیخ عارف تیری مصلحتوں کو خدا تعالےٰ سے بھی زیادہ جانتا اور شیطان سے تجھ کو بچانے اور تیری پرورش کرنے میں حق تعالےٰ سے بھی زیادہ قادر اور نگہبان ہے؟ حالانکہ وہ عزیز ہے حکیم ہے بصیر ہے علیم ہے قوی ہے متین ہے پس حاشا وکلا ایسا نہیں ہو سکتا بلکہ حق تعالےٰ تجھ کو کافی ہے اور اس کے علاوہ کسی کی بھی حاجت نہیں"

پس اس قسم کی ملمع کاریاں چند در چند سمجھا کر اس کو مغرور بنا دیتا ہے تو شیطان خود اس کا مرشد اور شیخ معلم بن کر اس کے اور حق تعالےٰ کے درمیان پردہ ڈال دیتا ہے اور زمین و آسمان کے مابین اپنا تخت معلق کر کے جب چاہتا ہے اس پر رنگ برنگ کی تجلیات ڈالتا ہے اور جب چاہتا ہے پردہ میں چھپ جاتا ہے اور اس کو گمراہی کے سمندر میں غرق کر دیتا ہے اس کے بعد عوام الناس میں جا کر اس جاہل کی درویشی اور کمالات کو آراستہ بناتا ہے اور اس کی محبت و اقتداء کے لئے سب کو بلاتا ہے اور سب کو برباد کرتا ہے۔ نعوذ باللہ من شرہ اللعین۔

شیخ کے بغیر چارہ نہیں

مشائخ نے اس معاملہ کا بہت تجربہ فرمایا ہے اور اسی راز کے سبب کہا ہے کہ "جس کا کوئی پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہے" اور حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

فَاسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ "اگر تم کو علم نہ ہو تو اہلِ ذکر یعنی علماء و مشائخ سے پُوچھ لیا کرو۔"

سرورِ عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے صحابی ستاروں کے مثل ہیں کہ جس کا بھی اقتداء کرلوگے راستہ پالوگے۔ (اس سے علماء و مشائخ کو مقتدا بنانے کی ضرورت ظاہر ہوگئی۔ اور حق تعالےٰ نے قرآن مجید کی آیتوں میں شیطان کی دوستی ومحبت سے اپنے بندوں کو جگہ جگہ خوف دلایا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے :-

اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْہُ عَدُوًّا۔ "بلاشبہ شیطان تمہارا دشمن ہے پس تم اُس کو دشمن ہی سمجھو۔"

نیز ارشاد فرمایا ہے :-

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ لَا یَفْتِنَنَّکُمُ الشَّیْطٰنُ کَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَیْکُمْ مِّنَ الْجَنَّۃِ یَنْزِعُ عَنْھُمَا لِبَاسَھُمَا لِیُرِیَھُمَا سَوْاٰتِھِمَا۔ "اے بنی آدم تم کو شیطان فتنہ میں نہ ڈال دے جیسا کہ تمہاری ماں حوا اور باپ آدم کو جنت سے نکالدیا اور ان کا لباس چھوڑا کر برہنہ کروا دیا۔"

اسی طرح بتہیری آیتوں میں اس کی تاکید فرمائی ہے اور طرفہ تعجبات میں سے یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے تو بایں رفعت شان ومرتبت شیطانی القا سے نجات پائی نہیں۔ چنانچہ خود حق تعالےٰ فرماتا ہے :-

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓی اَلْقَی الشَّیْطٰنُ فِیْٓ اُمْنِیَّتِہٖ فَیَنْسَخُ اللہُ مَا یُلْقِی الشَّیْطٰنُ ثُمَّ یُحْکِمُ اللہُ اٰیٰتِہٖ۔ "(اے محمدؐ) جتنے بھی رسول اور نبی تم سے پہلے ہم نے بھیجے ان کی قرآت میں شیطان نے اپنی عبارت القا کی مگر اس کے بعد حق تعالےٰ اس کے ڈالے ہوئے کو رد کر کے اپنی آیتوں کو مضبوط بنا دیتا ہے۔"

نیز آدم علیہ السلام کا قصہ کہ شیطان مردود نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا کسی پر مخفی نہیں ہے۔ پس جاہل غبی اور احمق نادان اس کے مکر و فریب سے کس طرح امن میں رہ سکتا ہے اور شیطان کا کھیل کیونکر نہ بنے گا۔

تلبیسِ ابلیس جان لے کہ شیطان اکثر جاہلوں کو اباحت میں ڈال دیتا ہے اس طرح کہ اس جاہل سے ملمع دار باتیں بناتا اور باطل حجتیں پیش کر کے کہتا ہے کہ میاں شریعت اور طریقت کا مقصود تو یہی مشاہدہ تک پہنچ جانا ہے جس پر تو خود پہنچ گیا ہے اور جس طرح مر جانے کے بعد شریعت کی تکلیف اُٹھ جاتی ہے اسی طرح مقصود کے حاصل ہو جانے کے بعد بھی تکلیف اُٹھ جاتی ہے۔ پس جو تیرا جی چاہے کر اور کبھی کہتا ہے کہ حق تعالیٰ کو تیری عبادت و اطاعت کی پرواہ نہیں اور تجھ کو جو شریعت کے احکام کا مکلف بنایا تھا تو صرف اس لئے کہ نفس کی صفائی و طہارت حاصل ہو اور جب تجھ کو یہ تزکیہ بدرجۂ کمال حاصل ہو گیا کہ تُو روحانیات کا مشاہدہ کرتا ہے تو اب اطاعت کی حاجت نہیں رہی اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس کو گناہ میں مبتلا کرتا اور عین حالتِ نافرمانی میں اس کو جھوٹے انوار اور من گھڑت پیاری شکلیں دکھلاتا اور پھر اس کے دل میں کُھلم کُھلا یہ مضمون ڈالتا ہے کہ دیکھ اب تو تکلیف تجھ سے اُٹھ گئی کہ گناہ بھی تجھ کو نقصان نہیں دیتا بلکہ تیرا عصیان بھی بمنزلہ اطاعت کے بن گیا (کہ تجلیات کا ورود ہوا)۔

شیطان کی گمراہیوں سے بچنے کا طریقہ یہ سارے تخیلات شیطان کے حیلے اور چالبازیاں ہیں اور ان گمراہیوں سے نجات پانے کے لئے علماءِ عظام نے بہتیرے اسباب تجویز فرمائے ہیں مثلاً یہ کہ یقینی بات ہے کہ یہ لوگ بھی تو انبیاء علیہم السلام کے تابع ہیں اور انبیاء علیہم السلام کو مشاہدہ کا مرتبہ ان سے زیادہ قریب اور قوی حاصل تھا اور وہ حضرات حقائق اور باطنی امور کو سب سے زیادہ جانتے تھے باوجود اس رفعت و شان کے انھوں نے کبھی کسی طاعت کو بھی مہمل نہیں چھوڑا اور چھوٹے سے چھوٹے گناہ پر بھی جرأت نہ کر سکے بلکہ گناہ میں احتیاط اور عبادت میں مجاہدہ سب سے زیادہ کیا۔ پس دوسرے کو ہر گناہ کے مباح ہو جانے کا مذہب جس کو اباحت کہتے ہیں کس طرح صحیح ہو جائے گا۔ نیز سمجھے کہ قرآن و حدیث میں ایسا کوئی حرف کسی شخص کے لئے بھی کسی حالت میں کیوں نہ ہو ہرگز ہرگز نہیں پایا جاتا۔ بلکہ قرآن اور احادیث اور اُمت کا اجماع ظاہر و باطن اس شخص پر جو شریعت کے امور تکلیفیہ میں سے ذرا سی چیز

کی بھی اہانت کرے پوری سختی کرتے، جھڑکتے، ڈانٹتے اور حدود و تعزیر قائم کرتے ہیں اور احکاماتِ شرعیہ کی تعظیم اور نواہی سے بچنے کا اتنی تاکید کے ساتھ حکم دیتے ہیں کہ حدِ انتہا سے زیادہ ہے۔ پھر اباحت کسی کو کس طرح جائز ہو سکتی ہے؟ اور اس قسم کے دلائل مشائخ و علماء کے پاس مذاہب اباحت کے باطل ہونے پر بکثرت ہیں۔

شیطان کی مزید چالبازیاں

اکثر جاہلوں کو شیطان لعین فرقۂ مجسمہ میں داخل کر دیتا ہے۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا کہ اول دل میں یہ ڈالتا ہے کہ یہ صورتیں اور شکلیں جو مشاہدہ میں دکھائی دیتی ہیں بعینہٖ حق تعالیٰ کی ذات ہیں اس کے بعد باطل کا مشاہدہ کراتا اور یہ عقیدہ کہ (نعوذ باللہ خدا کی صورت و شکل ہے) مضبوط بنا دیتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ زمین و آسمان کے درمیان تخت پر بیٹھا ہوا نظر آتا ہے اور یہ مضمون حدیث میں بھی آیا ہے۔ پس وہ جاہل آتش اور تخت سے دھوکہ کھا کر اس کو اپنا رب سمجھ کر سجدہ کرتا ہے اور مجسمہ کے مذہب سے اپنے عقیدہ کی گرہ باندھ لیتا ہے اور یہ قصہ مصر کے راستہ میں ایک شخص کو پیش آیا کہ اس نے جنگل میں شیطان کو معلق تخت پر دیکھا (اور چونکہ خدا کے لئے جسم نہ ہونے کا عقیدہ جاتا رہا تھا اس لئے) یوں سمجھ کر کہ یہ نعوذ باللہ حق تعالےٰ ہے اس کو سجدہ کیا اس کے بعد بغداد پہنچ کر مشائخ کی جماعت کے سامنے قصہ نقل کیا۔ ان مشائخؒ نے فرمایا کہ وہ تو شیطان تھا۔ اس دلیل سے کہ سرورِ عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "شیطان کے لئے تخت ہے کہ اس کو زمین و آسمان کے درمیان معلق کر کے اس پر بیٹھتا ہے"۔ پس اسی وقت وہ شخص اٹھا ایمان کی تجدید کی اور ساری نمازیں لوٹائیں۔ اس کے بعد جہاں اس ملعون کو دیکھا تھا آیا اور اس پر لعنت کر کے کہا کہ بے شبہ تو شیطان ملعون ہے میں تجھ پر لعنت کرتا ہوں اور خدائے یگانہ و فردِ حقیقی جل شانہٗ پر ایمان لاتا ہوں۔

تجسّم کی بلاء سے نجات کے لئے علماء راسخین کے پاس بہتیری دلیلیں ہیں منجملہ اس کے یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام اور ساری گذشتہ اُمتیں اور موجودہ مومنین اور

تمام مشائخ و علماء چھوٹے اور بڑے سب یک زبان ہو کر اس بات پر اتفاق اور اجماع رکھتے ہیں کہ حق تعالےٰ کی ذات اور صفات جسمیت سے منزہ اور پاک ہے اور وہ اجسام و اعراض میں کسی چیز کے ساتھ بھی مشابہت نہیں رکھتی اور جملہ اشیاء مخلوق نوپیدا ہیں اور حق تعالےٰ تمام اشیاء کا پیدا کرنے والا اور قدیم اور ازلی و ابدی ہے اور ظاہر ہے کہ اپنے مقبول و برگزیدہ بندوں کا اجماع و اتفاق باطل امر پر کس طرح ہو سکتا ہے ؟ پس ضروری بات ہے کہ ایسے جاہل کا عقیدہ باطل ہے۔

عقیدہ حُلول کی تردید

شیطان اکثر جاہلوں کو حُلول کے عقیدہ میں ڈال دیتا ہے۔ کہ ان کے دلوں میں باطل مقدمات ڈالتا ہے اور وہ ان پر اپنے عقائد باطلہ کو متفرع کرنے لگتے ہیں۔ مثلاً ان کو جتلاتا ہے کہ روحانیات کی قسم میں سے جو کچھ تم مشاہدہ کر رہے ہو یہ تمہاری ہی باطنی چیزیں ہیں اس لئے کہ خارج میں ان کی رویت نہیں ہوتی۔ اس کے بعد جب ان کو مشاہدہ ہوتا ہے اور اپنے باطن کی کوئی چیز دیکھتے اور جانتے ہیں کہ جو کچھ ہمارے باطن میں ہے وہ ہمارا نفس ہی ہے۔ پس یہ عقیدہ رکھنے لگتے ہیں کہ جو کچھ مشاہدہ میں نظر آتا ہے وہ بھی ہمارا نفس ہی ہے۔ پس حق تعالےٰ بھی (جس کا مشاہدہ ہوا) ہمارا نفس ہُوا کہ ہم میں حلول کر آیا ہے نعوذ باللہ منہا۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب کسی جاہل پر حال نازل ہو کر غلبہ پکڑتا ہے تو اس حال کی قوت کے سبب ان سے خارق عادات، امور اور کرامتیں صادر ہونے لگتی ہیں۔ پس اس وقت شیطان ان کے خیال میں یوں ڈالتا ہے کہ یہ حال جس نے تیرے اندر نزول کیا ہے حق تعالیٰ ہی ہے کہ اس طرح پر اپنی قدرت دکھاتا اور خلاف عادت کرتا ہے۔ اس وقت وہ جاہل اس پر فریفتہ ہو کر حلول کا عقیدہ کر لیتا ہے اور اس سے نجات کی یہ صورت ہے کہ غور کرے اور جانے کہ یہ تو حال کی تاثیر ہے اور حال عنایت خداوندی کی بندہ پر ایک نگاہ ہے اور دیکھنے والے کی نگاہ خود دیکھنے والا نہیں ہو سکتا اور یہ کھلی ہوئی بات ہے (جس کو دلیل کی ضرورت نہیں کہ ناظر اور چیز ہے اور نظر دوسری

چیز ہے) اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سالک ابھی عالم نفس و ہوئی میں ہوتا ہے اور خواب یا حال میں یوں دیکھتا ہے کہ وہ خدا ہے پس سمجھنے لگتا ہے کہ فی الواقع میں خدا ہی ہوں کہ خدا تعالیٰ میرے اندر حلول کر آیا ہے حالانکہ یہ خواب تعبیر کا محتاج ہے اور تعبیر اس کی یہ ہے کہ یہ شخص ابھی تک اپنے نفس کا بندہ بنا ہوا ہے اور نفس کو محبوب اور خواہش کو اپنا معبود بنا رکھا ہے اور اسی وجہ سے اس قسم کی باتوں کو خیال سمجھتے ہیں۔ اس کا علاج نفس و ہوئی کی اطاعت کو ترک کرنا ہے کہ جو کچھ نفس کی خواہش ہو اس کو مجاہدہ اور ریاضت سے قطع کرنا چاہیئے اور اس قسم کے واقعہ کو محال نہ سمجھنا چاہیئے۔ کہ تخیلات اس قسم کی باتیں کس طرح دیکھ لیتے ہیں، اس لئے کہ یہ شخص بھی دوسروں کی طرح عامی ہے۔ پس دوسرے بھی تو خواب میں دیکھتے ہیں کہ گویا وہ نوحؑ یا آدمؑ یا عیسےٰؑ یا موسیٰؑ یا جبرائیلؑ یا میکائیلؑ یا اور کوئی فرشتہ یا کسی قسم کے جانور درندہ وغیرہ ہیں اور کبھی دیکھتے ہیں کہ اُڑ رہے ہیں اور کبھی دوسرے عجائبات دیکھتے ہیں اور ان سب خوابوں کو تعبیر کی حاجت ہوتی ہے اگرچہ واقع میں وہ شخص درندہ و پرندہ وغیرہ نہیں ہو جاتا اور کبھی حلول کی غلطی اس طرح پیدا ہوتی ہے کہ صوفی جب عالم نفس و ہوئی سے آگے بڑھ کر عالم حقیقت اور فناء کو پہنچتا ہے تو بجز حق تعالےٰ کے نہ کسی کو دیکھتا ہے نہ جانتا ہے اور ساری چیزوں کو بلکہ اپنے نفس کو بھی فراموش کر دیتا ہے اور صوفیاء کرام کے نزدیک اسی کا نام فنا ہے۔ پس جہاں بھی خدا کو دیکھتا ہے اور کسی چیز کی خبر نہیں رکھتا تو اعتقاد کرتا ہے کہ بجز حق تعالےٰ کے کوئی موجود نہیں اور میں حق ہوں پس انا الحق اور اسی قسم کے دوسرے کلمات کہنے لگتا ہے۔ سننے والا شخص یہ کلمات سن کر حلول کا اعتقاد کر بیٹھتا ہے اور اس عقیدۂ فاسدہ سے نجات کی یہ صورت ہے کہ صوفی کو جاننا چاہیئے کہ یہ سمجھنا اس سبب سے ہوا کہ دُنیا و آخرت کی ساری چیزیں فراموش ہو گئیں اور اپنے نفس و صفات کو بھی بھول کر مشاہدہ اور علم باللہ میں اپنے باطن کے ساتھ محو و مستغرق ہو گیا ورنہ واقع میں تو ساری چیزیں سابق کی طرح اپنی حالت پر موجود ہیں اور اس مقام پر تو پہنچنا بہت ہی اچھا ہے کہ عالی مقام ہے۔ مگر بوجہ مذکورہ اس غلطی کا اندیشہ ہے کہ بعض دفعہ

خود وہ صوفی بھی اس حالت سے افاقہ پانے کے بعد اپنے جہل کے سبب حلول کا اعتقاد کر بیٹھتا ہے۔ پس اس جگہ پر شیخ کامل کا ہونا شرط ہے تاکہ اس تباہی کی جگہ سے امان دے اور کبھی ایسا پیش آتا ہے کہ صوفی ایسے مقام پر پہنچتا ہے کہ جس چیز پر بھی نظر ڈالتا ہے خدا تعالیٰ ہی کو پاتا ہے اور یہ مشاہدۂ معرفت ہوتا ہے اور اسی جگہ سے یہ قول مستنبط ہے کہ "جس چیز کو بھی میں نے دیکھا خدا تعالےٰ کو پایا" بعض نے یوں کہا ہے کہ جس چیز کو بھی میں نے دیکھا اس چیز سے پہلے خدا کو پایا" پس جب ایسا معاملہ پیش آتا ہے تو اعتقاد کر لیتا ہے کہ حق تعالےٰ ساری چیزوں میں حلول کر آیا ہے حالانکہ اللہ پاک اس سے بہت بلند ہے اور اس خرابی سے نجات کی یہ صورت ہے کہ یقین کے ساتھ جانے کہ یہ عظمت وکبریائی کا حجاب ہے کہ ہر جگہ دکھائی دیتا ہے اور ظاہر ہے کہ حق تعالےٰ تمام اشیاء کو گھیرے ہوئے ہے اور ہر شے کے ساتھ قرب ومعیت رکھتا ہے اور ذرہ برابر چیز بھی اس سے پوشیدہ نہیں نہ زمین میں نہ آسمان میں اور باوجود اس کے حق تعالیٰ سب سے جدا ہے اور مخلوق اس سے مباین ہے۔ پس مخلوق کا اس میں حلول کرنا یا اس کا مخلوق میں حلول کرنا دونوں ہی محال ہیں اور تمام انبیاء اور اولیاء وعلماء حلول کے خلاف پر متفق ہیں۔ پس حلولی کا مذہب اعتماد کے قابل کس طرح ہو سکتا ہے؟ اس عقیدہ کو خوب محفوظ رکھے کہ اس مرتبہ میں حلول کی غلطی بہت پڑتی ہے۔

فصل ۲۰

امتِ محمدیہ میں ولایت کا بقاء

جان لے کہ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امتِ مرحومہ ساری امتوں میں صاحبِ شرف اور مقبول ہے چنانچہ حق تعالےٰ فرماتا ہے :-

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ ۔ "(اے امتِ محمدیہ) تم سب امتوں میں بہتر ہو"

نیز ارشاد فرمایا ہے :-

جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا ۔ "میں نے تم کو امت وسط یعنی عادل بنایا ہے"

اور قیامت تک اس امت میں ولایت قائم رہے گی۔ چنانچہ فخرِ رسل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نے فرمایا ہے کہ میری اُمّت میں سے ایک جماعت ہمیشہ حق پر غالب و قائم رہے گی کہ خدا کی طرف سے ان کی مدد کی جائے گی اور کسی کا مدد نہ کرنا ان کو نقصان نہ پہنچا سکے گا۔" اور عُلماء کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ جماعت دین اور علم کے حاملین کا گروہ ہے کہ انہی کے لئے حضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے دُعا فرمائی ہے کہ تر و تازہ رکھے اللہ تعالیٰ اس شخص کو جس نے میرا کلام سُن کر اس کو محفوظ رکھا اور پھر جیسا سُنا ویسا ہی ادا کر دیا اور دوسروں کو پہنچا دیا۔ نیز حضرت صلّی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم نے ان کو عدول فرمایا اور ان کو تبلیغ احکام کا حکم دیا۔ چنانچہ فرمایا ہے کہ تم میں سے حاضرین کو چاہیئے کہ غائبین کو پہنچا دیں۔" اور ظاہر ہے کہ تبلیغ بدوں عدالت و ثقاہت کے صحیح نہیں اور اس اُمّت میں سب سے بہتر صحابہؓ ہیں۔ ان کے بعد تابعین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ چنانچہ حبیبِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ سارے زمانوں میں بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے، پھر وہ جو اس کے متصل ہیں پھر وہ جو اُن کے متصل ہیں۔"

حضرت ابراہیم علیہ السّلام سے حکایت ہے کہ جب انہوں نے صحیفوں میں اس اُمّت کی مدح اور فضیلت دیکھی تو دعا کی کہ الٰہی اس گروہ کو میری امت بنا دے۔" حکم ہُوا کہ ان کو تمہاری امت نہ بناؤں گا۔ اس لئے کہ وہ میرے حبیب صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی امت ہے۔ اس کے بعد ابراہیمؑ نے دعا کی کہ الٰہی اگر ان کو میری اُمّت نہیں بناتا تو اُن کی زبان میرے حق میں سچّی رکھیو۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی یہ دعا قبول ہوئی (کہ ساری امّت محمدیہ نے نبوّت و خلت ابراہیمی کا اقرار کیا) اور یہی وجہ ہے کہ التّحیات کے بعد حضرت فخرِ عالم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے بحکم مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى (کہ جو کچھ فرماتے تھے وحی و ارشادِ خداوندی ہوتا تھا) درود مقرر فرمایا جس میں ابراہیم علیہ السّلام کا نام داخل ہے اور دیگر مقامات میں بھی ان کو شامل دُعا فرمایا۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب توریت میں اس اُمّت کی تعریف دیکھی تو خواہش کی کہ اس جماعت کو میری اُمّت بنا۔ حکم ہُوا کہ ان کو تمہاری امت نہ بناؤں گا کہ وہ میرے حبیبؐ کی امت ہے۔ تب انہوں نے دعا کی کہ پھر مجھ ہی کو اس اُمّت

میں داخل فرما۔ حکم ہوا کہ تمہارا ظہور ان سے بہت دور ہے کہ تم ان کے زمانہ کو نہیں پہنچ سکتے"۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس اُمت کے فضائل انجیل میں دیکھے تو عرض کیا کہ الٰہی اس اُمت کو میری امت بنا دے۔ حکم ہوا کہ ان کو تمہاری اُمت نہ بناؤں گا کہ وہ میرے نبی محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کی اُمت ہے۔ پس انہوں نے دعا کی کہ مجھ ہی کو اس امت میں داخل کر دے۔ چنانچہ ان کی یہ دُعا قبول ہو گئی کہ حق تعالےٰ نے اُن کو زندہ آسمان پر اُٹھا لیا۔ یہاں تک کہ آخر زمانہ میں ان کو زمین پر اُتار کر اس اُمت میں شامل فرمائے گا۔

صحابیؓ، تابعیؒ اور ولیؒ کا بیان

جان لے کہ صحابیؓ بعض علماء کے نزدیک اس مسلمان کو کہتے ہیں جس نے حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو دیکھا ہو اگرچہ صُحبت اور پاس بیٹھنا نصیب نہ ہُوا ہو، اور بعض نے پاس بیٹھنے کو شرط گردانا ہے اور عرف کا مقتضی اور قرین قیاس یہی ہے کہ پاس بیٹھنا صحابی کے لئے شرط ہو کہ صحبت اسی کا نام ہے۔ تابعیؒ بھی بعض تو اسی مسلمان کو کہتے ہیں جس نے صحابی کو دیکھا ہو اگرچہ مجالست نہ ہُوئی ہو اور بعض نے صُحبت کو شرط گردانا ہے۔ ولیؒ خدا تعالےٰ کے دوست کو کہتے ہیں اور حق تعالےٰ کی دوستی اس پر ایمان لانے کا نام ہے، چنانچہ فرمایا ہے :-

اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ "اللہ تعالیٰ ان کا ولی ہے جو ایمان لائے ہیں"۔

ولایتِ عامّہ اور ولایتِ خاصّہ

بعض اکابر نے کہا ہے کہ ولایت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ولایت عامہ جو حق تعالےٰ کی عداوت و دشمنی سے باہر نکل آنے کا نام ہے اور حق تعالیٰ کی عداوت کفر و نفاق ہے اور یہ ولائیت تو جملہ مومنین کو حاصل ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے :-

اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ۔ "اللہ ولی ہے مومنین کا کہ ان کو کفر کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان کے نُور کی طرف لاتا ہے"۔

دوسری ولایت خاصہ کہ وہ ان کا حصّہ ہے جن کی عبادات و طاعات کو تاہی و سُستی

کے بغیر متواتر و دائم ہوں۔ چنانچہ سرور عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے ولی خاص کی تعریف پوچھی کہ یا رسول اللہ اولیاء اللہ کون ہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ وہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان کو دیکھا جائے تو اللہ تعالےٰ یاد آوے۔" اور اس روایت کو ابو نعیم نے حلیۃ اولیاء میں نقل کیا ہے اور حدیث قدسی میں ہے کہ میری مخلوق میں میرے محبین و اولیاء وہ ہیں کہ میرے ذکر کے ساتھ ان کا ذکر کیا جاتے اور میں اُن کے ذکر سے یاد کیا جاؤں اور حقائق اسلمی میں کہا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ بیٹھنا اُٹھنا ان کے پاس اختیار کرو جن کی زیارت تمہیں خدا تعالےٰ کی یاد دلائے اور آخرت کی رغبت دلائے اور یہی ہے ولایت خاصہ۔ حق تعالےٰ ہمیں اور جملہ طالبین کو نصیب فرماوے۔

الغرض ولایت خاصہ اس امت میں قیامت تک رہے گی اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بتھیرے لوگ ہیں پراگندہ بال، دو پُرانے کپڑے پہنے ہوئے کہ ان کی ظاہری شکستہ حالی کی وجہ سے کوئی ان کی پرواہ بھی نہیں کرتا (مگر ہیں اولیاء اللہ) کہ خدا تعالیٰ پر قسم کھا بیٹھیں کہ فلاں کام اس طرح ہوگا تو یقیناً حق تعالےٰ ان کو سچا بنا دے اور وہ کام اسی طرح فرمادے۔" بعض صوفیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اس کی دلیل ہے کہ اولیاء اللہ اور حق تعالےٰ کے بندگان خاص دنیا میں ہوتے رہتے ہیں اور گو بستر نبوت تہہ ہو چکا مگر بستر ولایت اب تک بچھا ہُوا ہے۔

جان لے کہ قطب یعنی غوث کہ محل نظر خداوندی ہوتا ہے۔ سارے عالم میں ہر زمانہ کے اندر ایک شخص ہوتا ہے اور وہ فخر رسل صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے قلب پر ہوتا ہے۔ پس ہوش کے کانوں سے سُن۔ بعض لوگوں کا گمان ہے کہ قطب خدا تعالیٰ کے نزدیک نبی کے درجہ کے برابر ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ بڑی سخت غلطی ہے قطب اپنی جگہ ہے اور نبی بتھیرے درجے اقطاب سے بلند ہے۔ کیونکہ قطب صاحب شریعت ہرگز نہیں ہوتا اور نبی صاحب شریعت ہوتا ہے۔ اگر جملہ اقطاب ابدال اوتاد اور جملہ نیکوکار مومنین امت بھی جمع کر لئے جاویں اور ان کے تمام فضائل و کمالات و درجات

کو اکٹھا کر کے نبی کے دریاء نبوت میں ڈال دیا جائے تو ان کے سارے کمالات دریاء نبوت میں محو و منتشر اور ایسے گم ہو جائیں گے جیسے قطرہ دریا میں۔ بس کسی عاقل کو ہرگز مناسب نہیں کہ جاہلوں کی سی بکواس سے ذہن گندہ کرے اور حلقۂ اسلام سے گردن نکال کر ہلاک و برباد ہو اور ظاہر ہے کہ نبی کو نبی اس لئے کہتے ہیں کہ وہ غیر نبی یعنی ساری اُمت سے عالی مرتبہ ہوتا ہے۔ کیونکہ نبی کا اشتقاق نبو سے ہے اور نبو بلندی کو کہتے ہیں۔ حق تعالےٰ فرماتا ہے :۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِدْرِيسَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا — "ذکر کر کتاب میں ادریس کا کہ وہ بیشک صدیق نبی تھے اور ان کو مکانِ عالی میں ہم نے بلند کیا"

یعنی زندگی کی حالت میں اعلیٰ علیین پہ اٹھا لیا۔ نیز عیسیٰ علیہ السلام کی بابت فرماتا ہے :۔

رَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۔ — "میں تم کو اپنی طرف بلند کرتا ہوں اور گناہوں سے پاک کر کے اپنے عالم بالا کی طرف لاتا ہوں"

نیز ارشاد فرمایا ہے :۔

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُم مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ ۔ — "ہم نے اُن کی روزی زندگانی میں ان کے درمیان تقسیم کر دی اور بعض کو بعض مرتبوں میں اونچا بنایا"

یعنی انبیاء کو اولیاء پر فوقیت دی اور اولیاء کو عام مومنین پر اور مومنین کو کافرین پر اور انبیاء کے جملہ غیر انبیاء پر عالی مرتبہ ہونے میں یہ نص صریح ہے۔ اور حق تعالیٰ نے حضرت فخر عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے شان میں فرمایا ہے :۔

فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ ۔ — "اللہ تعالیٰ نے وحی کی اپنے بندہ کی طرف جو کچھ بھی وحی کی"

یعنی بلا کسی واسطہ کے جو کچھ اسرار آپ پر القاء فرمائے ان سے بجز حق تعالےٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کوئی بھی واقف نہیں۔ نیز فرمایا ہے :۔

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ ۝ — "جو کچھ محمد نے بچشم خود اور بصر کے مشاہدہ سے

اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ۔ اپنے رب کی زیارت کی آپ کا قلب پاک تکذیب وشک نہیں کرتا کیا تم انکے حق تعالےٰ کی ذات وصفات کے دیکھنے میں شک رکھتے ہو؟"

پس چاہیئے کہ ہرگز شبہ نہ کرو اور صحیح و راجح مذہب کی بناء پر یہ زیارت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چہرہ کی انہی آنکھوں سے ہوئی تھی اور ایک بار اور بھی آپؐ نے شرف زیارت خداوندی حاصل فرمایا ہے۔ چنانچہ حق تعالےٰ فرماتا ہے :۔

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۔ "البتہ دیکھا محمدؐ نے اپنے معبود کو دوسری مرتبہ بھی (معراج میں) سدرۃ المنتہیٰ کے پاس"

یعنی جس وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو یہ زیارت نصیب ہوئی اس وقت آپؐ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس تشریف رکھتے تھے اور ثُمَّ دَنٰى فَتَدَلّٰى کے معنی حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے یوں فرمائے ہیں کہ محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم قریب ہوئے اور نہایت قریب ہوئے" بعض اکابر نے کہا ہے کہ قریب ہوتے یعنی پردے اٹھ گئے اور اچھی طرح انکشاف ہوا۔ یہاں تک کہ آپؐ جملہ پردوں سے زیادہ قریب پہنچ کر مرتبۂ وصال سے فائز ہوئے۔ چنانچہ فرمایا ہے کہ مقدار دو کمان کی بلکہ اس سے بھی کم درمیان میں فرق رہ گیا ۔

ہوشیار ہو جا کہ دو کمان کی برابر فرق رہنا جائے اشکال ہے کہ عارف پر تو اس کی حقیقت واضح ہے مگر جاہل اس میں ہلاک ہو جاتا ہے۔ بات یہ ہے کہ تدلی نام ہے حجاب کے اٹھ جانے کا۔ پس جب پردہ اُٹھ گیا تو قرب حاصل ہو گیا اور اس قرب کو جاہلوں نے حلول سمجھ لیا۔ حالانکہ درحقیقت وہ حضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے حجاب مرتفع ہو جانا ہے۔ واللہ اعلم ۔

فصل ۲۱

سیرِ نفس کا بیان جان لے کہ ذاتِ نفس کی سَیر اس وقت حاصل ہوتی ہے جبکہ سالک کا نفس مطمئن اور شمع کی طرح نورانی بن جائے اور اس وقت اس کی شعاع روحانی عالم میں ہوتی ہے اور سیرِ نفس کا ثمرہ یہ ہے کہ نفس بزرگ

اور باعظمت ہو جائے اور اس کی بزرگی و عظمت سیر کی مقدار پر ہوتی ہے۔

تواضع، عبدیت و فنائیت کا بیان

سُن لینا چاہیئے کہ نفس کی سیر مراقبہ اور حضور اور حق تعالےٰ کی جناب میں تذلل و تواضع اور عبودیت و تسلیم و انقیاد پر موقوف ہے اور اس بارہ میں بہتیری احادیث وارد ہیں۔ ازانجملہ یہ کہ شافع روزِ محشر صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص بھی حق تعالےٰ کے لئے تواضع کرتا ہے حق تعالےٰ اس کا مرتبہ بلند فرما دیتا ہے" اور وارد ہے کہ حق تعالےٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام سے فرمایا کہ اے موسیٰ جانتے بھی ہو کہ کس شئے کے سبب ہم نے تم کو ساری مخلوق سے اعلیٰ اور کلیم بنایا؟ انہوں نے عرض کیا کہ اے رب! مَیں تو نہیں جانتا۔ حکم ہُوا ہم نے تم کو دیکھا تھا کہ ہماری عالی بارگاہ میں تواضع کے ساتھ خاک پر پڑے ہوُئے تھے۔ پس اس سبب سے ہم نے تم کو سارے آدمیوں سے بالاتر بنا دیا" اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ فخر الانبیاء صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ کسی مسلمان کو حقیر مت سمجھو کہ صغیر مسلمان بھی خدا کے نزدیک کبیر ہے اور ابن عباسؓ نے آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم سے روایت کی ہے کہ بنی آدم میں کوئی ایسا نہیں جس کے سر میں دو زنجیریں نہ ہوں۔ ایک زنجیر تو ساتویں آسمان میں ہے اور دوسری زمین میں کھنچی ہوُئی ہے۔ پس اگر ابن آدم عاجزی اور تواضع کرتا ہے تو حق تعالےٰ آسمانی زنجیر کے ذریعہ سے اس کو فلکِ ہفتم سے بالا لے جاتا ہے۔ اور اگر تکبّر و غرور کرتا ہے تو زمین والی زنجیر کے واسطہ سے کرتا ہے اور ساتویں زمین کے نیچے پہنچا دیتا ہے" ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم سے روایت کی ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس شخص نے ہمارے لئے تواضع کی اور مخلوق کے ساتھ نرمی و احسان کے ساتھ گزاری اور میری زمین میں رہ کر تکبّر نہیں کیا تو مَیں اس کا مرتبہ بلند کرتا ہوں یہاں تک کہ اعلیٰ علیین پر لے جاتا ہوں" اور اسی قسم کی بہت حدیثیں ہیں جو دلالت کرتی ہیں کہ انسان کو عبودیت اور تزکیہ نفس میں اختیار حاصل ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے صراحتہً فرما دیا ہے :-

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی ۔ "بے شک فلاح پائی اُس شخص نے جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کر لیا۔"

یعنی خواہشاتِ نفس کی مخالفت اور مجاہدہ کی تلوار سے نفس کی آلائش اور کدورتوں کو کاٹ ڈالا۔ نیز معلوم کر لے کہ سیر کی وجہ سے انسان کا نفس نورانی ہو جاتا ہے اور یہی بات ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ کی شان میں فرمایا ہے :۔

قَدْ جَاءَ کُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ کِتٰبٌ مُّبِیْنٌ ۔ "بے شک آیا تمہارے پاس حق تعالیٰ کی طرف سے نور اور واضح کتاب۔"

نور سے مراد حبیبِ خدا صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کی ذات ہے۔ نیز حق تعالےٰ نے ارشاد فرمایا ہے :۔

یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا وَّ دَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا ۔ "اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلّم) ہم نے تم کو نور اور مژدہ سنانے والا اور ڈرانے والا اور اللہ کی طرف بلانے والا اور چراغ منیر بنا کر بھیجا ہے۔"

منیر روشن کرنے والے اور دُوسروں کو نور دینے والے کو کہتے ہیں۔ پس اگر کسی دوسرے کو روشن کرنا انسان کے لئے محال ہوتا تو ذات پاک صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کو بھی یہ کمال حاصل نہ ہوتا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم بھی تو اولادِ آدمؑ ہی میں ہیں۔ مگر آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم نے اپنی ذات کو اتنا مطہر بنا لیا کہ نور خالص بن گئے اور حق تعالےٰ نے آپؐ کو نور فرمایا اور شہرت سے ثابت ہے کہ آنحضرتؐ کے سایہ نہ تھا اور ظاہر ہے کہ نور کے علاوہ ہر جسم کے سایہ ضرور ہوتا ہے۔ اسی طرح آپؐ نے اپنے متبعین کو اس قدر تزکیہ اور تصفیہ بخشا کہ وہ بھی نور بن گئے۔ چنانچہ ان کی کرامات وغیرہ کی حکایتوں سے کتابیں پُر اور اتنی مشہور ہیں کہ نقل کی حاجت نہیں۔ نیز حق تعالےٰ نے فرمایا ہے :۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ نُوْرُهُمْ یَسْعٰی بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ بِاَیْمَانِهِمْ ۔ "جو لوگ ہمارے حبیبؐ پر ایمان لائے ہیں ان کا نور ان کے آگے اور داہنی جانب دوڑتا ہو گا۔"

دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے :۔

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِمْ ۔

"یاد کر اس دن کو جب کہ مومنین کا نور ان کے آگے اور داہنی طرف دوڑتا ہوگا اور منافقین کہیں گے کہ ذرا ٹھہر جاؤ تاکہ ہم بھی تمہارے نور سے کچھ اخذ کریں۔"[1]

ان دونوں آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی متابعت سے ایمان اور نور دونوں حاصل ہوتے ہیں۔ حضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حق تعالےٰ نے مجھ کو اپنے نور سے پیدا فرمایا اور مومنین کو میرے نور سے پیدا فرمایا۔ نیز آپؐ نے اس طرح دُعا کی ہے کہ اسے میرے اللہ! میرے سمع اور بصر اور قلب کو نور بنا دے۔ بلکہ یوں عرض کیا کہ خود مجھ کو نور بنا دے۔

پس اگر انسان کے نفس کا روشن ہونا محال ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم یہ دُعا کبھی نہ کرتے۔ کیونکہ محال بات کی دُعا کرنا بالاتفاق ممنوع ہے۔ کہتے ہیں کہ ابوالحسن نوری کو نوری کہتے ہیں اس لئے کہ بارہا ان سے نور دیکھا گیا تھا اور بتہیرے خواص وعوام صلحاء و شہداء کی قبرستانوں سے نور اٹھتا ہوا دیکھتے ہیں اور یہ نور اُن کے نفس زاکیہ ہی کا نور ہے کہ جب نفس کا کام عالی ہو جاتا ہے تو اس کا نور بدن میں سرایت کر جاتا اور بدن کا مزاج و طبیعت بن جاتا ہے۔ اس کے بعد اگر نفس بدن سے جُدا بھی ہو جاتا ہے تب بھی وہ بدن نور کی آمد و رفت کا ایسا ہی منبع و منفذ بنا رہتا ہے جس طرح زندگی اور نفس کے باقی رہنے کے وقت بنا ہوا تھا۔

خلاصۂ طریقت بندہ کو لازم ہے کہ اپنے نفس کی عبودیت اور اس کی محافظت اور مراقبہ وحضور کا پوری حفاظت کے ساتھ لحاظ رکھے اور ایک لحظہ بھی کاہلی و غفلت نہ کرے کہ محافظت اور نگہداشت کا لحاظ رکھنا تو

---

[1] يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۔

بندہ کا کام اور اُس کے کسب و اختیار کے متعلق ہے اور سیر کی توفیق دینا فضل خداوندی کے ہاتھ ہے اور یہ توفیقِ ہدایت رغبت و مسرت و بشاشت کے ساتھ عبودیت اختیار کرنے اور مطیع و محکوم بن جانے پر موقوف ہے اس لئے کہا جاتا ہے کہ بہتیرے لوگوں نے مجاہدہ و ریاضت اور اکتساب کیا۔ یہاں تک کہ حق تعالےٰ نے ان کو بالا سے بالا پہنچا دیا اور ملائکہ و انبیاء کے ساتھ ایسا ملا دیا (جیسے خاص غلام ہر وقت آقا کے ساتھ رہتے ہیں) اور بہتیروں نے اس میں کاہلی کی اور کسل مند بنے یہاں تک کہ ان کے کسل نے ان کو درک اسفل اور جہنم کے طبقۂ زیریں میں لا ڈالا (پس وصول الی اللہ کو توفیق و فضل خداوندی کا ثمرہ کہنا بھی صحیح ہے کہ بغیر توفیق کے ہمت بھی ہوتی اور ریاضت و مجاہدہ کا ثمرہ کہنا بھی سچ ہے کہ فضلِ خداوندی اہلِ ہمت ہی پر ہوتا ہے) الغرض نفس کو منور بنانا اور تزکیہ کے لئے بندہ بننا اور حکم کا فرماں بردار ہو جانا اور اس غلامی و خدمت گزاری کے بشاشت و مسرت رکھنا بڑی ضروری شرط ہے۔ بلکہ چاہیئے کہ اپنی غلامی پر فخر کرے اور بندگی کو اپنی عزت سمجھے" یا اللہ ہم کو نصیب فرما اپنی محبت اور اپنے حبیب صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی محبت کہ یہ ساری باتیں محبت ہی کی فرع ہیں اور محبت تیری توفیق کے بغیر محال ہے۔

اب جاننا چاہیئے کہ یہ حدیث جو اُوپر گزری کہ موسیٰ علیہ السلام خاک پر لوٹنے کے سبب اعلیٰ مرتبہ پر پہنچے تو یہ ان کا لوٹنا اس خاک اور زمین پر نہ تھا بلکہ اس سے مُراد عالم ارواح کے اندر نفس اور روح کا روحانی خاک پر لوٹنا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ لوٹنا بندہ کا کسب ہے اور اس لوٹنے کا طریق وہی جانتا ہے جو عالمِ ارواح میں ہو اور جو شخص اس کا سیکھنا چاہے وہ اُس کے جاننے والوں سے حاصل کرے اسی وجہ سے اس راستہ کے لئے شیخ کا دامن پکڑے اور اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دینے کی ضرورت پڑی (کہ وہ عالم ارواح میں پہنچا ہُوا ہے اس لئے اس کا طریق وہی بتا سکتا ہے) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پہلے تو ہر روز ایک بار اس خاک پر لوٹا کرتے تھے اور جب مدارج کمال بلند ہو گئے تو ہر دن میں ہزار بار لوٹا کرتے تھے پس (کوئی یہ نہ

سمجھے کہ جب خاک پر لوٹنے سے رفعت مل گئی تو اب اپنے کو کچھ سمجھنے لگے اور لوٹنا چھوڑ دیا) کیونکہ انسان کی ذات وصفات جس قدر اعلیٰ وصاف تر اور منور بنتی جاتی ہیں اسی قدر اس کی عبادت وحمد خالق وحسن ادب واخلاص وعبودیت زیادہ ہوتی جاتی ہے۔

شیخ ابو سعید ابوالخیر رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ فرماتے ہیں کہ فائدہ مند علم وہ ہے جو صاحب علم کو تکبر زائل کرنے کے بعد تواضع اور مخالطت کے بعد عزلت اور رغبت کے دفع کرنے کے بعد زہد کی میراث بخشے۔ اور وہ علم کہ جس نے اپنے اٹھانے والے صاحب علم کو عجز کے بعد تکبر اور گمنامی کے بعد شہرت کا نتیجہ دیا تو وہ وہی علم ہے جس سے فخرِ عالم صلّی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم نے پناہ چاہی ہے کہ "الٰہی غیر مفید علم سے میں پناہ مانگتا ہوں"۔ نیز شیخ ابو سعید رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ معرفت کی ابتداء ستاروں کی طرح روشن ہوتی ہے اور اس کا درمیانی حصّہ چمکتے ہوئے چاند کے مثل اور اس کا آخر کھلے ہوئے سورج جیسا کہ ساری تاریکیوں کو نور سے بدل دیتا اور تمام عیبوں سے پاک بنا کر یقین کی تجلیات سے سینہ اور قلب کے میدان کو مجلّی فرما دیتا ہے۔

اللہ تعالےٰ ہم کو اور جملہ طالبین کو نصیب فرماوے اور غفلت شعاروں کی نیند اور نادانوں کی خواب سے بیدار فرماوے اور ہر قسم کی حمد اللہ رب العالمین کے لئے ہے اور قیامت تک نازل ہوں کامل وستھری اور سدا بڑھنے والی رحمتیں اور درود اُس کے حبیب پر جو سارے نبیوں اور پیغمبروں کے سردار ہیں۔ نیز ان کی اولاد اور صحابہ پر جو پاک صاف ہیں اور ان پر جنھوں نے ان کا اتباع کیا اور ان کو محبوب سمجھا۔ اللہ تعالیٰ راضی ہو ہم سے اور اُن سب سے۔ آمین یا رب العلمین۔

طالبِ دُعا عاشق الٰہی عفی عنہ مترجم